جمیع الحقوق محفوظۃ بحقّ المؤلّف

اسم الکتاب : اہل السنۃ والجماعۃ کا تصور سنت

تألیف : .... فضیلۃ الشیخ رضآء اللہ الباجوری

الطبع.......................... الاول سنہ ۱۴۴۶ھ بمطابق 2025

تنضید: ابومنقاد رضاء اللہ بن الحاج خان بادشاہ حفظہ اللہ عنہ

النّاشر : ..... مدرسۃ ترتیل القرآن شریف آباد باجوڑ پاکستان

مقدّمة المؤلف

إنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ ،[1] وَنَسْتَغْفِرُهٗ ،[2] وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا [3] وَمِنْ سَيِّاٰتِ أَعْمَالِنَا ،[4] مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ وَ أَشْهَدُ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لاَ شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ [5]

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ﴾[6]

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾[7]

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٧٠﴾ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾[8]

أَمَّا بَعْدُ :فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهُدَى هُدٰى مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا ، ''فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ[9] وَّكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ ،[10] أَلضَّلاَلَةُ فِيالنَّارِ۔

ترجمہ

''بلا شبہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ہم اس کی تعریف کرتے ہیں۔اس سے مدد مانگتے اور اسی سے ہم بخشش طلب کرتے ہیں۔ہم اپنے نفسوں کے شر اور اپنی بد اعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جسے اللہ (سیدھی) راہ سُجھادے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں (ہو سکتا۔) میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ،وہ اکیلا ہے ،اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

اے لوگو ''''''اے ایمان والو ! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔اور تمھیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔ ! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور (پھر) اس (جان) سے اس کی بیوی کو پیدا کیا۔ پھر ان دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پیدا کر کے (زمین پر) پھیلا دیے۔اور ڈرو اللہ سے کہ جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے (حاجت براری کے لیے) سوال کرتے ہو اور ناطہ توڑنے سے (بھی ڈرو) بلا شبہ اللہ تمھارے اوپر نگہبان ہے۔ '' ''اے ایمان والو ! اللہ تعالی سے ڈرتے رہو اور بات سیدھی (سچی) کہا کرو۔ (ایسا کرو گے تو) اللہ تمھارے اعمال کی اصلاح کر دے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا۔اور جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کی ،اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد : یقینا تمام باتوں سے بہتر اللہ کی کتاب ہے۔ تمام طریقوں سے بہتر طریقہ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور تمام کاموں سے بدترین کام وہ ہیں جو (دین اسلام میں) اپنی طرف سے وضع کیے جائیں۔ دین میں ہر نیا کام بدعت اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ گمراہی "کا انجام جہنم کی آگ ہے۔

پیش "سلف صالحین اہل السنہ والجماعۃ اہل الحدیث کے عقیدۂ توحید خالص کا یہ مختصر اور جامع بیان "اے مسلمان محترم بھائی ! آپ کے سامنے خدمت ہے۔ آج امت اسلامیہ جس

اور یہ دونوں چیزیں عصر حاضر کے نئے نئے فرقوں اور میدان میں موجودہ (گمراہ نظریات والی) پارٹیوں کو...فرقہ بندی واختلاف کا شکار ہے تواس چیز نے مجھے سلف صالحین کے عقیدہ والی عبارتوں کو جمع کر کے انھیں لکھ کر پیش کرنے پر تیار کیا ہے۔... جنم دینے کا سبب بن رہی ہیں ہر فرقہ لوگوں کو اپنے عقیدے اور منہج کی طرف دعوت دیتا اور اپنی جماعت کی خوبیاں بیان کرتا ہے۔ حتی کہ (دین کا) معاملہ لوگوں پر مختلط (اور مشکوک) ہو کر رہ گیا ہے۔ (کہ نہ جانے ان فرقوں میں سے سچا اور حق پر کون ہے؟) مسلمان ان فرقوں کے اس معاملہ سے سراسیمگی اور حیرت کا شکار ہو گئے ہیں کہ وہ کس کے پیچھے چلیں اور کس کی اتباع واقتداء کریں؟

اس امت میں نہ ہی خیر اور بھلائی ابھی تک ختم ہوئی ہے اور نہ ہی ہر گز ختم ہو گی۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ... بحمد اللہ العزیز... مگر وسلم کے درج ذیل فرمان کے موجب ہمیشہ ہر دور میں ایک جماعت ایسی موجود رہی ہے (آج بھی موجود ہے) اور قیامت تک رہے گی جو دین : حق اور صراط مستقیم کو نہایت مضبوطی سے عملاً تھامنے والی ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی قدر ہے

[1] ((لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِن أُمَّتِي ظَاہِرِينَ عَلَى الْحَقِّ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّىٰ يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كَذَٰلِكَ))

"میری امت میں سے حق کے ساتھ غالب رہنے والوں کی ایک جماعت ہمیشہ (ہر دور میں) رہے گی۔ ان سے جدا ہونے والا (کہ جو ان کی مدد سے بھی ہاتھ کھینچ لے) ان کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ (ہر زمانے میں یہ معاملہ اسی طرح رہے گا) حتی کہ اللہ کا حکم (قیامت) آجائے اور وہ " اسی حالت پر رہیں گے۔

: اور پھر نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بھی ارشاد فرمایا ہے

[2] ((مَثَلُ أُمَّتِي مَثَلُ الْمَطَرِ، لا يُدْرَىٰ أَوَّلُهُ خَيرٌ أَمْ آخِرُهُ))

رواه مسلم ، حديث : ٤٩٥٠ عن ثوبا ن رضی الله عنه [2] صحیح سنن الترمذی: للالبانی۔ حدیث : ٢٨٦٩ عن أنس رضی الله [1] عنه

""" میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے۔ معلوم نہیں ہوتا کہ بارش کے آغاز میں خیر، بھلائی ہوتی ہے یا اس کے آخر میں؟

اس سے معلوم ہوا کہ ہم پر (من حیث المسلم) واجب ہے کہ ہم اس مبارک (اور اللہ کی مدد یافتہ) جماعت کے بارے میں معلومات اور اس کا تعارف حاصل کریں۔ یعنی یہ وہ جماعت ہے کہ جو صحیح اسلام کے ساتھ منسلک ہے۔ وہ دینِ اسلام (بالکل سچا اور حقیقی دین) کہ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے اور جس دین حنیف کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، تابعین و تبع تابعین عظام

رحمہم اللہ جمیعًا کی جماعت حقہ نے عملی جامہ پہنایا...اللہ ہمیں بھی ان میں سے کر دے) ... (وَمَن تَبِعَهُم بِإِحۡسَانٍ إِلَىٰ يَوۡمِ الدِّينِ کہا جاتا ہے۔ اس جماعت کو "نجات یافتہ فرقہ اور اللہ کی مدد یافتہ جماعت...فرقہ ناجیہ اور طائفہ منصورہ" تھا۔ اسی جماعت کو شرعی اصطلاح میں کی پہچان سے جانا جاتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو بالکل اُسی دین حق پر ہمیشہ قائم رہتے ہیں جس دین و منہج پر نبی معظم محمد "اہل السنۃ والجماعۃ، " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے۔

اسی بنیادی اصل و قاعدہ کے پیش نظر میں نے اپنی کتاب

'اَلْمُيَسَّرُ فِيْ عَقِيْدَةِ السَّلَفِ الصَّالِحِ "کی تلخیص کر کے جلد ہی یہ کتاب "اَلْوَجِيْز" تیار کر دی ہے۔ کتاب ہذا" اَلْوَجِيْزُ ''کی تیاری میں اُن صدق و صفا اور عدالت و علم والے آئمہ سلف کی کتابوں سے میں نے استفادہ کر کے علمی پیاس بجھائی ہے کہ جو سنت و حدیث کی اتباع کرنے والے اور امامت کے مقام پر فائز تھے۔ یہ وہ کتب ہیں کہ جن کے لکھنے والوں نے ایک دوسرے سے بڑھ کر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی اور ہدایت سے علوم و معارف کو حاصل کر کے انھیں تحریر کیا ہے۔ میں نے اس بات کی طمع و سعی کی ہے کہ "اَلْوَجِيْزُ" مختصر عبارت اور نہایت آسان، واضح اسلوب بیان کے ساتھ مزین ہو۔ اسی طرح حتی الامکان آئمۃ السلف سے شرعی ماثور الفاظ کو نقل کرنے کا اہتمام بھی کیا ہے تا کہ ہر پڑھنے والا شخص اس سے استفادہ کر سکے۔ بالخصوص بابرکت اسلامی بیداری والے نوجوان بیٹے۔

اور انتہائی آسان شکل میں دینی التزام کرنے والے نوجوانوں اور ہدایت مستقیم کی طرف نئے نئے پلٹنے والے احباب کے لیے سلف صالحین کے بالاجمال عقیدۂ توحید خالص کو سیکھنے میں تا کہ یہ مددگار ثابت ہو سکے۔ اس لیے کہ عقیدہ کا علم ایک زنجیر کی مانند ہے کہ جس کی سب کڑیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں۔ چنانچہ مسلمان آدمی اگر عقیدۂ توحید خالص کو بالاجمال نہیں سمجھتا تو وہ اس کے اجزاء اور اس کی تفاصیل کو بھی پورے طور پر سمجھ ہی نہیں سکے گا۔ میں نے اپنی طرف سے کسی نئی چیز کا اضافہ نہیں کیا، صرف اسی بات کو درج کیا ہے کہ جس کو بیان کرنے اور جس کی وضاحت کرنے کو میں نے نہایت ضروری جانا ہے۔ یہ بات بھی بتلا دینا چاہتا ہوں کہ س کتاب "اَلْوَجِيْزُ" کی تیاری میں جن مصادر و مراجع پر میں نے اعتماد کیا ہے ان کی فہرست اس کتاب کے آخر میں بنادی ہے۔

آخر میں: اس کتاب...اَلْوَجِيْزُ... کو مکمل کر لینے کی توفیق پر میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی حمد و ثنائے جمیل کے ساتھ اس کا شکر گزار ہوں اور اللہ کریم سے اس بات کی اُمید واثق رکھتا ہوں وہ اہل اسلام کے فاسدانہ عقائد کی اصلاح میں اس عاجزانہ کوشش میں ضرور برکت ڈالے گا۔ اسے ان کے لیے نفع بخش بنائے گا اور اس کتاب کو ان کے لیے اپنی کتاب" قرآن مجید" اور اپنے حبیب و خلیل نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف واپس پلٹ آنے کا ذریعہ بنادے گا (ان شاء اللہ)۔

۔میں اللہ رب العالمین سے اس بات کی استدعاء بھی کرتا ہوں کہ وہ میری اس کاوش کو اپنی ذات اقدس کے لیے خالص کرلے۔اسے میری طرف سے قبول فرمالے اور اس کے ذریعے تمام اہل اسلام کو نفع بھی پہنچائے۔میں ہر اس شخص سے اللہ کے ہاں برأت کا اظہار بھی کرتا ہوں کہ جو اللہ عزوجل کی کتاب، اس کے نبی محترم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور سلف صالحین کے فہم و منہج کی مخالفت کرتا ہو۔اور اگر ایسی کوئی غلطی انجانے میں مجھ سے بھی سرزد ہوگئی ہے تو میں اپنی زندگی میں بھی اس سے رجوع کرتا ہوں اور اپنی موت کے بعد بھی۔

وَصَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلَى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ الراجی لرحمۃ ربه المجید

ابو عطاالمنعم رضاالله بن الحاج خان بادشاہ نزیل شریف آبادباجورپاکستان شوال المکرم ۱۱/۱۴۴۶ھ

لیلۃ الخمیس 9اپریل 2025

فصل اوّل...اہم تعریفیں

عقیدہ کی تعریف:

لغوی معنیٰ: لفظ ”عقیدہ“ . . . اَلْعَقْد سے مشتق ہے۔جس کا معنیٰ: باندھنا، گرہ لگانا، مضبوط و مستحکم کرنا، کام کو ٹھیک طور پر انجام دینا، کسی معاملہ میں اعتماد و یقین کے ساتھ وثوق و پختگی حاصل کرنا، قوت و طاقت سے تھام لینا، حسّی اور معنوی طور پر کسی چیز کے اجزاء کا باہم ارتباط، (التماسک) سیسہ پلائی دیوار کی طرح ایک دوسرے سے مضبوط جڑا ہوا ہونا۔ پایۂ ثبوت کو پہنچانا اور یقین و عزم صمیم (جزم و حزم) ہوتا ہے۔ العَقْد ...باندھنا، کھولنے کا مخالف ہوتا ہے۔یہ کلمہ مذکور بالا معانی میں باب ضَرَبَ یَضْرِبُ کے وزن پر...عَقَدَ یَعْقِدُ عَقْدًا... آتا ہے۔(ثلاثی مجرد میں یہ باب سَمِعَ یَسْمَعُ کے وزن پر...عَقِدَ یَعْقَدُ عَقْدًا . . . بھی آتا ہے۔جس کا معنیٰ ہوتا ہے: اُلجھا ہوا ہونا۔ لکنت والا ہونا وغیرہ) اسی (باب ضَرَبَ) سے اس کا استعمال یوں بھی آتا ہے۔عُقْدَۃُ الْیَمِیْنِ، عُقْدَۃُ النِّکَاحِ... جیسے کہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ﴾ (المائدہ:۸۹)

”اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو لغو قسموں پر نہیں پکڑے گا۔البتہ ان قسموں پر پکڑے گا جو قصداً تم نے (گرہ باندھ کر، مضبوط) کھائی ہوں۔“ دوسرے مقام پر فرمایا

: ﴿وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ﴾ (البقرۃ:۲۳۵)

”اور نکاح کی گرہ باندھنے کا قصد مت کرو جب تک کہ عدت نہ گزر جائے۔“ اور العقیدہ کا (اہل لغت کے نزدیک) معنی یوں بھی کیا جاتا ہے۔ الحُکمُ الّذِي لايُقبل الشک فِيه لدى مُعتقِده ... (کسی بھی ذات کی نسبت) وہ فیصلہ کہ جس کے متعلق اس فیصلہ و اعتقاد کے رکھنے والے کے ہاں اس بارے میں شک قبول نہ کیا جائے۔“ اور دین میں عقیدہ کا مطلب ہوتا ہے عمل کے بغیر صرف دلی اعتقاد۔ جیسے اللہ رب

العزت کی ذات کے وجود اقدس اور نبیوں کی بعثت (فرشتوں اور جنوں کا باقاعدہ الگ الگ ایک مخلوق ہونا وغیرہ وغیرہ) کے متعلق دل سے عقیدہ واعتقاد رکھنا۔ عقیدہ کی جمع "عقائد" آتی ہے۔[1]

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ:" جس بات اور جس نظریہ پر انسان اپنے دل کے قصد و جزم کے ساتھ مضبوط گرہ باندھ لے اور اس پر وثوق و پختگی اختیار کر لے ...وہ عقیدہ ہوتا ہے۔ چاہے یہ حق ہو یا باطل۔" (یوں اس کی دو قسمیں ہو گئیں: عقیدہ حق اور باطل عقیدہ۔)

اصطلاحی معنی: اصطلاحاً عقیدہ کا معنی یہ ہے کہ: وہ اُمور جن کے لیے واجب ہے کہ ان کی تصدیق دل کرے اور ان پر نفس مطمئن ہو حتی کہ ایسا یقینِ محکم حاصل ہو جائے جس میں شک وشبہ ملا ہوا، نہ ہو۔"

یعنی عزم صمیم و جزم عمیق والا ایسا ایمان کہ عقیدہ رکھنے والے کے پاس شک وشبہ پھٹکنے بھی نہ پائے۔ اس کے لیے واجب ہے کہ یہ حالت حقیقت وواقعہ کے عین مطابق ہو۔ (فرضی اور صرف سنی سنائی نہ ہو۔) جو نہ ہی تو شک کو قبول کرے اور نہ ہی گمان کو۔ اور اگر اس ضمن میں علم یقینِ جازم (پختہ ارادے والے یقین) کے درجہ کو نہیں پہنچتا تو اس کا

[1]تفصیل کے لیے: لسان العرب، القاموس المحیط، المعجم الوسیط اور القاموس الوحید دیکھ لیجیے۔

نام عقیدہ نہیں رکھا جا سکتا۔ مذکور بالا ساری تشریح کا نام "عقیدہ" اس لیے رکھا گیا ہے کہ: انسان اس پر (عزم صمیم و یقین جازم کے ذریعے) اپنے دل کو گرہ دے لیتا ہے۔ اسلامی عقیدہ: اسلامی عقیدہ کا معنی ہے:" اللہ تبارک وتعالیٰ کی ربوبیت،[1] اُس کی اولوہیت[2]

اور اس کے اسماء حسنی وصفات عالیہ، اس کے فرشتوں، اس کی نازل کردہ کتابوں، اس کے تمام سچے رسولوں، تقدیر کے اچھا اور برا ہونے، غیب سے متعلقہ تمام اُمور کہ جو قرآن و سنت میں مذکور ہیں، دین حنیف کے اصول و قواعد اور جس جس مسئلہ پر سلف صالحین (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعینِ عظام رحمہم اللہ جمیعًا) کا اجماع ہے۔ ان تمام اُمور میں اللہ عزوجل، رب العالمین پر یقین محکم کے ساتھ ایمان جازم رکھنا اسلامی عقیدہ ہے۔ اسی طرح پورے کے پورے دین حنیف میں داخل ہو جانے، فیصلہ وعدالت اور قانون کے نفاذ والے حق میں صرف ایک اللہ عزوجل کے لیے مکمل طور پر اپنے آپ کو پیش کر دینے، اطاعت میں مکمل رب کائنات کے حق کو تسلیم کر لینے اور اتباع کے لیے صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ھادی و رہنما اور قائد اعظم و امامِ اوّل مان لینے کا نام "اسلامی عقیدۂ توحید و رسالت" ہے۔

(عقیدہ میں یہ اصل پہلی اصل کا جزو لاینفک اور مکمل حصہ ہے۔ اس کے بغیر اسلامی عقیدہ نا تمام اور ادھورا ہے۔) جب مذکور بالا عبارت کے مطابق اسلامی عقیدہ پر کسی قسم کی اپنی کوئی وضع کردہ

[1]کہ وہی اکیلا رب کبریاء تمام کی تمام مخلوقات کے ہر ہر جہان، ہر جہان کے ایک ایک فرد اور ہر فرد کے ایک ایک جزء کا بلا شرکتِ غیر، بغیر کسی سانجھی، شریک، حصے دار، معاون و مشیر کے تنہا پیدا کرنے والا، اکیلا ہی ایک ایک چیز کے ہر ہر حصے کا مالک، سب کائنات کے تمام جہانوں کا اکیلا ہی مدبر الامور، نگران و نگہبان، رازق و مشکل کشا اور معبودِ برحق ہے۔ [2] کہ تمام مخلوقات کی سب قلبی، لسانی، جسمانی اور مالی عبادات کا صرف ایک اللہ عزوجل ہی حق دار ہے۔ اس کی ذات اقدس کے علاوہ کسی اور کی، کسی بھی طرح سے عبادت کو جائز اور لائق ہرگز نہ سمجھنا اُلوہیت ہے۔

قید نہ لگائی جائے اور اسے یونہی مطلق رکھا جائے تو جانیے کہ یہی اہل السنہ والجماعۃ، اہل الحدیث والقرآن کا عقیدہ ہے۔ اس لیے کہ یہی وہ اسلام ہے جسے اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کے لیے بطورِ شریعت اور دین و دستور العمل کے طور پر پسند فرما رکھا ہے۔ انتہائی فضیلت والے پہلے قرون ثلاثہ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، تابعین و تبع تابعین عظام رحمہم اللہ جمیعًا کا عقیدہ بھی یہی تھا۔ اہل السنۃ والجماعۃ، اہل الحدیث والقرآن کے نزدیک اس عقیدۂ اسلامی کے لیے ہم معنی و مترادف الفاظ کچھ اور بھی ہیں جو اس کے مفہوم پر پوری پوری دلالت کرتے ہیں۔ جیسے کہ ''التوحید، السنہ، أصول الدین، الفقہ الاکبر، الشریعۃ اور الایمان۔'' علمِ عقیدہ پر اہل السنہ والجماعت کے یہ سب سے زیادہ مشہور ''اطلاقات'' ہیں۔ جو اسلامی عقیدہ پر منطبق ہوتے ہیں۔

سلف کی تعریف:

لغوی معنی: زمانۂ ماضی میں جو گزر چکا ہو اسے عربی میں: ''سَلَفَ الشَّيْئُ سَلَفًا'' کہتے ہیں۔ یعنی کوئی کام ہو چکا۔ کوئی چیز ماضی میں گزر چکی۔ اور ''اَلسَّلَفُ'' کا معنی ہے: ''اَلْجَمَاعَةُ الْمُتَقَدِّمُوْنَ'' گزرے ہوئے لوگوں کی جماعت۔ جیسے کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿فَلَمَّآ آسَفُونَا انتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ۞ فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَفًا وَمَثَلًا لِّلْآخِرِينَ﴾ (الزخرف: ۵۶،۵۵)

''بیشک وہ نافرمان (شریر) لوگ تھے۔ جب انہوں نے غصہ دلایا تو ہم نے ان سے بدلا لیا اور ان سب کو (سمندر میں) ڈبو دیا۔ پھر ہم نے ان کو گئے گزرے کر دیا اور پچھلوں کے لیے عبرت بنا دیا۔''

یعنی ہم نے ان کو بعد میں آنے والوں کے لیے پیش رو اور نمونہ عبرت بنا دیا کہ جو بھی ان کے نقش قدم پر چلے گا اس کا انجام بھی یہی ہو گا۔ یہاں موسیٰ علیہ السلام کے دور میں فرعون اور اس کی افواج کو سمندر میں غرق کرنے والا واقعہ۔ اس لیے بیان کیا تاکہ ان کے بعد آنے والے عبرت حاصل کریں اور دوسروں کو اس کی وعظ و نصیحت کرتے رہیں۔ اور ''السَّلَفُ'' کا معنی ہوتا ہے: تمھارے آباؤ اجداد اور تمھارے قرابت داروں میں سے وہ لوگ جو عمر اور فضیلت میں تم سے فوقیت والے تھے اور وہ دنیا سے گزر چکے ہیں۔ اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین عظام رحمہم اللہ جمیعًا والی پہلی صدی ہجری کے لوگوں کو ''سلف صالحین'' کہا جاتا ہے۔

اصطلاحی معنی:

عقیدہ کے موضوع پر لکھنے لکھانے اور پڑھانے والے علماء کرام کے نزدیک جب ''سَلَف'' کا لفظ مطلق طور پر بولا اور استعمال کیا جاتا ہے تو بلاشک وشبہ ان سب کی تعریفات صحابہ کرام کے گرد گھومتی ہیں۔ یعنی اس لفظ کا اطلاق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ہوتا ہے یا پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ پر۔ یا حدیث میں مذکور فضیلت والے پہلے تینوں زمانوں کے اہلِ ایمان یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین عظام رحمہم اللہ جمیعًا پر۔ کہ یہ لوگ امامت و فضیلت، سنت کی مکمل اتباع اور منہج سنت میں امامت واقتداء کے حقدار، اجماعِ امّت سے مصدَّق آئمہ اعلام (دین حق کے صحیح نشان راہ) تھے۔ بدعات و خرافات سے اجتناب و حذر ان کی پہچان تھی۔ اور یہ وہ لوگ تھے کہ تمام امت اسلامیہ کے علماء عظام ان کی امامت اور دین حنیف میں ان کی عظمت شان پر متفق ہو چکے ہیں۔ اسی لیے صدر اول کے اہل ایمان کو ''سلف صالحین'' کہا جاتا ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی قدر ہے:

﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ (النساء:١١٥)

" اور جو کوئی سچی راہ کھل جانے کے بعد پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا خلاف کرے اور مسلمانوں کے راستہ کے سوا کسی دوسرے راستے کی اتباع کرے تو ہم اس کو اسی راہ پر چلنے دیں گے (اسی حال پر چھوڑ دیں گے) اور (آخرت میں) اس کو دوزخ میں لے جا کر ڈال دیں گے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی۔" تو یہاں اس آیت کریمہ میں لفظ "اَلْمُؤْ مِنِیْنَ" سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام ہیں رحمہم اللہ جمیعاً۔ دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ (التوبہ:١٠٠)

" اور مہاجرین وانصار میں سے جن لوگوں نے اول ہجرت کی اور پہلے اسلام لائے اور جنھوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے تلے نہریں پڑی بہ رہی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔" اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

((خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ط ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ)) [1]

"دنیا جہان کے تمام لوگوں سے بہتر میرے زمانہ کے لوگ ہیں (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین) پھر وہ لوگ ہیں جو ان سے متصل بعد آئیں گے۔ (تابعین عظام) اور پھر وہ لوگ ہوں گے جو ان سے متصل بعد آئیں گے۔ (تبع تابعین کرام رحمہم اللہ جمیعًا۔)"

[1] رواہ البخاری، حدیث نمبر ٢٦٥٢، صحیح مسلم حدیث نمبر ٦٤٧٢۔

سید الجنّۃ والبشر امام الانبیاء والرسل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے اصحابِ اطہار و اخیار اور احسان و اصلاح کے ذریعے ان کی اتباع کرنے والے تابعین و تبع تابعین کرام رحمہم اللہ جمیعًا ہی اس امت کے "سلف صالحین" ہیں۔

اور ہر وہ داعی الی اللہ شخص کہ جو اسی دین کی طرف دعوت دیتا ہو کہ جس منہج وطریق اور شریعت واسلام کی طرف نبی ختم الرسل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اطہار واخیار نے اور احسان واصلاح کے ساتھ ان کی اتباع کرنے والوں نے دعوت دی تھی، خوب جان لیجئے کہ وہ آدمی سلف صالحین کے مکمل منہج وطریق پر ہے۔ اس ضمن میں زمانے کی تحدید شرط نہیں ہے۔ بلکہ اصل میں مذکور بالا سلف صالحین کے فہم پر عقیدہ واحکام اور مسائلِ فقہیہ میں کتاب وسنت (قرآن مجید اور صحیح احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی موافقت ہی شرط اول وآخر ہے۔ چنانچہ ہر وہ شخص کہ جس کا قول عمل کتاب وسنت کے موافق ہے اس کا شمار سلف صالحین کے اتباع میں سے ہو گا، اگرچہ مکان وزمان کے اعتبار سے وہ سلف صالحین سے کتنا ہی دور کیوں نہ ہو۔ اور جو بھی شخص سلف صالحین کی مخالفت عملی یا قولی طور پر کرے وہ ہر گز

ان میں سے نہیں ہے، اگرچہ ان کے درمیان ہی وہ کیوں نہ رہ رہا ہو۔ سلف صالحین مذکورین اعلاہ کے امام ورہنما صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی قدر ہے:

﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾ (الفتح: ۲۹)

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا پیغمبر ہے اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم) وہ کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں (ایک دوسرے پر) نہایت رحم دل ہوتے ہیں (اے دیکھنے والے) تو ان کو دیکھتا ہے (کبھی) وہ رکوع کر رہے ہیں (کبھی) سجدہ کر رہے ہیں۔ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کی فکر میں رہتے ہیں۔ ان کی نشانی ان کے چہروں پر موجود یعنی سجدے کی نشانی۔ یہ تو ان کا وصف تورات شریف میں بھی بیان ہوا ہے اور انجیل شریف میں ان کی مثال ایک کھیتی کی سی بیان کی گئی ہے کہ جس نے زمین سے اپنی سوئی (کونپل) نکالی (مولکہ یا پٹھا) پھر اس کو زور دار کیا، وہ موٹی ہوگئی۔ اب اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی اور کسانوں کو بھلی لگنے لگی۔ اللہ تعالیٰ نے اس لیے (کیا) کہ کافر ان کو دیکھ کر جلیں۔ ان لوگوں میں جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان سے اللہ تعالیٰ نے بخشش کا اور بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔''

(اس آیت کریمہ کے پہلے جملہ ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ. . .'' میں اللہ عزوجل نے بتلا دیا ہے کہ اس اُمّت کے قرآن وسنت پر چلنے والوں کے امام و قائد اعظم محمد رسول اللہ ہیں۔ (صلی اللّٰہ علیہ وبارَکَ وسَلّمَ تسلیمًا کثیرًا)

اللہ رب العالمین نے اپنے درج ذیل فرمان میں اپنی اور اپنے رسول محمد النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو ایک ساتھ جمع کرکے دونوں کو ملا دیا اور اس کی عظمت شان بھی بیان فرما دی ہے۔

﴿وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۚ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ﴿﴾ ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عَلِيمًا﴾ (النساء: ۶۹، ۷۰)

''اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول کا کہا مانیں وہ (جنت میں) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے سرفراز فرمایا ہے۔ یعنی اللہ کے پیغمبر، صِدّیق، شہید اور نیکوں کے ساتھ اور ان لوگوں کا ساتھ اچھا ساتھ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے (کہ اطاعت کرنے والوں کو بھی بڑے درجے والوں کے ساتھ رکھے گا) اور اللہ تعالیٰ کافی ہے سب کچھ جاننے والا۔''[1]

دوسرے مقام پر اللہ رب کبریاء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

[1] ''صدّیق'' صدق سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی جو جملہ امور دین کی تصدیق کرنے والا ہو اور کبھی کسی معاملہ میں خلجان اور شک اس کے دل میں پیدا نہ ہو۔ یا وہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق میں سبقت کرنے کی وجہ سے دوسروں کے لیے اسوۂ بنے۔ اس اعتبار سے اس امت کے صدیق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ دوسرے افاضل صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے نمونہ بنے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اول

مسلمانوں میں شمار ہوتے ہیں مگر چھوٹے بچے ہونے کی وجہ سے دوسروں کے لیے نمونہ نہیں بن سکے۔ چونکہ نبی کے بعد صدیق کا درجہ ہے اس لیے علماء اہل سنت کا اجماع ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ہیں۔ شہداء ... شہید کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جان دی۔ امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شہداء ہونے کا شرف حاصل ہے اور صالحین سے مراد وہ لوگ ہیں جو عقیدہ و عمل کے اعتبار سے ہر قسم کے فساد سے محفوظ رہے۔ (فخر الدین رازی) مجموعہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل میں اشتیاق پیدا ہوا کہ جنت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت حاصل ہو جائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ صحیح مسلم میں ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے آنحضرت سے درخواست کی کہ جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نصیب ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کثرت سجود (کثرت نوافل) سے میری مدد کرو۔ ترمذی کی ایک حدیث میں ہے: ((اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآئِ)) ... امانت دار اور سچ بولنے والا تاجر قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہوگا۔ (ابن کثیر۔ رازی)

﴿مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۖ وَمَن تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا﴾ (النساء:۸۰)

''جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرے گا بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کا کہا مانا اور جو کوئی نہ مانے تو ہم نے تجھ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔'' ایک اور مقام پر اللہ عزوجل نے نہایت واضح الفاظ میں بیان فرمایا اور اس بات کی خبر دے دی کہ اس کے حبیب و خلیل نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہ کرنا آدمی کے تمام اعمال کو باطل اور ضائع کر دیتا ہے۔ (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کے بغیر کسی عمل کا کچھ فائدہ نہیں بلکہ اُلٹا گناہ ہوگا اور جان بوجھ کر سنت کی مخالفت کرنے پر آدمی کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سزا ملے گی۔) چنانچہ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ (محمد:۳۳)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ کا حکم مانو اور پیغمبر (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا حکم مانو اور (ان کا خلاف کر کے) اپنے (نیک) کام ملیا میٹ نہ کرو۔'' اور اپنے درج ذیل فرمان میں اللہ ذوالجلال والاکرام نے ہمیں اپنے حبیب و خلیل نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔

﴿وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ (النساء:۱۴)

'' اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدوں سے بڑھ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں لے جائے گا۔ وہ ہمیشہ اس میں رہے گا اور ذلت کی مار کھائے گا۔''

اللہ عزوجل نے ہمیں اس بات کا حکم فرمایا ہے کہ جس بات اور جس عمل کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں دیں وہ ہم کریں اور یہ کہ ہر اس بات اور عمل کو ہم چھوڑ دیں جس سے آپ ہمیں منع فرمائیں۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (الحشر:۷)

''اور (ہمارا) پیغمبر جو کچھ تمھیں (اوامر واحکام میں سے) دے وہ لے لو اور جس سے تمھیں روک دے، تو رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو، یقیناً اللہ تعالیٰ بہت سخت سزا دینے والا ہے۔'' ہمیں اللہ رب العالمین نے اس بات کا حکم بھی فرمایا ہے کہ ہم اپنی زندگی کے تمام کے تمام معاملات میں رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا فیصلہ کرنے والا تسلیم کریں اور یہ کہ ہم ہر بات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی طرف رجوع کریں۔" چنانچہ فرمایا:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (النساء:٦٥)

"(اے پیغمبر) تیرے پروردگار کی قسم (اللہ تعالیٰ خود اپنی قسم کھاتا ہے) وہ مومن نہ ہوں گے جب تک اپنے جھگڑوں کا فیصلہ تجھ سے نہ کرائیں۔ پھر تیرے فیصلے سے ان کے دلوں میں کچھ اداسی نہ ہو اور (خوشی خوشی) مان کر منظور کرلیں۔" اللہ رب کبریاء نے ہمیں اس بات سے بھی مطلع فرمایا ہے کہ اس کے حبیب و خلیل نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے (زندگی کے جمیع معاملات میں) مکمل اور بہترین نمونہ (اُسوہ حسنہ) اور قابل اتباع صالح پیشوا ہیں۔ آپ ایسے بے مثل آئیڈیل ہیں کہ جن کی اتباع و اقتداء ہم پر واجب ہے۔ چنانچہ اللہ رب العالمین ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾ (الاحزاب:٢١)

(مسلمانو) بلاشک و شبہ یقینا تمہارے لیے اللہ کے رسول میں ہمیشہ سے اچھا نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور پچھلے دن (قیامت) سے ڈرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتے ہیں۔" اسی طرح اللہ کریم نے اپنے درج ذیل فرمان میں اپنی رضا کو اپنے حبیب و خلیل پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے ساتھ ملا دیا ہے۔ (یعنی مسلمانوں کے لیے دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں کامیابی کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کی خوشی و رضا حاصل کرنا ضروری ہے۔) چنانچہ فرمایا:

﴿يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَن يُرْضُوهُ إِن كَانُوا مُؤْمِنِينَ﴾ (التوبہ:٦٢)

"(مسلمانو) یہ لوگ تم کو راضی کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں۔ اور اگر ان میں ایمان ہوتا تو (پہلے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو راضی کرتے) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو راضی کرنا زیادہ ضروری تھا۔" [1]

ایک مقام پر رب العزت نے اپنے محبوب نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو اپنی محبت کی علامت قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (آل عمران:٣١)

"(اے پیغمبر) کہہ دے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری راہ پر چلو۔ اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔" اس لیے سلف صالحین کے نزدیک تنازع کے وقت مرجع و مصدر اول و آخر صرف اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہوا کرتے تھے۔ اور اسی بات کا حکم اللہ رب العالمین نے ہمیں بھی فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ (النساء:۵۹)

''مسلمانو! اللہ تعالیٰ کا حکم مانو اور اس کے رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہوں۔ پھر اگر تم (اور حاکم وقت) کسی بات میں جھگڑ پڑو تو اس کو اللہ تعالیٰ اور رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم کو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان ہے۔ یہ (تمھارے حق میں) بہتر ہے اور اس کا انجام بہت اچھا ہے۔'' اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل سلف صالحین کے اصحاب اطہار واختیار رضی اللہ عنہم اجمعین تھے کہ جنھوں نے دین حنیف آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت صدق وصفا اور اخلاص کے ساتھ سیکھا اور اس پر پورا پورا عمل کیا تھا۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں ان کا یہ وصف یوں بیان فرمایا ہے:

﴿مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ ۖ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا﴾ (الاحزاب:۲۳)

[1]منافقین اپنی خلوتوں اور تنہائیوں میں مسلمانوں اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پھبتیاں کستے۔ مسلمانوں کو یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر کبھی ان کی اطلاع ہو جاتی تو وہ قسمیں کھا کھا کر مسلمانوں کو راضی کرنے کی کوشش کرتے. اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پروا نہ کرتے۔ منافقین کی اسی حرکت کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔

''انہی مسلمانوں میں کچھ مرد تو ایسے ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ سے جو اقرار کیا تھا اس میں سچے اترے۔ ان میں سے بعض تو اپنا کام پورا کر چکے (یا اپنی منت پوری کر چکے) اور بعض (ابھی) راہ دیکھ رہے ہیں۔ اور ان لوگوں نے (اپنے اقرار کو) ذرا نہیں بدلا۔'' [1]

اور پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بعد پہلے تینوں قرون مفضّلہ میں سے تابعین عظام رحمہم اللہ جمیعًا تھے کہ جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ((خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِيْ ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ۔)) . . . ''تمام لوگوں میں سب سے بہتر لوگ میرے زمانہ کے لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) ہیں۔ پھر وہ لوگ (صحابہ کے بعد تمام لوگوں میں) سب سے بہتر ہیں جو ان سے متصل زمانہ کے لوگ (تابعین کرام) ہوں گے۔ پھر وہ لوگ (تابعین رحمہم اللہ وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تمام لوگوں میں) سب سے بہتر ہیں جو ان سے متصل زمانہ کے لوگ (تبع تابعین رحمہم اللہ) ہوں گے۔'' [2]

[1]اس اقرار سے مراد وہ اقرار ہے جو مدینہ منورہ کے انصار رضی اللہ عنہم نے ''لیلہ عقبہ'' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا۔ اور وہ یہ تھا کہ آخر دم تک وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت و مدافعت میں اپنی جانیں تک قربان کر دیں گے۔ یا اس سے مراد بعض ان لوگوں کا عہد ہے جو کسی وجہ سے غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اور انھوں نے عہد کیا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انھیں آزمائش کا موقع دیا تو وہ کسی دوسرے معرکہ میں ثابت قدم رہیں گے اور پیٹھ نہیں دکھائیں گے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے چچا انس بن نضر رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ اس کا انھیں بڑا رنج ہوا۔ کہنے لگے کہ اب اگر کوئی جنگ ہوئی تو اللہ دیکھے گا کہ میں کیا کرتا ہوں۔ چنانچہ غزوۂ احد میں شریک ہوئے اور پھر لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ ان کے بدن پر تلوار ، تیر اور نیزے کے اسی سے زیادہ زخم پائے گئے تھے۔ ان کی بہن ربیع بن نضر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں اپنے بھائی کو صرف ان انگلیوں کے پوروں سے پہچان سکی تھی۔ یہ آیت ان کے اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ (ابن کثیر) [2] صحیح البخاری ، حدیث ۲۶۵۲ و صحیح مسلم حدیث ۶۴۷۲۔

اس لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین عظام رحمہم اللہ جمیعًا باقی سب لوگوں کی نسبت اتباع کے زیادہ حق دار ہیں۔ ان کا یہ حق ان کے ایمان میں ان کی مکمل سچائی اور اپنی عبادت میں ان کے اخلاص کی وجہ سے ہے۔ یہی لوگ عقیدۂ سلیمہ اور توحید خالص کے سخت پہرے دار اور قولاً، عملاً شریعت مطہرہ پر عمل کرنے والے اس کے مکمل حمایتی تھے۔ اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو اپنے دین کی نشر واشاعت اور اپنے نبی مکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت کی تبلیغ کے لیے منتخب فرمالیا تھا۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((... وَإِنَّ بَنِي إِسرَائيل تَفَرّقتْ عَلَىٰ ثِنتينِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَىٰ ثَلاَثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً)) قال۔ اَی عَبْدُاللّٰهِ بنُ عَمْرٍو رَاوی الحديثِ :مَنْ هِيَ يَارَسُولَ اللّٰه؟ قال :((مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي)) [1]

"بلاشبہ بنو اسرائیل بہتر (72) فرقوں میں تقسیم ہو گئے جبکہ میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ایک جماعت کے سوا باقی سب فرقے جہنم میں جائیں گے۔" راویٔ حدیث جناب عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے پوچھا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کن لوگوں کی جماعت ہو گی؟ فرمایا:" یہ اس منہج وصراط مستقیم والے لوگ ہوں گے جس پر آج میں اور میرے اصحاب ہیں، رضی اللہ عنہم اجمعین۔" اور ہر وہ مومن و مسلمان آدمی کہ جس نے سلف صالحین کی اقتداء کی اور وہ انہیں کے نہج پر چلتا رہا، ہر دور کے ایسے ہر شخص کو ان سلف صالحین کی طرف نسبت کی وجہ سے "سلفی" کہا جاتا ہے۔ اس کی یہ نسبت اس کے اور ان لوگوں کے درمیان فرق

[1] رواہ الترمذی، کتاب الایمان حدیث ۲۶۴۱ ۔ الدارمی

کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے جو سلف صالحین کی مخالفت کرتے ہیں اور ان کے علاوہ دوسروں کے راستوں کی پیروی کرتے ہیں۔ اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی قدر ہے: "اور جو کوئی سچی راہ کھل جانے کے بعد کہ اس پر ہدایت خوب واضح ہو چکی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کے رستہ کے سوا کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے ہم اس کو اسی راہ پر چلنے دیں گے (اسی حال پر چھوڑ دیں گے) اور (آخرت میں) اس کو دوزخ میں لے جا کر ڈال دیں گے اور وہ بری جگہ ہے واپس پلٹ کر جانے کی۔" (النساء:۱۱۵ آیت کریمہ پیچھے گزر چکی ہے۔) ہر مسلمان آدمی کے لیے صرف یہی بات بہت بڑی وسعت و سعادت والی ہے کہ وہ اپنی نسبت ان سلف صالحین (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین عظام رحمہم اللہ علیہم اجمعین) کی طرف کرتے ہوئے اس پر فخر کرے۔ (یعنی فخر کے لیے گنجائش والے معاملات میں سے یہ انتساب بہت اعلیٰ ہے۔) اور "السلفیہ" کا لفظ سلف صالحین کے طریقہ پر دین اسلام کے سیکھنے، اس کا فہم حاصل کرنے اور مسائل میں آیات واحادیث کی تطبیق دینے کے لیے حاصل کردہ علم کا نام معروف ہو گیا ہے۔ اس لیے بلاشبہ "سلفیۃ" کے مفہوم کا اطلاق صرف کتاب اللہ العزیز اور جو بھی علم وعمل نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہو، ان دونوں (اُصول شریعت) پر سلف صالحین کے فہم کامل کے عین مطابق پورے کا پورا التزام و عمل کرنے والوں پر ہوتا ہے۔

اہل السنۃ والجماعۃ کی تعریف:

السنہ کا لغوی معنیٰ: کلمہ "اَلسُّنَّه" "باب ضَرَبَ يَضْرِبُ ، سَنَّ يَسِنُّ اور باب نَصَرَ يَنْصُرُ :سَنَّ يَسُنُّ سَنًّا سے مشتق ہے۔ اور اسی سے لفظ

"مسنون" ہے۔ اور جب کہیں گے: سَنَّ الْاَمْرَ... تو اس کا مطلب ہو گا: بَیَّنَہُ... اس نے معاملہ کو وضاحت سے بیان کر دیا۔ اور "السُّنَّۃ" کا معنی طریقہ اور سیرت بھی ہوتا ہے۔ چاہے یہ طریقہ قابل ستائش ہو یا قابلِ مذمّت۔ اس کی مثال نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل فرامین میں موجود ہے۔ ا... سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَتَتَّبِعَنَّ سُنَنَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ)) [1]

"تم لوگ بالشت برابر بالشت کے اور ہاتھ برابر ہاتھ کے ان کے طریقوں پر ضرور چلو گے جو تم سے پہلے تھے۔" (یعنی دینی اور دنیاوی دونوں معاملات میں یہود و نصاریٰ کے طریقوں پر) ۲... سیدنا جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ سَنَّ فِي الإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ؛ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ، وَمَنْ سَنَّ فِي الإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً ...)) [2]

"جس نے اسلام میں آ کر نیک بات (یعنی کتاب و سنت کی بات) جاری کی (بات سے مراد طریقہ و عمل ہے) تو اس کے لیے اپنے عمل کا بھی ثواب ہے اور جو لوگ اس کے بعد (اس کی دیکھا دیکھی) یہ مسنون عمل کریں گے اُسے ان کا بھی ثواب ملے گا۔ بغیر اس کے کہ ان لوگوں کا کچھ اجر و ثواب کم ہو۔ اور جس نے اسلام میں آ کر کوئی برا طریقہ ایجاد کیا (کسی بدعت کی بنیاد ڈالی کہ جس سے قرآن و سنت نے منع کیا ہو یا اس کے مد مقابل قرآن و سنت میں

[1] رواہ البخاری حدیث ۳۴۵۶ و مسلم حدیث ۶۷۸۱۔ [2] رواہ مسلم : ۲۳۵۱

پہلے سے عمل و حکم موجود ہو...) تو اس کے اوپر اس کے اپنے عمل کا بھی بوجھ ہو گا اور ان لوگوں کے عمل کا بھی جو اس کے بعد اس بدعت پر عمل پیرا ہوں گے..." تو یہاں دونوں احادیث میں "سُنّۃٌ" سے مراد "سیرت اور طریقہ" ہے۔ [1]

السّنّہ کا اصطلاحی معنی:

سُنّہ کا اصطلاحی معنی یہ ہے کہ: صراط مستقیم والا ہدایت کا وہ راستہ کہ جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پوری زندگی نہایت پختہ علم و عقیدہ، یقین محکم اور ٹھوس قول و عمل کے ذریعے عمل پیرا رہے۔ اور یہ کہ کسی صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی عمل کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار کر کے اُس کے عمل کی تصدیق فرمادی تھی تو یہ بھی سنت ہی شمار ہوتی ہے۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عبادات و اعتقادات والے طریقوں پر بھی لفظ "سنت" کا اِطلاق ہوتا ہے۔ اور "سنت" والی اصطلاح کے مد مقابل عمل پر "بدعت" کا کلمہ بولا جاتا ہے۔ اصطلاحًا لفظ سنت کے معانی کی وضاحت کے لیے درج ذیل حدیث کا مطالعہ کیجیے: سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فَاِنَّہُ مَنْ یَعِشْ مِنْکُمْ بَعْدِی فَسَیَرَی اخْتِلَافًا کَثِیرًا، فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِی وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِینَ الْمَهْدِیِّینَ)) [2]

"اور تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا بلاشبہ وہ (اُمت میں) بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ پس اس وقت تم پر میری سنت (میرے طریقہ و منہج اور میری سیرت) کو عملاً مضبوطی سے تھامے رکھنا لازم ہے اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقہ و منہج کو بھی۔ (بالالتزام تھامے رکھنا۔)"

[1]تفصیلی معانی کے لیے : لسان العرب ، مختار الصحاح ، القاموس المحیط اور القاموس الوحید میں مادہ ''سنن'' دیکھ لیجیے۔ [2] صحیح سنن ابی داؤد، للالبانی ، حدیث نمبر ۴۶۰۷ ، والترمذی، حدیث نمبر ۲۶۷۶۔

الجماعۃ کا لغوی معنیٰ:

الجماعۃ کا کلمہ "الجمع" سے ماخوذ ہے اور اس کا معنیٰ ہوتا ہے: بعض کو بعض کے ساتھ ملاتے ہوئے ایک چیز کو کسی دوسری چیز میں ضم کرنا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے: **جَمَعْتُهُ ؛ فَاجْتَمَعَ** ... میں نے اُسے (کسی جنس یا عدد کو) جمع کیا اور وہ اکٹھا ہو گیا۔ (یعنی یکجا اور جمع ہو گیا۔) لفظ "**الجماعة**" ...الاجتماع سے بھی مشتق ہے۔ اور یہ لفظ اس اشتقاق سے "تفرّق اور فرقہ" کی ضد ہوتا ہے۔ لوگوں کی بہت بڑی تعداد کو: "**الجماعة**" کہا جاتا ہے۔ اور یہ لفظ: لوگوں کی ایک بہت بڑی جماعت پر بھی بولا جاتا ہے (یعنی **طَائِفَةٌ مِنَ النَّاس** پر) کہ جنھیں ایک غرض و غایت نے اکٹھا کر دیا ہو۔ اَلْجَمَاعَۃ ... کی ایک تعریف یوں بھی ہے: " یہ وہ قوم ہوتی ہے کہ جس میں لوگ کسی ایک معاملہ پر جمع، اکٹھے ہو گئے ہوں۔"[1]

الجماعۃ کا اصطلاحی معنیٰ:

لفظ "الجماعۃ" کا اصطلاحی معنیٰ ہوتا ہے: "اہل اسلام کی جماعت "۔ اور "المسلمین ...اہل ایمان و اسلام" سے مراد اُمت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ والصلوٰۃ والسلام کے قرون مفضّلہ والے اول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، پھر تابعین عظام اور ان کے بعد احسان و اصلاح کے ساتھ تا قیامت ان کی راہ پر چلنے والے آئمہ و علماء کرام رحمہم اللہ جمیعًا سلف صالحین کی جماعت اخیار و اطہار کہ جو صرف کتاب اللہ العزیز اور سنت رسول اللہ الکریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی مجتمع تھے۔ اور یہ لوگ ظاہری طور پر بھی اُسی صراط مستقیم پر گامزن رہے کہ جس طریق و منہج کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً اختیار فرمایا تھا اور باطنی طور پر بھی۔

اللہ رب العالمین نے اپنے مومن بندوں کو اسی مذکور بالا جماعت کے ساتھ منسلک رہنے، باہم متحد رہنے اور نیکی، خیر، بھلائی میں ایک دوسرے کے مکمل معاون و

[1](تفصیل کے لیے :لسان العرب، مختار الصحاح، القاموس المحیط اور القاموس الوحید میں مادہ ''جمع'' دیکھ لیں۔)

مددگار بن کر رہنے، کا حکم بھی فرمایا ہے اور اس کی اُنھیں ترغیب بھی دلائی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اُنھیں، رب ذوالجلال والاکرام نے جماعت سے جدا ہو کر فرقہ بندی اختیار کرنے، باہم اختلاف اور ایک دوسرے سے خوب جھگڑنے اور خون خرابے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ کا ارشاد گرامی قدر ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ (آل عمران: ۱۰۳)

" اور اے مسلمانو! سب مل کر اللہ کی رسی (اس کے دین: جماعۃ المسلمین المومنین من اخیار الامّۃ یا قرآن وسنت) کو مضبوطی سے تھامے رہو اور باہم متفرق نہ ہو جاؤ۔ (پھوٹ نہ کرو اور نہ پھوٹ ڈالو۔)" دوسرے مقام پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے یوں حکم فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ (آل عمران: ۱۰۵)

"اور ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جو پھوٹ ڈال کر الگ الگ ہو گئے اور صاف صاف حکم آنے کے بعد اختلاف کرنے لگے۔ یہی لوگ ہیں جن کو (آخرت میں) بڑا عذاب ہو گا۔"[1]

سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] اس آیت میں جس اختلاف کی مذمت ہے اس سے وہ اختلاف مراد ہے جو کتاب و سنت کے نصوص کو چھوڑ کر اختیار کیا جائے۔ عام اس سے کہ اصولی ہو یا فروعی ورنہ اجتہادی مسائل میں اختلاف کی گنجائش چلی آئی ہے۔ بشرطیکہ تعصب سے ہٹ کر اجتہاد کیا جائے اور اجتہادی مسائل پر عمل کرنے میں جمود نہ ہو۔ بلکہ جس امام کا فتویٰ اقرب الی الکتاب والسنۃ ہو اسی پر عمل کر لیا جائے۔ الغرض اجتہادی مسائل میں بھی تقلید شخصی کی گنجائش نہیں۔ ''الَّذِینَ تفرّقُوا وَاختَلفُوا'' سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ پھر اس امت کے اہل بدعت کے تمام فرقے بھی اس میں داخل ہیں جو اختلاف وتفریق میں یہود کی روش پر چل رہے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے: پہلی اُمتوں کے بہتر فرقے ہو گئے جبکہ میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ فرمایا: سب دوزخی ہیں مگر ایک فرقہ جو مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ پر عمل پیرا رہے گا۔

((وَاِنَّ هَذِهِ الْمِلَّةُ سَتفْتَرِقُ عَلَىٰ ثَلَاث وَسَبعِين، ثِنتانِ وَسَبعونَ فِى النَّار وَواحِدةٌ فِي الْجَنَّةِ، وَهِيَ: الْجَمَاعَةُ)) [1]

"اور بلاشبہ ملت اسلامیہ تہتر (73) فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ ان میں سے بہتر (72) فرقے جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں جائے گا۔ یہی فرقہ "الجماعۃ" ہو گی۔"

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عَلَيْكُمْ بِالجَمَاعَةِ، وَإِيَّاكُمْ وَالفُرْقَةَ، فَإِنَّ الشَّيطَانَ مَعَ الوَاحِدِ، وَهُوَ مِنَ الِاثْنَيْنِ أَبْعَدُ، وَمَنْ أَرَادَ بُحْبُوحَةَ الْجَنَّةِ، فَلْيَلْزَمِ الجَمَاعَةَ)) [2]

"مسلمانو! جماعت المسلمین المومنین من اخیار ہذہ الامّہ کو لازم پکڑے رہو اور جدا جدا، فرقہ فرقہ ہونے سے بچ جانا۔ اس لیے کہ بلاشبہ شیطان تنہا آدمی کے ساتھ (زیادہ) ہوتا ہے۔ جبکہ (ایک کی نسبت) دو آدمیوں سے زیادہ دور ہوتا ہے۔ اور جو مسلمان، مومن آدمی جنت کی خوشبو حاصل کرنا چاہتا ہو اُسے چاہیے کہ وہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام و تابعین اور تبع تابعین و آئمہ سلف صالحین والی) جماعت کے ساتھ منسلک رہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اَلْجَمَاعَةُ مَاوَافَقَ الْحَقَّ وَإِنْ كُنْتَ وَحْدَكَ '' جماعت المسلمین والمؤمنین (من اخیار ہذہ الامہ) سے مراد وہ لوگ ہیں جو دین حق کی موافقت کریں۔ اگرچہ (اس راہ میں) تم اکیلے کیوں نہ ہو۔[3]

[1]صحیح سنن أبي داود ، ناصر الدین، حدیث ۴۵۹۷ وھو حسن ۔ [2] رواہ الامام أحمد فی : ((مسند ہ))/۴/۱۰۰، ۳۷۱،۱/۴۶ وصححہ ناصر الدین فی ((السنۃ)) لا بن ابی عاصم والجامع للترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ، حدیث نمبر ۲۱۶۵ واللفظ لہ۔ [3] اخرجہ اللالکائی في: شرح أُصول اعتقاد اَھل السُّنَّۃ والجماعۃ۔

اہل السنۃ والجماعۃ: پس اہل السنۃ والجماعۃ سے مراد وہ لوگ ہیں جو: نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو عملاً مضبوطی سے تھامنے والے ہوں اور وہ عقیدۂ توحید خالص اور قول و عمل میں صحابہ کرام و تابعین عظام رضی اللہ عنہم اجمعین و من تبعھم باحسان الی یوم الدین رحمہم اللہ اجمعین کے راستے پر چلنے والے ہوں۔ اور یہ "اہل السنہ والجماعۃ" والے سلفی اہل الحدیث وہ لوگ ہوتے ہیں جو اتباع محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام پر استقامت و استقلال سے چلنے والے اور بدعات و خرافات کی راہ سے الگ تھلگ رہنے والے ہوں۔ اس جماعۃ اہل السنہ والحدیث کے لوگ ہر دور میں باقی، حق کے ساتھ غالب اور قیامت تک اللہ عزوجل کے مدد یافتہ لوگ ہوتے ہیں۔

چنانچہ ان لوگوں کی اتباع اور ان سے مل کر رہنا سیدھی راہ ہدایت اور ان کا خلاف کرنا گمراہی ہے۔" اہل السنۃ والجماعۃ اہل الحدیث سلفی حضرات "درج ذیل خصوصیات و صفات عالیہ کے ساتھ دوسرے گمراہ (اور جہنمی بہتر) فرقوں سے الگ اپنی پہچان رکھتے ہیں اور انہی نشانیوں کے ساتھ وہ باقی اُمت سے اپنی ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔

۱... (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین عظام رحمہم اللہ جمیعًا اور ان کے بعد والے تمام احسان و اصلاح کے ذریعے ان حضرات کی راہ مستقیم پر گامزن آئمہ وعلماء عظام رحمہم اللہ کے منہج وطریق پر گامزن ان اہل السنہ والجماعۃ اہل الحدیث سلفی لوگوں کی پہلی نشانی یہ ہے کہ) ...وہ افراط و تفریط اور غلو و جفاء (بالکل الگ ہو جانے) کے مابین انتہائی درمیانی اور اعتدال کی راہ کو اختیار کرنے والے ہوتے ہیں، چاہے عقیدہ کے باب میں معاملہ ہو یا احکام کے اُمور ہوں یا کوئی فقہی مسلک اختیار کرنے والا معاملہ ہو۔ یہ اہل السنہ والجماعۃ اہل الحدیث اُمت کے تمام فرقوں میں سے درمیان والی راہ کو اختیار کرتے ہیں۔ جیسا کہ تمام ملتوں کے درمیان اُمّت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو اُمت وسط (قرآن میں) بیان کیا گیا ہے۔[1]

[1]البقرۃ:۱۴۳۔

۲...دین کے مسائل سیکھنے میں وہ صرف قرآن و سنت کو اساس بنانے پر اکتفاء کرتے ہیں۔ ان دونوں (اُصول شریعت) کو ہی اہمیت دے کر وہ ان کے نصوص کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور سلف صالحین کے منہج والے تقاضے پورے کرتے ہوئے وہ قرآن و سنت کا فہم حاصل کرتے ہیں۔

۳... اہل السنہ والجماعۃ اہل الحدیث سلفی لوگوں کا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی دوسرا امام اعظم و قائد اعظم نہیں ہوتا کہ جس کی ہر ہر بات کو یہ من و عن قبول و تسلیم کر کے اسے واجب الاتباع مانتے ہوں اور جس کی وہ امام مخالفت کرے اُسے وہ چھوڑ دیتے ہوں۔ یہ اہل السنہ والجماعۃ سلفی حضرات باقی تمام لوگوں سے زیادہ نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت طیبہ و طاہرہ والے حالات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین و اعمال اور افعال مطہرہ کو سب سے زیادہ جاننے والے ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ حضرات اُمت کے تمام لوگوں سے زیادہ سنت مطہرہ سے سخت محبت کرنے والے ہوتے ہیں۔ سنت کی اتباع پر بہت زیادہ حریص ہوتے ہیں اور سنت پر شدت سے عمل کرنے والوں کے ساتھ دوستی اور محبت میں دوسروں سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔

۴... دین حنیف کے بارے میں جھگڑوں سے وہ مکمل طور پر بچتے اور اس طرح کے جھگڑالو لوگوں سے علیحدگی اختیار کرنے والے ہوتے ہیں۔ حلال و حرام کے مسائل میں وہ جدال پیدا کرنے اور اپنی رائے قائم کرنے سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔ دین اسلام میں وہ پورے کے پورے داخل ہوتے ہیں۔

۵... ان اہل السنۃ والجماعۃ لوگوں کی ایک اور پہچان... تمام سلف صالحین کی اکرام و تعظیم ہوتی ہے۔ ان کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ سلف صالحین کا طریقہ دوسروں کی نسبت خطاؤں سے زیادہ بچا ہوا، صحیح سالم، زیادہ علم والا اور زیادہ حکمت و دانائی والے اوصاف کے ساتھ مستحکم ہوتا ہے۔

۶... یہ اہل السنۃ والجماعۃ اللہ عزوجل کی صفات کے بارے میں اور آیات واحادیث صحیحہ کے غلط معانی و مفاہیم کو بیان کرنے کا سختی سے انکار کرتے ہیں۔ یہ لوگ شریعت مطہرہ کے مکمل طور پر فرمانبردار ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ عقل پر آیات و احادیث صحیحہ کے نصوص کی نقل کو مقدم جانتے ہیں۔ یعنی جہاں کوئی آیت کریمہ یا صحیح حدیث آگئی وہاں کسی قسم کی تاویل اور جعلی فقہ کی کوئی گنجائش نہیں مانتے۔ عقل (یعنی تفقہ فی الدین اور تمام علوم و معارف) کو قرآن و سنت کے نصوص شریعہ کے تابع کر دیتے ہیں۔ ۷... کسی ایک مسئلہ میں وارد ایک سے زیادہ نصوص کے درمیان یہ اہل السنہ سلفی حضرات جمع و تطبیق سے کام لیتے اور متشابہ آیات واحادیث اور مسائل کو محکم آیات واحادیث پر پیش کرتے ہیں۔

۸... یہ لوگ ان صالحین کے لیے قدوہ اور نمونہ ہوا کرتے ہیں جو راہ حق کی طرف رہنمائی چاہیں اور صراط مستقیم کے لیے رہنمائی کے طلبگار ہوں۔ یہ مرتبہ و مقام اہل السنۃ والجماعۃ (۱) حق پر اپنی ثابت قدمی (۲) عقیدۂ توحید خالص کے تمام اُمور کے ساتھ ان کی مکمل موافقت اور اعتقادی اُمور میں عدم مداخلت (۳) علم اور عمل وعبادت کے درمیان تطبیق دینے (یعنی جو کچھ قرآن و سنت سے سیکھتے ہیں اُسی پر عمل کرتے ہیں) (۴) اسی طرح اللہ عزوجل پر مکمل توکل اور اسباب کے حصول واخذ کے درمیان تطبیق دینے، (۵) حلال اور جائز وسائل کے ذریعے دنیاوی اُمور میں کوئی حد مقرر کیے بغیر وسعت دینے اور دنیا کے بارے زہد وورع اختیار کرنے کے مابین بھی تطبیق دینے، (۶) اللہ کے خوف، ڈر، اُمید، اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے بغض و عناد کے مابین بھی تطبیق دینے، (۷) اہل ایمان واسلام کے لیے نہایت نرمی ورحمدلی اور کافروں پر مکمل شدت اور غصہ کے درمیان بھی جمع و تطبیق دینے اور (۸) زمان ومکان کے بدلنے سے ان کے صحیح صراط مستقیم سے عدم اختلاف کے ساتھ حاصل کرتے ہیں۔

۹... بلاشبہ سلف صالحین کے منہج وطریق پر عمل پیرا یہ لوگ اسلام، سنت اور جماعت کے بغیر اپنا کوئی دوسرا نام نہیں رکھتے۔ (اہل الحدیث اور سلفی بھی انہی معانی میں ہیں۔)

۱۰... صحیح سلفی عقیدۂ توحید خالص، دین حنیف اور سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے نشر کرنے اور اس کی تعلیم و تدریس پر یہ لوگ بہت حریص ہوتے ہیں۔ انہی چیزوں کی طرف یہ لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں اور انھی باتوں کی انھیں نصیحت کرتے اور انھی چیزوں کے تمام اُمور کا وہ اہتمام کرتے ہیں۔

۱۱... اپنی دعوت، اپنے عقائد و اعمال صالحہ اور اپنے اقوال، تحریروں اور خطابات پر پہنچنے والی تکالیف و مصائب پر یہ لوگ سب دنیا سے زیادہ اور سب سے بڑے صبر کرنے والے ہوتے ہیں۔

۱۲... قرآن و سنت میں مذکور جماعت کے ساتھ اہل ایمان و اسلام کو ملانے اور باہمی محبت کی طرف دعوت دینے اور اس پر لوگوں کو ترغیب دینے کے بھی یہ بہت حریص ہوتے ہیں۔ اہل حق کے درمیان اختلاف اور گروہ بندی کو دور پھینک دینے کے لیے جدوجہد کرنے اور لوگوں کو اس سے خبر دار کرتے رہنے پر بھی یہ سلفی اہل السنۃ والجماعۃ والے بہت حریص ہوتے ہیں۔ (اس عمل خیر کے لیے ان کی سعی و جدوجہد قابل داد ہوا کرتی ہے۔) ۱۳... اہل السنۃ والجماعۃ کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اللہ عزوجل نے اُنھیں ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگانے سے آج تک محفوظ رکھا ہے۔ اور یہ کہ وہ اپنے علاوہ کے لوگوں پر پورے پورے علم اور عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ دیتے ہیں۔ ۱۴... یہ اہل السنۃ والجماعۃ کے لوگ آپس میں ایک دوسرے سے بہت محبت اور ایک دوسرے پر رحم کا سلوک بہت زیادہ کرتے ہیں۔ یہ آپس میں ایک دوسرے سے تعاون، باہم کسی شخص کی کسی دوسرے آدمی پر زیادتی کو روکتے اور صرف دین حنیف کو بنیاد بنا کر یہ حضرات دوستی اور دشمنی کا معیار مقرر کرتے ہیں۔ خلاصہ کلام : یہ ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ اہل الحدیث سلفی حضرات اخلاق حسنہ کے اعتبار سے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے، اللہ عزوجل کی اطاعت کے ساتھ اپنے آپ کا محاسبہ کرنے میں باقی سب لوگوں سے زیادہ حریص، آفاقی نظریات و افکار میں سب دنیا سے زیادہ وسعتِ نظر والے سب سے زیادہ بعید اور گہری بصیرت والے، اختلاف کے وقت اپنے سینوں کو سب سے زیادہ کشادہ اور کھلا رکھنے والے اور اُمت کے تمام لوگوں سے زیادہ دینی و فقہی اختلاف کے آداب و اُصول کو جاننے والے ہوتے ہیں۔

اہل السنۃ والجماعۃ کے مفہوم میں نہایت مختصر جامع بات:

یہ وہ جماعت ہے کہ تمام فرقوں میں سے صرف اس کی نجات سے متعلق نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے۔ اور نجات والے اس وصف کا دار و مدار اتباع سنت، قرآن و سنت میں مذکور عقیدۂ توحید خالص، عبادت کے صحیح طریقے اور اس کے مفہوم، صراط مستقیم والی مکمل رہنمائی، مسلک حق پر استقامت سے گامزن رہنے، اخلاق حسنہ کو اختیار کیے رکھنے اور اہل ایمان و اسلام کی اُس جماعت کے ساتھ مکمل طور پر منسلک رہنے کے ساتھ کہ جو عین قرآن و سنت والی سلفی منہج پر عمل پیرا ہو... پر ہے۔'' اس تعریف کے ساتھ اہل السنۃ والجماعۃ کی تعریف و توصیف ''سلف صالحین'' کی تعریف سے قطعاً باہر نہیں ہے۔ اور ہم یہ جان چکے ہیں کہ: سلف صالحین ہی وہ لوگ تھے جو کتاب اللہ العزیز الحمید پر مکمل عمل پیرا اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مضبوطی سے علماً و عملاً تھامے ہوئے تھے۔ اس بنا پر سلف صالحین (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین عظام رحمہم اللہ) ہی وہ اصل اہل السنۃ والجماعۃ ہیں کہ جن کو نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اصطلاح کے معنی میں مراد لیا تھا۔ اور وہ سب لوگ اہل السنۃ والجماعۃ کہلائیں گے جو ان سلف صالحین کے منہج و طریق پر علماً عمل پیرا ہوں۔

یہ خاص معنی ہوا: '' اہل السنۃ والجماعۃ'' کی اصطلاح کا۔ پس اس معنی و مفہوم کی بنا پر اس تعریف سے ہر وہ فرقہ، طائفہ اور گروہ خارج ہو جاتا ہے جو بدعات و خرافات کو اختیار کرنے والا ہو اور خواہشات نفسانیہ کے پیچھے چلنے والوں کی ہر جماعت بھی اس مفہوم (اہل السنۃ والجماعۃ) سے خارج ہے۔ جیسے کہ: خوارج، جہمیہ، قدریہ، معتزلہ، مرجئہ، روافض وغیرہم اور وہ تمام اہل بدعات و خرافات کہ جو ان باطل فرقوں کے طریق و منہج پر چلتے ہوں۔ یہاں ''السّنّہ'' بالمقابل ''البدعۃ'' ہے اور ''الجماعۃ'' برعکس ''الفرقۃ'' کے۔ احادیث مبارکہ میں مذکور'' اہل السنۃ والجماعۃ'' کو لازم پکڑے رہنے سے مراد یہی مذکور بالا کلمات و معانی والی جماعت ہے اور اسی جماعت حقہ سے الگ ہونے سے احادیث میں منع کیا گیا ہے۔ درج ذیل آیت کریمہ کی تفسیر میں قرآن حکیم کے ترجمان سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہی معانی اور یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان گرامی قدر ہے:

﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ﴾ (آل عمران:۱۰۶)

''جس دن کچھ چہرے سفید ہوں گے اور کچھ چہرے کالے ہوں گے تو جن کے منہ کالے ہوں گے (ان سے کہا جائے گا) تم تو ایمان لائے بعد پھر کافر ہو گئے تھے ناں! اب کفر کے بدلے عذاب (کا مزہ) چکھو'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: '' تَبْيَضُّ وُجُوْهُ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَتَسْوَدُّ وُجُوهُ اَهْلِ الْبِدْعَةِ وَالْفِرْقَةِ... ''قیامت والے دن اہل السنۃ والجماعۃ کے چہرے سفید (چمکدار) ہون گے جبکہ بدعتی فرقوں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔'' (یہاں مذکور بالا آیت کی تفسیر میں: تفسیر ابن کثیر دیکھ لیجیے۔)

''السَّلف الصَّالِح ...سلف صالحین'' کا کلمہ اصطلاحًا'' اہل السنۃ والجماعۃ'' کے مترادف (ہم معنی) استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح درج ذیل اصطلاحات کا اطلاق بھی'' اہل السنۃ والجماعۃ'' پر ہوتا ہے: ، الطائفة المنصورة ، الفرقة الناجية، اَہل الاَتباع۔ یہ نام اور ان ناموں کا'' اہل السنۃ والجماعۃ'' پر اطلاق علماء سلف (صحابہ کرام و تابعین عظام رضي اللّٰه عنہم اجمعین وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلَى يَوْمِ الدِّيْنِ رحمہم اللہ جمیعًا) سے اسنادًا پورے تسلسل کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے۔ (یعنی یہ نام اور یہ اصطلاحیں ہمارے دور کی یا پچھلی کسی صدی میں اُس دور کے لوگوں کی اختراع نہیں ہے۔)

توحید کی اقسام

توحید کی تین اقسام ہیں:

۱۔ توحید ربوبیت

۲۔ توحید الوہیت

۳۔ اور توحید اسماء وصفات

توحید کی ہر قسم کا معنی اور اس کی دلیل

توحید کی قسم:

توحید ربوبیت

اس کا معنی:

اللہ تعالیٰ کو یکتا ماننا۔ (۱) پیدا کرنے میں۔ (۲) بادشاہی میں۔ (۳) اور تدبیر میں۔ یا بالفاظ دیگر یوں کہہ سکتے ہیں: اللہ تعالیٰ کو اس کے افعال میں اکیلا ماننا۔ اللہ تعالیٰ کے افعال کی مثالیں: پیدا کرنا، روزی دینا، زندگی اور موت دینا، بارش برسانا، اور درخت اگانا۔

اس کی دلیل:

﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ﴾، ﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾، ﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾

توحید الوہیت:

اسے توحید عبادت بھی کہا جاتا ہے۔

اس کا معنیٰ:

بندوں کے افعال میں اللہ تعالیٰ کو یکتا ماننا۔ جیسا کہ نماز و روزہ، حج اور توکل، نذر کہا جاتا ہے۔ اور خوف و محبت اور امید اور دیگر امور۔

اس کی دلیل:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾، ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا﴾، ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾،

توحید اسماء وصفات **اس کا معنیٰ:** یعنی اللہ تعالیٰ کے وہ اوصاف بیان کیے جائیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے بیان کیے ہیں۔ یا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی جو صفات کمال و جمال بیان کی ہیں انہیں بغیر کسی مثال اور کیفیت کے بیان کرنا۔

اس کی دلیل:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾، ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

اہم ترین فوائد

پہلا فائدہ:… توحید کی تینوں اقسام آپس میں ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک قسم بھی دوسری سے جدا نہیں کی جا سکتی۔ جو کوئی توحید کی کوئی ایک قسم بجالائے اور دوسری کو چھوڑ دے تو وہ موحد نہیں ہو سکتا۔

دوسرا فائدہ:… یہ بات جان لینی چاہیے کہ جن کفار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کیا تھا؛ وہ توحید ربوبیت کا اقرار کرتے تھے۔ وہ اس بات کا اعتراف کرتے تھے کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہی خالق و مالک ہے، وہی روزی دینے والا ہے؛ وہی زندگی اور موت دینے والا ہے۔ نفع اور نقصان اسی

کے ہاتھ میں ہے۔ وہی تمام نظام کی تدبیر کرتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اسلام میں داخل نہیں ہوسکے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:
﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾

"آپ پوچھیں: وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے، یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام امور کی تدبیر کرتا ہے؟ ضرور وہ یہی کہیں گے: اللہ۔ تو ان سے پوچھیں: پھر کیوں نہیں ڈرتے۔"

تیسرا فائدہ:... توحید الوہیت ہی انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کا موضوع رہا ہے۔ کیونکہ یہی وہ بنیاد ہے جس پر تمام اعمال قائم ہوتے ہیں۔ توحید الوہیت کی حقیقت بجالائے بغیر تمام اعمال ضائع ہوجاتے ہیں۔ اس لیے کہ جب توحید نہ پائی جائے تو اس کی جگہ شرک آجاتا ہے۔ مرسلین اور منکرین کے درمیان جھگڑے کا بنیادی محور ومرکز یہی نکتہ تھا۔ پس انسان پر واجب ہوتا ہے کہ اس پر بھرپور دھیان دے، ان مسائل کو اچھی طرح سے پڑھے اور اس کے اصولوں کو سمجھے۔

اہمیت توحید وفضائل

ا۔ توحید اسلام کا سب سے بڑا رکن:

اسلام کا سب سے بڑا ستون اور رکن توحید ہے۔ کسی انسان کے لیے اس وقت تک اسلام میں داخل ہونا ممکن نہیں جب تک وہ توحید کی گواہی نہ دے۔ اور جب تک توحید کا اقرار اور اس کے علاوہ باقی تمام چیزوں کی نفی نہ کرلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے:

((شَهَادَةُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلَ اللّٰهِ، وَاِقَامِ الصَّلَاةِ، وَاِيْتَاءِ الزَّكَاةِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ، وَحَجُّ الْبَيْتِ۔))

" اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرنا، زکوۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا، اور بیت اللہ کا حج کرنا۔" (متفق علیہ)

۲۔ توحید سب سے اہم اور پہلا واجب:

توحید سب سے اہم اور پہلا واجب ہے۔ اسے باقی تمام اعمال پر اولیت حاصل ہے۔ اور اپنی عظیم الشان منزلت اور انتہائی اہمیت کی وجہ سے تمام اہم امور پر سبقت رکھتی ہے۔ توحید کی دعوت سب سے پہلی دعوت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب یمن بھیجا تو آپ نے فرمایا:

’’تم اہل کتاب کی ایک قوم کے پاس جارہے ہو۔ سب سے پہلے انہیں لا إلہ إلا اللہ کے اقرار کی دعوت دینا۔‘‘ ایک روایت میں ہے: ’’سب سے پہلے اس بات کی گواہی دینا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید بجالائیں۔‘‘(متفق علیہ)

۳۔ توحید اور قبولیت اعمال:

توحید کے بغیر عبادات قبول نہیں ہوتیں۔ عبادات کے صحیح ہونے کے لیے توحید اہم ترین شرط ہے۔ عبادت کو اس وقت تک عبادت نہیں کہا جاسکتا جب تک اس میں توحید نہ ہو۔ جیسے نماز کو اس وقت تک نماز نہیں کہا جاسکتا جب تک اسے پاکیزگی کے ساتھ ادانہ کیا جائے۔ جب اس میں شرک داخل ہو جاتا ہے تو عبادت تباہ وبرباد ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ اگر طہارت کی حالت میں کوئی حدث پیش آجائے تو طہارت باقی نہیں رہتی۔ توحید کے بغیر عبادت شرک بن جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے عمل تباہ وبرباد ہو جاتا ہے۔ اور اس عمل کے کرنے والا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنمی قرار پاتا ہے۔

۴۔ توحید دنیاو آخرت میں امن وہدایت کا سبب:

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾[الأنعام:۸۲]

’’جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے۔ ایسوں ہی کے لئے امن ہے اور وہی راہ راست پر چل رہے ہیں۔‘‘ یہاں پر ظلم سے مراد شرک ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح کیا ہے۔[1]

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

[1]بخاری ۲/۴۸۴؛عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ آیت میں یہاں ظلم سے مراد شرک ہے، جیسا کہ ترجمہ سے واضح ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ظلم کا عام مطلب(کوتاہی، غلطی، گناہ اور زیادتی وغیرہ) کو سمجھا، جس سے وہ پریشان ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر کہنے لگے: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں سے کون شخص ایسا ہے جس نے ظلم نہ کیا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:’’ اس ظلم سے مراد وہ ظلم نہیں جو تم سمجھ رہے ہو بلکہ اس سے مراد شرک ہے جس طرح حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کہا:﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾(لقمان:۱۳) یقیناً شرک ظلم عظیم ہے۔]

’’یہی وہ لوگ ہیں جو صرف ایک اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت بجالاتے رہے۔ اور اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہیں ٹھہرایا۔ یہ لوگ قیامت کے دن امن میں ہوں گے اور دنیاو آخرت میں راہ ہدایت پر ہوں گے۔‘‘

چنانچہ جو کوئی توحید کو پوری طرح سے بجالائے گا؛ اس کے لیے پورا پورا امن اور بھرپور ہدایت ہوگی اور بغیر کسی عذاب کے جنت میں داخل ہو جائے گا۔ شرک سب سے بڑا ظلم ہے جب کہ توحید سب سے بڑا عدل ہے۔

۵۔ توحید جنت میں داخلے کا سبب:

جنت میں داخل ہونے اور جہنم کے عذاب سے نجات پانے کا بنیادی سبب توحید ہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ قَالَ: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ وَاَنَّ عِيْسٰى عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ وَكَلِمَتُهُ اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِنْهُ وَاَنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ وَاَنَّ النَّارَ حَقٌّ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ عَلٰى مَا كَانَ مِنَ الْعَمَلِ۔)) [متفق علیہ]

"جو اس بات کا قائل ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول اور کلمہ ہیں جو اس نے مریم علیہا السلام کی طرف القاء کیا تھا اور روح اللہ ہیں اور یہ کہ جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے؛ تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کریں گے، خواہ اس کے اعمال کیسے بھی ہوں۔" نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے: "بیشک جو انسان اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے لاَ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا اقرار کرے اللہ تعالیٰ نے اس پر جہنم کی آگ کو حرام کر دیا ہے۔" [متفق علیہ]

۶۔ توحید دنیا و آخرت کی تکالیف سے نجات کا سبب:

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" توحید اس کے دوستوں اور دشمنوں کو خوف سے نجات دلانے والی ہے۔"

الف: دشمنوں کے متعلق: پس توحید اللہ کے دشمنوں کو بھی دنیا کی تکالیف اور سختیوں سے نجات دلانے کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
﴿فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ﴾ [العنکبوت: ۶۵]

"پس جب وہ لوگ کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں اس کے لئے عبادت کو خالص کر کے؛ پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں۔" ب: جہاں تک دوستوں کا تعلق ہے: تو انہیں دنیا و آخرت کی تکالیف اور سختیوں سے نجات دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں اس کی سنت ہے۔ پس توحید جیسی کوئی چیز نہیں جس سے سختیوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ مصائب کی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ کی توحید پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ یونس علیہ السلام کی دعا؛ جب کوئی بھی پریشان حال اس دعا کے ساتھ اللہ کے سامنے گریہ و زاری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس توحید کے سبب اس کی پریشانیوں کا ازالہ کرتے ہیں۔

انسان کو پریشانیوں اور مشکلات سے دوچار کرنے والی سب سے بڑی مصیبت شرک کی بیماری ہے۔ اس سے نجات صرف توحید کی بدولت ہی ممکن ہے۔ توحید ہی تمام مخلوق کے لیے حقیقی پناہ گاہ اور ان کے لیے مضبوط قلعہ اور ان کی حقیقی مدد ہے۔

۷۔ جنات اور انسانوں کے پیدا کرنے کی حکمت توحید:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ [الذاریات: ۵۶]

''اور میں نے جن اور انسان کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔'' عبادت کے لئے:... یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید بجالانے کے لیے۔ پس جتنے بھی رسول بھیجے گئے، اور جتنی بھی کتابیں نازل کی گئیں اور جتنی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے شریعتیں آئیں اور جتنی بھی مخلوقات پیدا کی گئیں ان سب کا مقصد یہ تھا کہ تمام مخلوقات کو چھوڑ کر صرف ایک اللہ تعالیٰ کی توحید بجالائی جائے۔

[نوٹ]:...توحید کے جملہ فضائل وفوائد میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام مخلوق کے سامنے اسے نجات عطا کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:'' قیامت کے دن پوری کائنات کے سامنے ایک شخص کو بلایا جائے گا اور اس کے سامنے اُس کے ۹۹ دفتر[رجسٹر] برائیوں کے رکھ دیئے جائیں گے۔ ہر دفتر اتنا لمبا چوڑا ہو گا کہ جہاں تک نظر کام کرتی ہے... مگر اسے کہا جائے گا...: ''تمہاری ایک نیکی ہمارے پاس محفوظ ہے تم پر آج ظلم نہیں کیا جائے گا، اس کا ایک کاغذ کا پرزہ نکالا جائے گا جس پر لکھا ہو گا:''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' گناہ گار بندہ عرض کرے گا کہ یااللہ اتنے بڑے بڑے دفتروں کے مقابلے میں ایک کاغذ کے پرزے کی کیا حیثیت ہے؟ جواب ملے گا کہ آج تجھ پر ذرہ بھر ظلم نہ ہو گا۔ چنانچہ وہ بڑے بڑے دفتر ترازو کے ایک پلڑے میں اور کاغذ کا وہ پرزہ دوسرے پلڑے میں رکھ کر جب وزن کیا جائے گا تو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے کاغذ والا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔''(ترمذی)۔ ☆ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:(قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَابْنَ اٰدَمَ لَوْ اَتَيْتَنِيْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ خَطَايَا ثُمَّ لَقِيْتَنِيْ لَا تُشْرِكُ بِيْ شَيْئًا لَاَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً) '' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے ابن آدم! اگر تو میرے پاس گناہوں سے پوری زمین بھر کر لے آئے، پھر اس میں شرک نہ ہو تو میں اسی مقدار میں بخششیں تیرے پاس لے آؤں گا۔''(ترمذی)

☆ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: اے میرے رب! مجھے ایسی چیز بتا جس سے میں تیری یاد کروں اور تجھ سے دُعا کیا کروں۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھا کر۔ جناب موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ اے میرے رب: اسے تو تیرے سب بندے پڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! سوائے میرے اگر ساتوں آسمان اور ان کے باشندے اور ساتوں زمینیں، ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیئے جائیں اور دوسرے پلڑے میں صرف لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رکھ کر وزن کیا جائے تو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ والا پلڑا بھاری ہو گا۔ اس حدیث کو ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

☆ بخاری ومسلم میں سیدنا عتبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''فَاِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَبْتَغِيْ بِذٰلِكَ وَجْهَ اللّٰهِ''...''جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کے عذاب کو حرام کر دیتا ہے۔''

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا معنی ومفہوم

☆اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾[آل عمران: ۱۸]

''اللہ تعالیٰ، فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عدل کو قائم رکھنے والا ہے، اس غالب اور حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾[محمد: ۱۹]

''سو (اے نبی) آپ یقین کر لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

☆اس کا معنی: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی معبود برحق نہیں۔

☆چند دوسرے باطل معانی:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ یہ معنی باطل ہے، اس لیے کے جس کی بھی بندگی کی جائے خواہ وہ حق ہو یا باطل؛ وہ معبود اور الہ ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی خالق نہیں۔ یہ اس کے معنی کا ایک جزء ہے۔ لیکن مقصود یہ نہیں، اگر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا یہی معنی ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم کے مابین اختلاف نہ ہوتا، اس لیے کہ وہ تو اس چیز کا اقرار کرتے تھے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی حاکمیت نہیں۔ یہ بھی اس کے معانی کا ایک جزء ہے، لیکن یہ کافی نہیں، اس سے مقصود حاصل نہیں ہو رہا، اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو اکیلا حاکم مانا جائے اور اس کے ساتھ غیر کی بندگی بھی کی جائے تو توحید حاصل نہیں ہوتی۔

☆کلمہ کے ارکان: اس کے دو ارکان ہیں:

۱۔ تمام معبودوں کی نفی (لَا اِلٰهَ)

یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا جتنے بھی معبودوں کی بندگی کی جاتی ہے ان سب کا انکار کیا جائے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے لیے بندگی کا اثبات: (اِلَّا اللّٰهُ)

عبادت کو صرف اللہ وحدہ لاشریک کے لیے ثابت کیا جائے۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے:

﴿فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی﴾

''جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا تو اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا۔''[1][البقرہ: ۲۵۶]

﴿فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ﴾ یہ نفی ہے۔ ﴿وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ﴾ یہ اثبات ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰہِیْمُ لِاَبِیْہِ وَقَوْمِہٖٓ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ o اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّہٗ سَیَھْدِیْنِ﴾[الزخرف: ۲۶-۲۷]

''اور جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا: بے شک میں ان چیزوں سے بالکل بری ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ سوائے اس کے جس نے مجھے پیدا کیا، پس بے شک وہ مجھے ضرور راستہ دکھائے گا۔''

﴿اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ﴾ یہ نفی ہے۔ ﴿اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ﴾ یہ اثبات ہے۔

* لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار انسان کو کب فائدہ دے گا: ۱۔ جب انسان اس کے معنی کو سمجھے۔

۲۔ جب اس کے مقتضی پر عمل کرے (غیر اللہ کی بندگی ترک کر کے صرف ایک اللہ کی بندگی کرے)

[1] کڑے سے مراد لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یعنی توحید ہے۔ ایک صحیح حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((من قال لا إله إلا اللّٰه و كفر بما يعبد من دون اللّٰه فقد حرم ماله ودمه و حسابه على اللّٰه عز و جل)) ''جس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار کیا اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمام معبودوں کا انکار کر لیا تو اس کا مال، اس کی جان، محفوظ ہے اور (قیامت میں) اس کا حساب اللہ کے ہاں ہوگا۔'' (مسلم)

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی شروط

پہلی شرط:... ''علم، جو کہ جہالت کے منافی ہو۔''

دوسری شرط:... ''یقین، جو کہ شک کے منافی ہو۔''

تیسری شرط:... ''اخلاص، جو کہ شرک کے منافی ہو۔''

چوتھی شرط:... ''صدق، جو کہ جھوٹ کے منافی ہو۔''

پانچویں شرط:... ''محبت، جو کہ بغض کے منافی ہو۔''

چھٹی شرط:... ''سر تسلیم خم کرنا، جو کہ ترک کے منافی ہو۔''

ساتویں شرط:... ”قبول، جو کہ رد کے منافی ہو۔“

آٹھویں شرط:... ”غیر اللہ کا انکار۔“

ان شرائط کی تفصیل:

ا۔ علم:...اس کا معنی یہ ہے کہ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے نفی واثبات کے معانی کا علم ہو۔[1]

[1]اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ علم اس لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے اور اکیلے ہی مستحق عبادت ہونے سے لاعلمی بندے کے قبول اسلام میں رکاوٹ ہے، اس لئے کسی بھی انسان پر اسلام قبول کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور مستحق عبادت ہونے کا علم لازم ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:((مَنْ مَاتَ وَہُوَ یَعْلَمُ اَنَّہُ لَا اِلٰہَ الَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔))جو اس حال میں مرگیا کہ وہ اس بات کا علم رکھتا تھا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے تو یہ آدمی جنت میں داخل ہوگا۔(مسلم) ابو مظفر وزیر کہتے ہیں کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ایک گواہی ہے اور جو شخص کسی بات کی گواہی دے رہا ہو تو اس پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اس بات سے واقف ہو جس بات کی گواہی دے رہا ہے، لہٰذا جو مسلمان لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار کر رہا ہے اسے اس شہادت اور گواہی کے بارے میں علم ہونا چاہیے اس لئے کہ اس کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ الوہیت صرف اسی کیلئے واجب ہے کوئی دوسرا اس کا حق نہیں رکھتا۔اس طرح اس کلمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ طاغوت کا انکار لازم ہے اللہ تعالیٰ پر ایمان ضروری ہے جب کوئی انسان تمام مخلوق سے الوہیت کی نفی کرکے صرف اللہ کے لئے اسے ثابت کرتا ہے تو یہ کفر بالطاغوت اور ایمان باللہ ہے۔(الدار السنۃ۲۱۶،۲) شیخ عبداللہ بن عبدالرحمن ابابطین کہتے ہیں:اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿ھٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ[حاشیہ جاری ہے[

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿فَاعْلَمْ اَنَّہٗ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ﴾[محمد:۱۹]

”جان لیجیے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے۔“[1]

۲۔ دوسری شرط یقین جو کہ شک کے منافی ہو:...اس کا معنی یہ ہے کہ: یہ کلمہ کہنے والے کو پختہ یقین ہو کہ معبود برحق صرف اور صرف ایک اللہ ہی ہے۔[2]اللہ تعالیٰ کا فرمان

[1]وَلِیُنْذَرُوْا بِہٖ وَلِیَعْلَمُوْا اَنَّمَا ہُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ وَّلِیَذَّکَّرَ اُوْلُوا الْاَلْبَابِ﴾(ابراہیم:۵۲) ”یہ لوگوں تک پہنچانا ہے اور تاکہ اس کے ذریعہ سے(یہ انبیاء)لوگوں کو متنبہ کریں اور لوگ یہ جان لیں کہ وہ اکیلا معبود برحق ہے اور تاکہ عقل مند نصیحت حاصل کریں۔“ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے﴿وَلِیَعْلَمُوْا اَنَّمَا ہُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ﴾فرمایا ہے جس کا معنی ہے تاکہ وہ اللہ کی وحدانیت کا علم حاصل کریں، یہ نہیں فرمایا کہ﴿وَلِیَقُوْلُوْا اَنَّمَا ہُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ﴾وہ کہیں کہ وہ اللہ ہی اکیلا معبود ہے، یعنی صرف زبانی کہنا کافی نہیں ؛ بلکہ اس کا جاننا اور علم رکھنا ضروری ہے۔ دوسری آیت میں فرمایا:﴿اِلَّا مَنْ شَہِدَ بِالْحَقِّ وَہُمْ یَعْلَمُوْنَ﴾(الزخرف:۸۶) ”جس نے حق کی گواہی دی اور وہ اس کا علم بھی رکھتا ہو۔“ علامہ ابن سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”علم میں دل کا اقرار ضروری ہے۔یعنی اس سے جس چیز کا مطالبہ کیا گیا ہے اسے کے معانی، مطالب جانتا ہو، اور اس کے تقاضوں کے مطابق عمل بھی کرتا ہو۔ اور یہ علم جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے یعنی علم توحید؛ اس کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے۔ کوئی شخص اس سے مستثنیٰ نہیں۔“ جب یہ بات اچھی طرح معلوم ہوجائے کہ ہر قسم کی عبادت کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے، تو وہ عبادت کا کوئی کام کسی دوسرے کیلئے بجا نہ لائے۔ ارشاد ربانی ہے:﴿اِلَّا مَنْ شَہِدَ بِالْحَقِّ وَہُمْ یَعْلَمُوْنَ﴾(الزخرف:۸۶) ”مگر جس نے حق بات کا اقرار کیا، اور اسے علم بھی ہو۔“(شیخ بن سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”جس نے زبان سے گواہی دی؛ دل سے اقرار کیا ؛اور اس کے معنی و مفہوم کا علم حاصل کیا ؛ وہ شفاعت کا مستحق ہوگا۔“یعنی جس بات کا زبان سے اقرار کررہے ہیں اس کے بارے میں علم بھی ہو۔ علماء نے اس آیت اور اسی طرح کی دوسری آیات سے استدلال کیا ہے کہ انسان پر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے بارے میں معلومات حاصل کرنا واجب ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا علم حاصل کرنا بھی فرائض میں سے ہے اور اس کلمہ کے معنی سے لاعلمی سب سے بڑی جہالت ہے۔ [2] یعنی توحید اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی و مطلب کو سمجھنے کے بعد اس پر یقین رکھنا اس میں کسی قسم کا شک نہ کرنا اس بات پر دل سے یقین کرنا کہ اللہ ہی تمام قسم کی عبادات کا اکیلا مستحق ہے اس میں ذرا سا بھی شک یا تردد نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی یہی تعریف کی ہے اور انہیں اپنے دعویٰ ایمان میں سچا قرار دیا ہے۔اس طرح ایک حدیث شریف میں آتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے یہ گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں محمد اللہ کا رسول ہوں اور پھر اس گواہی میں شک نہیں کیا تو وہ شخص جنت میں داخل ہوگا۔“(صحیح مسلم) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سچے ایمان کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ مومن کا ایمان ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہو۔ کیونکہ شک کرنا منافقین کی صفت ہے نہ کہ مومنین کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[حاشیہ جاری ہے]

ہے: [1]﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُوْلٰئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ [الحجرات:۱۵]

"بے شک مومن وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور پھر شک نہیں کیا اور اپنے اموال اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہی لوگ سچے ہیں۔"

۳۔ تیسری شرط: ...اخلاص: اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی عبادت صرف اللہ تعالیٰ

[1]بقیہ حاشیہ]((أشهد أن لا إله إلا الله وأني رسول الله، لا يلقي الله بهما عبد غير شاكٍ فيهما دخل الجنة))(مسلم) "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں؛ اور میں(محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کا رسول ہوں؛ یہ دو گواہیاں ایسی ہیں کہ جو انسان ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ اسے ان کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہ ہو، تو وہ سیدھا جنت میں داخل ہوگا۔" "شک کے تین مراتب ہیں: ریب:... : دونوں متقابل چیزوں کے درمیان ایسے متردد ہونا کہ انسان اپنی مرضی سے ان میں سے کسی ایک کو دوسری پر ترجیح نہ دے سکے۔ تہمت:... : کسی پر اس کی براءت کا یقین ہو کر بھی ناحق الزام لگانے کو۔ مریہ:... : جب انسان دو متقابل چیزوں کے درمیان متردد ہو۔ لیکن کسی ایک کو اپنے نفس امارہ کی وجہ سے ترجیح بھی دے۔ عربی لغت میں "ریب" شک کے قریب تر معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں شک کے ساتھ بدگمانی یا وہم ہوتا ہے، اور پھر یہ وہم ختم بھی ہوجاتا ہے۔ اللباب في علوم الكتاب ۱/ ۲۶۸؛ روح المعاني ۱/۱۰۶۔ علامہ نسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ریب" کا معنی ہے: دل کی بے چینی اور اضطراب، قلق نفس۔ تفسیر نسفی ۱/ ۳۸۔ شک سے اتنی سختی کے ساتھ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ کھلم کھلا کفر اور اسلام دشمنی تک جتنے بھی گناہ ہیں ان کی اصل اور پیش خیمہ شک ہے۔ پہلے دل میں توحید اور دین حق کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں، جو اسے راہِ حق سے بھٹکا دیتے ہیں۔ حقیقت میں گمراہی کے یہ چار درجے ہدایت کے چار درجوں کے مقابلہ میں آتے ہیں: ا:... شک: جس کا بیان گزر چکا؛ یہ انابت اور رجوع الی اللہ کے مقابلہ میں آتا ہے۔ ب:... ضلالت: جب توحید اور دین حق سے متعلق شکوک وشبہات کا ازالہ نہ کیا جائے تو پھر انسان گمراہی کا شکار ہوجاتا ہے، اور راہِ حق چھوڑ کر راہ باطل اختیار کر لیتا ہے۔ یہ درجہ ہدایت کے مقابلہ میں ہے۔ ج:... جدال: گمراہ شخص اپنے باطل عقائد ونظریات کو صحیح ثابت کرنے کے لیے اہل حق سے جھگڑا ورمجادلہ کرتا ہے، اور حق بات کو جھٹلاتا اور رد کرتا ہے۔ یہ درجہ استقامت کے مقابلہ میں ہے۔[حاشیہ جاری ہے[...

[1]کے لئے خالص ہو اور کسی بھی قسم کی عبادت کو غیر اللہ کے لئے نہ بجالائے۔[2]

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ﴾[البینہ:۵]

"انہیں صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت کریں اس کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے یکسو ہو کر۔"

۴۔ چوتھی شرط: صدق جو کذب کے منافی ہو: ...یعنی کلمہ توحید کے اقرار میں انسان سچا ہو، اس کی زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق میں مطابقت ہونی چاہیے۔ فرمان الٰہی ہے:

] [1]گزشتہ حاشیہ]د:... مہر جباریت:(دل پہ مہر): یہ درجہ ربط قلب کے مقابلہ میں آتا ہے۔ جب آدمی حق کے مقابلہ میں جھگڑا کرتا ہے اور تمام عقلی ونقلی دلائل سے راہ حق واضح ہوجانے کے بعد اس کو نہیں مانتا؛ اور ضد وعناد پر ڈٹا رہتا ہے، تو اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے؛ پھر کفر ونفاق دل سے باہر نہیں نکل سکتا، اور حق بات دل میں داخل نہیں ہو سکتی۔ اس انسان سے ہدایت کی توفیق سلب ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام امور کو ایک آیت میں بیان کیا ہے؛ فرمایا: ﴿وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ حَتّٰى إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ ۝ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْ آيَاتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتٰهُمْ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ﴾[غافر: ۳۵۔۳۴] "اور اس سے پہلے یوسف علیہ السلام تمہارے پاس کھلے دلائل لے کر آئے، مگر تم پھر بھی ان کی لائی ہوئی دلیل میں شک وشبہ ہی کرتے رہے؛ یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہوگئی تو کہنے لگے: ان کے بعد تو اللہ تعالیٰ کسی رسول کو نہیں بھیجے گا؛ ایسے ہی اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے جو حد سے بڑھ جانے والا اور شک وشبہ کرنے والا ہو۔ وہ لوگ جو بغیر کسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو، اللہ تعالیٰ کی آیات میں جھگڑا کرتے ہیں؛ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک یہ تو بہت بڑی بیزاری کی چیز ہے؛ اللہ تعالیٰ ایسے ہی ہر ایک مغرور سرکش کے دل پر مہر کر دیتا ہے۔" یعنی ایسا یقین جس کیساتھ انسان کے دل میں کوئی بے چینی، اضطراب، قلق، اور وہم یا بدگمانی دین اسلام یا شریعت محمدیہ کے متعلق باقی نہ رہے؛ اس معاملہ میں زیادہ تفصیل بیان کرنے کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ موجودہ دور میں ہر طرف سے دین اسلام پر انگلیاں اٹھائی جارہی ہیں، ان حالات میں ایک عام مسلم نوجوان شکوک وشبہات کا شکار ہوجاتا ہے۔ اور یہی شک ہر فتنہ کی اصل بنیاد اور کفر کے درجہ تک پہنچا دینے والی چیز ہے۔ [2] اس طرح اخلاص کا معنی یہ بھی ہے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کسی اور کی خاطر کسی اور کی خوشنودی کے لئے نہ ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:((فَاِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَبْتَغِيْ بِذٰلِكَ وَجْهَ

اللّٰہِ۔))''اللہ تعالیٰ نے جہنم پر حرام کر دیا ہے اس شخص کو جو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ صرف اللہ کی رضا مندی کے لئے کہتا ہے۔''(بخاری و مسلم)دوسری حدیث میں ہے آپ نے فرمایا:((أسعد الناس بشفاعتي یوم القیامة من قال لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ خالصا مخلصا من قلبه))۔''روزِ قیامت میری شفاعت[حاشیہ جاری ہے]

﴿الٓمّٓ o اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ ہُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ o وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ لَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ﴾[العنکبوت: ۱تا۳][1]

''الم۔ کیا لوگوں نے گمان کیا ہے کہ وہ اسی پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ کہہ دیں ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی۔ حالانکہ بلاشبہ ہم نے ان لوگوں کی بھی آزمائش کی جو ان سے پہلے تھے، سو اللہ تعالیٰ ہر صورت ان لوگوں کو جان لے گا جنھوں نے سچ کہا اور ان لوگوں کو بھی ہر صورت جان لے گا جو جھوٹے ہیں۔''[2]

] [1]بقیہ حاشیہ]اس خوش نصیب کو حاصل ہوگی جس نے دل کے اخلاص کیساتھ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا ہوگا۔''(بخاری) یعنی ایسا ایمان و عمل جس میں شرک کی آمیزش بلکہ شائبہ تک نہ ہو۔اور کلمہ کے تقاضوں کے مطابق عمل ہو۔لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کا اقرار کرتا ہے؛اسی طرح غیر اللہ سے براءت کا اظہار بھی کرے۔ اور یہی حقیقی معنی اور روح ہے''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ''کے اقرار کی ؛ اسی وجہ سے اس کلمہ کو کلمۂ اخلاص بھی کہتے ہیں۔ شرعی معنی کی رو سے ہر عبادت کے کام کو ہر قسم کے شرک اور ریاکاری سے بچاتے ہوئے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کرنا؛فرمان الٰہی ہے:﴿إِنَّآ أَنْزَلْنَآ إِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰہَ مُخْلِصاً لَّہُ الدِّیْنَ o اَ لَا لِلّٰہِ الدِّ یْنُ الْخَالِصُ﴾(الزمر:۲،۳)''(اے پیغمبر!) ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف سچائی کے ساتھ نازل کی ہے تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو(یعنی) اس کی عبادت کو(شرک سے) خالص کر کے۔دیکھو خالص عبادت اللہ ہی کے لئے(زیبا ہے)۔'' حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:''یعنی تم اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو جو اکیلا ہے، اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور لوگوں کو بھی اس کی طرف دعوت دو۔انہیں آگاہ کردو کہ عبادت کا مستحق اللہ تعالیٰ ہی ہے ؛ نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے اور نہ ہی ہمسر؛ اس کے ہاں صرف اخلاص کی بنیاد پر کی جانے والی عبادت ہی قبول ہے۔''(تفسیر ابن کثیر:۴/۴۹) یہی تعلیم ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال میں ملتی ہے ؛آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''میں تمام شریکوں کے شرک سے بے نیاز ہوں اور جو شخص کوئی ایسا عمل کرے جس میں وہ میرے ساتھ کسی اور کو شریک کرے تو میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔''(مسلم) [2] مطلب کو سمجھ کر یقین کے ساتھ تابعداری کرنے کیساتھ ساتھ ضروری ہے کہ ان امور میں انسان سچائی سے کام لے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:((مَا مِنْ اَحَدٍ یَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَادِقًا مِنْ قَلْبِہٖ اِلَّا حَرَّمَہُ اللّٰہُ عَلَی النَّارِ۔))''جو شخص نے اللہ کی وحدانیت محمد کی رسالت و عبدیت کا اقرار دل کی سچائی سے کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو جہنم پر حرام کر دیا ہے۔''(متفق علیہ)[حاشیہ جاری ہے]

[1]۵۔پانچویں شرط: محبت جو بغض کے منافی ہو:... اس کا معنی یہ ہے کہ جب آپ اس کلمہ کا اقرار کریں تو دل سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم؛اس کلمہ اور اس کے معانی و مدلول سے محبت کرتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَہُمْ کَحُبِّ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ﴾(البقرۃ:۱۶۵)

''کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ معبود بناتے ہیں ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے کرنی چاہیے اور ایمان والے اللہ سے شدید محبت رکھتے ہیں۔''[2]

] [1]بقیہ حاشیہ]ایک اور مقام پر فرمایا ہے:((مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ صَادِقًا مِنْ قَلْبِہٖ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔))(مسند احمد)''جس نے سچے دل سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ دیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔''مگر جو شخص زبان سے اقرار کرتا ہے مگر دل سے کلمہ کے مطالب سے انکاری ہے تو فقط زبانی اقرار کا کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق فرمایا ہے ؛ وہ کہتے ہیں:((نشھد انک لرسول اللہ))''ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔''اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُہٗ وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ﴾(المنافقون:۱)''اللہ بھی جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ یہ بھی گواہی دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں۔''اسی طرح ایک اور آیت میں بھی اللہ نے ایسے لوگوں کی تکذیب کی ہے ؛فرمایا:﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا ہُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ﴾(البقرہ:۸)''کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں۔''[2] اس کلمہ کی[اور اس کی روشنی میں توحید الٰہی کی]محبت دل میں اتنی ہو جو ہر نفرت کو فنا کر دے اور انسان توحید ربانی کی خاطر اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہو۔منافقین کی طرح نہ ہو جو زبان سے تو اس کا اقرار کرتے ہیں مگر دل میں یقین نہیں رکھتے۔ مشرکین مکہ کی طرح بھی نہ بنے کہ کلمہ کا معنی و مفہوم تو سمجھتے تھے مگر اس کلمہ کو قبول نہیں کرتے تھے۔ نیز اس کلمہ کے تقاضوں کی روشنی میں ایسی اطاعت کرے جو کہ صحیح اسلام کے لئے لازم و ضروری ہے۔ جو شخص ان باتوں پر یقین کرے اور ان پر عمل کر لے تو وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معانی و مطالب کو سمجھنے میں ذرا سی بھی تاخیر نہیں کرے گا اور پھر وہ دین پر عمل علی وجہ البصیرت کرے گا دین پر ثابت قدم رہے گا اور کبھی سیدھی راہ سے بھٹکے گا نہیں۔(ان شاء اللہ)(الدرء السینۃ کتاب التوحید 255/2)۔ اس سے مراد یہ بھی ہے کہ اس کلمہ کے معنی اور مطالب کی محبت دل میں پیوستہ ہو۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہر ایک چیز پر غالب اور ہر ایک محبت سے زیادہ ہو۔ اوران لوگوں سے بھی محبت ہو جو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پر کاربند اور اس کے تقاضوں کو پورے کرنے والے ہوں۔ غرض کہ محبت اور نفرت، دوستی اور دشمنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے معیار پر قائم کی جائے۔

٦۔ چھٹی شرط:... تابعداری: اس کا معنی یہ ہے کہ صرف ایک اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے اور اس کی شریعت کے سامنے سر تسلیم خم کیا جائے، اور اس شریعت کے برحق ہونے کا اعتقاد رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے: ﴿وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ﴾ (الزمر: ۵۴) "اور اپنے رب کی طرف پلٹ آؤ اور اس کے مطیع ہو جاؤ۔"[1] ۷۔ ساتویں شرط:... قبول جو انکار کے منافی ہو: یعنی توحید اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ اسے؛ اور جن معانی پر یہ کلمہ دلالت کرتا ہے انہیں بھی قبول کرے۔ اور عبادات کو صرف اللہ کے لیے خاص کرے اور غیر اللہ کی عبادت ترک کردے۔[2] فرمان الٰہی ہے:

عقیدۂ اہل السنۃ والجماعۃ کی خصوصیات

سلف صالحین کا عقیدہ اتّباع کے لیے کیوں سب سے مقدّم ہے؟:

دراصل صحیح عقیدۂ توحید و رسالت ہی اس دین حنیف کی اساس اور بنیاد ہے۔ اور دین کی ہر وہ عمارت جو اس اساس، بنیاد سے ہٹ کر تعمیر کی جائے گی، اس کا انجام تباہی اور اس عمارت کے گر جانے کے سوا کچھ نہ ہو گا۔ چنانچہ اسی اُصول کے پیش نظر عقیدۂ توحید خالص اور عقیدۂ ختم المرسلین کے متعلق نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے اور اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دلوں میں اسے خوب راسخ کرنے کے لیے اپنی پوری حیات طیبہ میں جدوجہد اور پورا اہتمام ہمیں دکھائی دیتا ہے۔ یہ اہتمام انتہائی مضبوط اساس اور پتھر کی طرح ٹھوس بنیاد پر جلیل القدر لوگوں اور دنیا کی سب سے اعلیٰ صفات والے مردان باصفا کی جماعت کو تیار کرنے کی خاطر تھا۔ قرآن عزیز و حکیم مکہ مکرمہ میں مسلسل تیرہ سال تک (تھوڑا تھوڑا کر کے حسب ضرورت) اترتا رہا اور اس دوران قرآن عظیم صرف ایک ہی سب سے بڑے مسئلہ کے بارے میں گفتگو کرتا تھا کہ جو کبھی بدلا نہیں جا سکتا۔

اور یہ صرف اللہ عزوجل کے لیے توحید خالص والے عقیدہ اور صرف اُسی ذات اقدس کے لیے ہر طرح کی عبادت کا مسئلہ تھا۔ اسی عقیدۂ توحید خالص کے لیے اور اسی کی اہمیت کے پیش نظر نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں (نبوت کے مکمل تیرہ سال تک) صرف اور صرف اسی کی دعوت دیتے رہے اور اسی اساس اور بنیاد پر اپنے اصحاب اطہار واخیار کی تربیّت فرماتے رہے۔ شرک و خرافات سے بالکل پاک صاف عقیدہ کو کھول کر بیان کرنے کی اہمیت و فرضیت کے لیے سلف صالحین کے عقیدہ کو خوب پڑھنے اور اُس کا مطالعہ کرنے کی اہمیت نہایت واضح ہو جاتی ہے۔ اسی طرح لوگوں کو عقیدۂ صافی کی طرف واپس لانے والے راستے میں دعوت الی اللہ والے نہایت عمدہ عمل، مسلمانوں کو جماعتوں کے اختلاف اور فرقوں کی گمراہیوں سے نجات دلانے والے عملِ عظیم کی ضرورت کے پیش نظر بھی سلف صالحین کے عقیدۂ صافی کے دراسہ و مطالعہ کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے۔ عقیدۂ توحید کی طرف دعوت دینے والوں پر سب سے پہلے یہی عمل واجب ہوتا ہے کہ وہ اس کی طرف دعوت دیں۔

سلف صالحین کے منہج پر عقیدہ:

اس عقیدۂ توحید خالص و رسالت ختم الانبیاء کے کچھ ایسے امتیازات اور کچھ ایسی نہایت قیمتی اور نایاب قسم کی خصوصیات ہیں کہ ان کے مطالعہ و اختیار سے ان کی قیمت کا پتا چلتا اور ان کو لازم کر لینے کی ضرورت و اہمیت واضح ہوتی ہے۔ ان اہم ترین امتیازات و خصوصیات میں سے کچھ درج ذیل ہیں۔ ا... سلف صالحین رضی اللہ عنہم ورحمہم اللہ جمیعًا کا عقیدۂ توحید خالص و رسالتِ ختم الانبیاء... گروہ بندی اور امت اسلامیہ میں تفرقہ والی لعنت سے بچنے اور ان سے خلاصی کا واحد راستہ بھی ہے اور مسلمانوں کی عام صفوں میں بالعموم اور علماء و داعیان الی اللہ میں بالخصوص وحدت پیدا

کرنے کا بڑا ذریعہ بھی۔ کیونکہ یہ عقیدہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے وحی شدہ اور نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا رہنما شدہ ہے۔ اسی عقیدہ پر ملت اسلامیہ کی صف اول کے لوگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے۔ اور جیسا کہ آج ہم اہل اسلام کا حال دیکھ رہے ہیں... جو شخص اور جو گروہ بھی سلف صالحین کے عقیدہ سے ہٹ کر کسی اور طرف سمٹا وہ اُمت میں فرقہ بندی، جھگڑے، جنگ وجدال اور ناکامی کی راہ پر چل کھڑا ہوا۔ چنانچہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ (النساء: ۱۱۵)

''اور جو کوئی سچی راہ کھل جانے کے بعد کہ اس پر ہدایت خوب واضح ہو چکی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کے رستہ کے سوا کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے ہم اس کو اسی راہ پر چلنے دیں گے (اسی حال پر چھوڑ دیں گے) اور (آخرت میں) اس کو دوزخ میں لے جا کر ڈال دیں گے اور وہ بری جگہ ہے واپس پلٹ کر جانے کی۔''

ب... یہ عقیدۂ سلف صالحین مسلمانوں کی صفوں میں اللہ کا تقویٰ پیدا کر کے اُنھیں مضبوط بناتا، ان کے درمیان وحدت کو پیدا کرتا اور دین حنیف کے بارے میں حق پر ان کے کلمہ کو ایک کرتا ہے۔ اس لیے کہ یہ عقیدہ اللہ عزوجل کے درج ذیل فرمان کو عملاً قبول کرواتا ہے۔ فرمایا:

''اور اے ایمان والو، مسلمانو! اللہ کی رسی (اس کے مکمل دین حنیف، قرآن وسنت، جماعۃ المسلمین المؤمنین) کو مضبوطی سے عملاً تھامے رہو اور آپس میں فرقہ فرقہ نہ ہو جائے۔ (باہم پھوٹ کا شکار نہ ہو جاؤ۔)'' اس لیے بلاشبہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف کے اسباب میں سے اہم ترین سبب ان کے مناہج کا جدا جدا ہونا اور ان کے نزدیک علم حاصل کرنے کے مصادر و مراجع کا (قرآن وسنت کے علاوہ) کئی تعداد میں ہونا ہے۔ (جیسے کہ اپنے ہی وضع کردہ اُصول فقہ، علم منطق، علم فلسفہ اور باطل علم تاویل وغیرھا) تو جیسا کہ صدر اول (خیر القرون) میں یہ بات متحقق تھی، اُمت اسلامیہ کو ایک وحدت میں لانے کے لیے سب سے بڑا ذریعہ عقیدہ اور علوم کے منبع (صرف قرآن وسنت) میں ان کو یکجا کرنا ہی ہو سکتا ہے۔ (اگر ایسا نہیں تو اُمت کو اکٹھا نہیں کیا جا سکتا۔)

ج... بلاشبہ عقیدۂ سلف صالحین (کہ جو وحی من اللہ اور ہدایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی ہے) مسلمان آدمی کو براہ راست اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے حبیب و خلیل نبی ختم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور دونوں کی محبت و تعظیم کے ساتھ مضبوطی سے جوڑ دیتا ہے۔ سلف صالحین والا عقیدۂ توحید خالص و عقیدۂ ختم رسالت دین و دنیا کے جمیع معاملات میں اللہ عزوجل اور اس کے محبوب پیغمبر محمد النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیش قدمی کرنے اور اپنی یا دوسرے کسی بھی شخص کی رائے اور فہم کو مقدم کرنے سے روک دیتا ہے۔ (یعنی اس عقیدۂ صافی کو اپنا لینے سے مومن مسلمان آدمی ہمیشہ اپنے تمام معاملات میں اللہ عزوجل اور اُس کے آخری پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو ساری دنیا کے لوگوں پر مقدم رکھتا ہے۔) اس لیے کہ نفسانی خواہشات اور شکوک و شبہات والے شیطانی کھیل سے بہت دور رہتے ہوئے سلف صالحین کے عقیدۂ صافی کا منبع و مصدر قال اللہ اور قال الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوتا تھا۔ یعنی اُن کا عقیدہ، فلسفہ و منطق اور عقلی فنون جیسے اجنبی و غیر اسلامی اثر انداز ہونے والے نقوش قدم اور نشانات سے بالکل خالی ہوتا تھا۔ اُن کے ہاں ایمان و عمل کے لیے صرف اور صرف کتاب

اللہ العزیز اور سنت رسول اللہ الکریم تھے بس۔ (صلی اللّٰہ علی نبینا محمد وعلی آله و ازواجه ورضي اللّٰہ عن اصحابه اجمعین)

د...اس عقیدۂ صافی کی ایک خوبی یہ ہے کہ: یہ انتہائی سہل، آسان اور نہایت واضح ہے۔ نہ ہی تو اس میں کوئی اشکال و اشتباہ ہے اور نہ ہی کوئی پوشیدگی۔ یہ عقیدۂ صافی ہر طرح کے اُلجھاؤ، پیچیدگی اور نصوصِ شرعیہ کی تحریف و تاویل سے بہت دور ہے۔ اس عقیدۂ توحید خالص و عقیدۂ ختم رسالت کو دل و جان سے ماننے والا ہمیشہ (شیطانی حملے اور وسوسے سے) بے فکر، اُس کا نفس نہایت اطمینان والا، شکوک و اوہام اور شیطانی وسوسوں سے بہت دور رہتا ہے۔ سلفی عقیدے والا مومن، مسلمان ٹھنڈی آنکھ والا آدمی نہایت خوش رہتا ہے۔ اس لیے کہ: وہ اُمت اسلامیہ کے نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صراط مستقیم اور آپ کے اصحاب اطہار و اخیارِ امّت رضی اللہ عنہم اجمعین کی راہِ ہدایت پر گامزن ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۚ أُولَـٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ (الحجرات:۱۵)

"مومن تو وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر دل سے ایمان لائے پھر ان کو (ایمان کی باتوں میں کسی طرح کا) شک نہیں رہا اور انہوں نے اپنی جان اور مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ ایسے ہی لوگ سچے ایماندار ہیں۔" ھ...سلف صالحین کا عقیدۂ صافی اللہ رب العالمین و رب العباد الصالحین کا قرب حاصل کرنے اور اُس رحمن و رحیم خالق و مالک کی رضا کے ساتھ کامیابی حاصل کرنے والے اسباب میں سے سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ نبی ختم الرسل و سید الانبیاء والبشر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین و تبع تابعین و من تبعھم باحسان الی یوم الدین رحمہم اللہ جمیعًا کا عقیدۂ توحید خالص و عقیدۂ ختم رسالت کے یہ امتیازات اور اس عقیدہ کی یہ نمایاں جہتیں اہل السنۃ والجماعۃ کے لیے قرآن و سنت سے ثابت ہیں۔ علاقہ، خِطہ، ملک و مکان اور زمانہ جونسا بھی ہو (لوگوں کی مادری زبانیں کوئی سی بھی ہوں، ان کے رنگ، قبیلے اور نسلیں جونسی بھی ہوں۔) ہر دور میں اور ہر مقام پر سلف صالحین کے عقیدہ کو اختیار کرنے والوں کی یہی علامتیں اور یہی ان کی خصوصیات ہوا کرتی ہیں۔ والحمد للہ علی ذلک۔[1]

[1]اس موضوع پر تفصیلی بحث کے لیے: (۱)... ابن بطه العکبری کی کتاب "الإبانه" کا مقدمه دیکھ لیجیے۔ اس مقدمه میں زیر مطالعه موضوع پر نهایت شاندار کلام موجود ہے۔ اسی طرح اسی کتاب پر محقق کتاب دکتور رضا بن نعسان معطی کا مقدمه بھی قابل تعریف ہے۔ جزاہ الله خیرًا۔ اسی طرح (۲) ...دکتور ناصر بن عبدالکریم العقل کی "مباحث فی عقیدۃ اہل السنة والجماعة وموقف الحرکات الإسلامیة المعاصرۃ" میں سے اس کی فصل: "خصائص العقیدۃ الاسلامیة واتباعها" دیکھ لیجیے۔ ......زیر مطالعه موضوع پر مذکور بالا عبارتوں سے ہمیں اس بات کا علم بھی حاصل ہوا کہ: بعض اشرار الناس کی طرف سے یه جو دعویٰ کیا جاتا ہے که: "سلفیت ایک زمانی مرحله تھا جو گزر چکا ہے۔ یه مکمل دین اسلام نہیں)

تقدیر پر ایمان:

۲۵۴۔ اچھی اور بری تقدیر، خوشی اور غمی، قلیل و کثیر، ہر طرح کی چیز بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور اسی وقت پیش آتی ہے جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے، نہ ہی اس سے آگے ہوتی ہے اور نہ پیچھے، اور اس کا علم اللہ تعالیٰ کو پہلے سے ہے، اور انسان کے ساتھ جو کچھ پیش آتا ہے وہ ہر گز ٹلنے والا نہ تھا، اور جو کچھ ٹل گیا، وہ ہر گز پیش آنے والا نہ تھا، اور جو کچھ پہلے پیش آیا وہ بعد تک ٹلنے والا نہ تھا، اور جو کچھ بعد تک موخر

ہے، وہ پہلے پیش آنے والا نہیں تھا۔ اس مسئلہ کے درست ہونے پر کئی ایک قوی دلائل ہیں، اور یہ دلائل قرآن سے ثابت ہیں، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی احادیث ثابت ہیں جس کا انکار ممکن نہیں، اور اُن کو وہی انسان رد کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر افتراء درازی کرتا ہو اور اس کی قدرت میں جھگڑا کرتا ہو۔ 1 یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے، انبیائے کرام علیہم السلام نے اس کی دعوت پیش کی ہے اور اس مسئلہ میں کتابیں نازل کی گئی ہیں، اور تمام اہل توحید جو کہ اللہ تعالیٰ ربوبیت کا اقرار کرتے ہیں، وہ اس پر متفق ہیں، اور وہ تمام لوگ جو اپنے آپ پر اس کے لیے عبودیت کا اقرار کرتے ہیں۔ جیسے ملائکہ مقربین، اور انبیاء و مرسلین، اور جب سے مخلوق پیدا ہوئی، اس وقت سے لے کر قیام یہ عقیدہ رہے گا، ان کا اجماع رہے گا کہ: کائنات میں (زمین و آسمان میں) اللہ کی مشیئت ارادہ اور فیصلہ کے بغیر نہ ہی کوئی چیز تھی اور نہ ہی ہوگی، اور تمام مخلوق اپنی قوت میں بہت ہی کمزور ہیں، اور وہ ذاتی طور پر اس بات سے عاجز ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کوئی ایسا نیا کام کریں جو اس کے ارادہ کے خلاف ہو، اور اس میں وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر غالب آجائیں، اور اس کے فیصلہ کو رد کر دیں۔ 2

1۔ الشریعة ۴۸۲۔

2۔ الحجة فی بیان لمحبة: ۲/ ۳۰۔

ان پر ایمان رکھنا حق اور لازم ہے، جو کہ مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے، پس جو کوئی اس کے خلاف کرے یا اس عقیدہ سے روگردانی کرے یا اس پر طعن کرے، اور اللہ تعالیٰ کے لیے تقدیر کو ثابت نہ مانے۔ یا اس میں کسی چیز کا ضافہ کرے، یا اضافہ کر کے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے منسوب کرے، تو وہ اول درجہ کا زندیق ہے، اسی لیے کہ روایات میں آیا ہے کہ زندیقیت کی ابتداء قدر میں ابو جاد کے کلام سے ہوتی ہے۔" 1

1۔ الإبانة: ۱۸۱۲۔

للالکائی: ۱۳۱۴، نے ذکر کیا ہے کہ امام زہری فرماتے ہیں: زندیقیت کا باغ تقدیر ہے۔ جو اس میں داخل ہوا وہ بھٹک گیا۔ الإبانة: ۱۹۶۸ میں ہے: داؤد بن ابو ہند کہتے ہیں، زنادقہ کا عقیدہ تقدیر سے نکلا ہے، اور لوگوں میں سب سے جلدی مرتد ہونے والا یہی گروہ ہے۔

۲۵۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "قدریہ اور مرجیہ پر ستر انبیاء کی زبانی لعنت کی گئی ہے، اور ان میں سے آخری نبی میں ہوں۔"
1 1۔ الإبانة: ۱۲۲۷۔ الشريعة: ۳۰۸۔ الأوسط للطبراني: ۱۶۲۷۔ للالكائی: ۱۸۰۲۔ السنة للمحرب: ۱۸۹۔ مجمع الزوائد: ۷/ ۲۰۵۔ ۲۵۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہر انسان پر زنا سے اس کا حصہ لکھ دیا ہے۔ 1

1۔ البخاری: ۶۲۴۳۔ مسلم: ۶۸۴۷۔

۲۵۷۔ پھر اس کے بعد عذاب قبر اور منکر و منکیر پر ایمان لانا ہے۔ 1

1۔ ترمذی: ۱۰۷۱۔ پوری حدیث لگائیں، ملکان اسودان..... الخ، صحيح إبن حبان: ۳۱۱۷، حسن، غريب۔

احمد بن القاسم کہتے ہیں: میں نے احمد بن حنبل سے پوچھا کیا آپ منکر و نکیر اور عذاب قبر کی روایات کو مانتے ہیں؟ فرمایا: سبحان اللہ، ہم ان کو مانتے ہیں اور یہ ہمارا عقیدہ ہے۔ میں نے پوچھا کیا آپ بھی ایسے ہی منکر و نکیر کہتے ہیں یا دو فرشتے کہتے ہیں؟ فرمایا: ہم کہتے ہیں منکر و نکیر یہ دو فرشتے ہیں، اور عذاب قبر بھی مانتے ہیں۔ 1

1۔ طبقات الحنابلۃ: ۱/ ۱۳۵۔

ابن شاہین نے السنۃ: ۳۶ پر سفیان ثوری کا قول نقل کیا ہے، فرمایا: معتزلہ عذاب قبر کے منکر ہیں۔ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: اہل سنت والجماعت کا اتفاق و اجماع ہے کہ عذاب اور نعمتیں روح اور بدن کو نہیں، اور بدن اور روح دونوں کو تکلیف ہو، یا بدن کو تکلیف ہو روں کو نہیں۔ 1

1۔ دیکھو: مجموع الفتاوی: ۴/ ۲۸۲۔ الشریعۃ: ۳/ ۱۲۷۲۔ للالکائی: ۶/ ۴۳۶۔

۲۵۸۔ حضرت براء نے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگو۔" 1 1۔ أبو داؤد: ۴۷۵۳۔ السنۃ لعبد اللہ: ۱۴۱۸۔ اسے ابن مندہ، حاکم اور ابن تیمیہ نے صحیح کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَإِنَّ لَهُۥ مَعِيشَةً ضَنكًا﴾ (طه: ۱۲۴)

"تو بے شک اس کے لیے تنگ گزران ہے۔"

۲۵۹۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میت کو قبر میں بٹھایا جاتا ہے۔" 1

1۔ الأوسط للطبرانی: ۳۱۸۲۔ حضرت اسماء فرماتی ہیں.....الخ۔ رواہ البخاری: ۱۳۷۴۔ مسلم: ۷۳۱۸۔ بروایۃ ابن عباس۔ ۲۶۰۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر قبر کی بھینچ سے یا فرمایا: قبر کے دباؤ سے کوئی بچا ہو گا، تو وہ سعد بن معاذ ہی بچا ہو گا۔" 1

1۔ أحمد: ۲۴۲۸۳۔ السنۃ لعبد اللہ: ۱۳۹۰۔ البدایۃ والنہایۃ: ۴/ ۱۴۶۔

۲۶۱۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿فَإِنَّ لَهُۥ مَعِيشَةً ضَنكًا﴾ (طه: ۱۲۴) "تو بے شک اس کے لیے تنگ گزران ہے۔" مفسرین نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے: اس سے مراد عذاب قبر ہے۔" 1

1۔ تفسیر الطبری: ۱۶/ ۲۲۸۔ تفسیر ابن کثیر: ۵/ ۳۲۲۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿فَإِنَّ لَهُۥ مَعِيشَةً ضَنكًا﴾ (طه: ۱۲۴) "تو بے شک اس کے لیے تنگ گزران ہے۔" اس سے مراد عذاب قبر ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں: اس حدیث کی سند جید ہے۔ 1

1۔ إبن حبان: ۳۱۱۹۔

۲۶۲۔ پھر اس کے بعد: قبروں سے اٹھائے جانے کے لیے صور اسرافیل اور نشور (دوبارہ اٹھنے پر) ایمان کا مسئلہ ہے۔ دل کو یہ ضرور یقین دلایا جائے کہ تم نے مرنا ہے، اور قبر میں جھٹکا لگے گا، اور قبر میں تم سے سوال وجواب ہوں گے، اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جانا ہے۔ اس پر ایمان لانا لازمی فریضہ ہے، اور اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔" 1 فرماتے ہیں: ہم نے حجاز، شام، عراق اور دوسرے ممالک میں جن علماء کو پایا اُن سب کا یہ عقیدہ تھا کہ، نفخ صور حق ہے۔ اس میں حضرت اسرافیل پھونک ماریں گے تو تمام مخلوق مر جائے گی۔ پھر اس میں دوسری بار پھونکیں گے تو تمام مخلوق اللہ کے سامنے حاضری کے لیے اٹھ کھڑی ہو گی، اور حساب و کتاب کے لیے تیار ہو گی۔" 2 1۔ حرب کرمانی: ۲۸۰ھ۔ 2۔ السنۃ للحرب: ۴۱۔ ۲۶۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہیں ننگے پاؤں، ننگے سر اور بغیر ختنہ کے قبروں سے اٹھایا جائے گا۔" 1 اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: 1۔ مسلم: ۳۰۳۷۔ بخاری: ۳۳۴۹۔

﴿يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا﴾ (المعارج: ۴۳)

"جس دن وہ قبروں سے تیز دوڑتے ہوئے نکلیں گے۔"

پس جو کوئی اللہ تعالیٰ کی ایک آیت یا ایک حرف کی تکذیب کرے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے کسی عقیدہ کو رد کرے تو وہ کافر ہے۔"

۲۶۴۔ پھر دوبارہ اٹھائے جانے پر اور پل صراط پر ایمان ہے۔ وہاں پر مومنوں کا ورد ہو گا، مسلم سلم، سلامتی ہو سلامتی ہو۔ (یہ حضرت مغیرہ بن شعبہ والی روایت کی طرف اشارہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پل صراط پر اہل ایمان کا ورد ہو گا: **مسلم سلم۔** 1

1۔ **بخاری**: ۸۰۶۔ **مسلم**: ۳۷۳۔ **الحاکم**: ۲/ ۳۷۵۔ **معجم الکبیر**: ۲۰/ ۴۲۵۔

۲۶۵۔ اور پل صراط تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہو گی۔ (یہ حضرت عائشہ کی روایت کی طرف اشارہ ہے، فرمایا: **والجھنم حسیر...**) 1

1۔ **أحمد**: ۲۴۷۹۳۔ **مسلم**: ۳۷۴۔ **للالکائی**: ۶/ ۴۹۵۔

۲۶۶۔ پھر میزان پر ایمان لانا واجب ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ (الانبیاء: ۴۷) "اور ہم قیامت کے دن ایسے ترازو رکھیں گے۔"

۲۶۷۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "لوگوں کو میزان کے پاس لایا جائے گا، اور وہ وہاں پر بہت سخت جھگڑا کریں گے۔" 1

1۔ **إبن أبي شيبة**: ۱۶۰۴۳۔ **الزهد لأحمد۔ المجالسة للمدينوري**: ۱۰۔ **صحيح السند۔**

۲۶۸۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((المیزان بید الرحمن یخفضه و یرفعه۔))"جو کوئی اس میں شک کرے، یا اسے جھٹلائے، تو وہ بہت بڑا ملحد ہے۔" 1

1۔ أحمد: ۱۷۶۳۰۔ ابن ماجه: ۱۹۹۔ عبداللّٰه فی السنة: ۱۲۰۲۔

پرانے عہد کے اہل علم محدثین، زہاد و عباد کا تما شہروں میں اتفاق رہا ہے کہ میزان پر ایمان لانا واجب ہے۔ امام احمد اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اور سنت یہ ہے کہ میزان پر ایسے ایمان رکھا جائے جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا ہے۔ بروز قیامت ایک آدمی کا وزن کیا جائے گا۔ تو اس کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہو گا، اور انسانوں کے اعمال کا وزن ہو گا۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔ اس پر ایمان لانا اور اور اس کی تصدیق کرنا ضروری ہے، اور اس کے منکرین سے منہ موڑ لینا چاہیے، اور بات چیت بند کر دینا چاہیے۔ 1

1۔ للالکائی: ۳۱۷۔

۲۶۹۔ پھر حوض اور شفاعت پر ایمان لانا واجب ہے۔ 1 سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: معتزلہ حوض اور شفاعت کو جھٹلاتے ہیں، اور اہل قبلہ میں سے اُن لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز سمجھتے ہیں جو اُن کی خواہشات اور عقیدہ پر چلتا ہو۔

1۔ رواه أحمد: ۷۲۰۴۔ ترمذی: ۲۴۲۰.....الخ۔ فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۲۷۴۔ پھر اس بات پر ایمان لانا کہ اللہ تعالی نے مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے جنت اور جہنم کو پیدا کیا تھا، اور جنت کی نعمتیں ہمیشہ ہمیشہ تر و تازہ رہیں گے۔ ان کو زوال نہیں آئے گا، اور حور العین بیویاں، کبھی مریں گی نہیں، اور نہ ہی اُن میں کوئی کمی آئے گی اور نہ ہی بوڑھیاں ہوں گی اور جنت کے پھل اور نعمتیں کبھی منقطع نہیں ہوں گے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ﴿اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّ ظِلُّهَا﴾ (الرعد: ۳۵)"اس کا پھل ہمیشہ رہنے والا ہے اور اس کا سایہ بھی۔" جبکہ جہنم کا عذاب دوام الٰہی سے دائمی ہے، اور اہل جہنم ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ یہ ایسے لوگ ہوں گے جو دنیا سے توحید و سنت سے خالی دامن جائیں گے۔ جبکہ اہل توحید کو شفاعت کی بنا پر وہاں سے نکالا جائے گا۔" 1

1۔ السنة لعبداللّٰه: ۸۰۔ تلبیس الجهمیه: ۵/ ۱۸۲۔ السنة للحرب: ۴۸۔ الشریعة: ۳/ ۱۳۴۳۔ للالکائی: ۶/ ۵۰۴۔

۲۷۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہوں کے مرتکبین کے لیے ہے۔" 1

1۔ أبو داؤد: ۴۷۳۹۔ ترمذی: ۲۴۳۷۔ صحیح۔

۲۷۶۔ پھر فرشتوں پر ایمان لانا ہے، یہ کہ جبریل امین اللہ کی طرف سے رسولوں کے پاس آیا کرتے تھے۔ فرشتوں پر ایمان لانا واجب بلکہ فرض ہے۔ یہ ایمان کے چھ ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ فلاسفہ کی ایک جماعت نے اس کا انکار کیا ہے، اور عصر حاضر کے عقل پرست گروہ کی ایک جماعت اُن کی اتباع میں بھٹک گئی ہے۔ 1

1۔ دیکھیں: إغاثة اللفهان: ۲/ ۲۶۱۔

۲۷۷۔ ایسے جو کچھ بھی انبیاء و مرسلین اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے ہیں، اس کی تصدیق کرنا اور اس پر ایمان لانا واجب ہے، اور جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، اس پر ایمان لانا، حق اور لازم ہے۔ اگر کوئی انسان انبیاء کی لائی ہوئی تمام چیزوں پر ایمان لائے، اور کسی ایک چیز کا انکار کر دے تو وہ اس ایک چیز کو رد کرنے کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔" اس پر تمام اعلماء کا اجماع ہے۔

۲۷۸۔ پھر اس پر ایمان لانا کہ اللہ تعالیٰ نے جنات کو پیدا کیا ہے۔ جنات اس کی تخلیق کردہ مخلوق ہیں، اس نے جیسے چاہا اور جس مقصد کے لیے چاہا پیدا کیا۔ اُن میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی کتاب ایسے ہی بتاتی ہے، اور احادیث رسول میں بھی یوں ہی وارد ہوا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو پیدا کیا، وہ شیطانی لشکروں کا سرغنہ ہے۔ وہ بنی آدم کو گمراہ کرتا ہے، اور اُن کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے، اور انہیں فتنہ میں مبتلا کرتا ہے، برائی کو خوبصورت بنا کر دیکھتا ہے، اور انہیں اپنے رب کی مخالفت کی دعوت دیتا ہے، وہ حقیقت میں بنی آدم کا دشمن ہے، اور ان میں سے ایسے چلتا ہے، جیسے خون اور جو لوگ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہتے ہیں انہیں شیطان کی چال کوئی نقصان نہیں دے سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں بہت ساری آیات اور بے شمار احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔ جس کسی نے جنات کا، اور ابلیس اور شیاطین کے مردود ہونے کا انکار کیا اور بنی آدمی کو ان کے بہکانے کا انکار کیا، تو وہ اللہ تعالیٰ کا منکر (کافر) ٹھہرا۔ وہ اس کی آیات کا منکر اور کتاب کا جھٹلانے والا ہے۔" 1

1۔ اسماعیلیہ باطنیہ، ابلیس کی حقیقت کے منکر ہیں، تفصیل دیکھیں: الرسالة الواضحة لإبن حنبلي: ۲/ ۴۸۸۔ الإبانة الكبرى:

۳۔ باب الإيمان بأنّ الشيطان.....الخ۔ للالكائي: ۷/ ۱۸۔ الصالوى: ۱۴۸۔ الحجة في بيان المتجة: ۱/ ۴۸۴۔

۲۷۹۔ پھر اُن تمام چیزوں پر ایمان لانا اور اُن کی تصدیق کرنا ہے جو علماء نے روایت کی ہیں، اور ثقہ روایوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہیں، اور انہیں عوام میں قبولیت حاصل ہے۔ انہیں اعراض کر کے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ کیوں اور کیسے؟ اور نہ ہی انہیں عقل سے ٹکرایا جائے، اور نہ ہی اس کے لیے قیاس لڑائے جائیں، اور نہ ہی اُن کی اپنی طرف سے کوئی تفسیر کی جائے سوائے اس تفسیر کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، یا پھر علماء امت میں سے کسی ایسے عالم کی تفسیر جن کے قول میں تشفی اور حجت ہو۔ مثلاً احادیث صفات اور دیدار۔ مثلاً یہ روایت کہ: امام بربہاری کہتے ہیں: "اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک میں ہو۔" 1 اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ: جان لیں کہ جہمیہ کی ہلاکت کا سبب یہ ہوا کہ انہوں نے ذات باری تعالیٰ میں غور و خوض شروع ردیا، اور کیوں اور کیسے کے سوالات اٹھانے شروع کر دیے؟ اور احادیث کو چھوڑ کر قیاس ہی لگ گئے اور دین کو اپنی رائے پر قیاس کرنا شروع کر دیا۔ تو دھیرے دھیرے کھلم کھلا کفر کے گڑھوں میں گر کر ہلاک ہو گئے۔

1۔ شرح السنة: ۱۱۲۔

احمد بن حنبل کہتے ہیں: جس کا یہ عقیدہ ہو کہ باری تعالیٰ کو آخرت میں نہیں دیکھا جائے گا، تو وہ کافر ہے۔ 1

1۔ الطبقات: ۱/ ۱۴۳۔

حضرت وکیع فرماتے ہیں: "جو کوئی دیدار الٰہی کی احادیث کا انکار کرے وہ جہنمی ہے، اس سے بچ کر رہو۔" 1

1۔ خلق أفعال العباد: ۳۲۔

۲۸۰۔ "بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں کو اپنی ایک انگلی پر رکھیں گے اور زمینوں کو ایک انگلی پر۔" 1

1۔ الإبانة الکبری: ۲۱۱۔ بخاری: ۴۸۱۱۔ مسلم: ۲۷۸۶۔

۲۸۱۔ حدیث میں ہے: "اللہ تعالیٰ اپنا قدم مبارک آگ پر رکھیں گے اور وہ کہے گی: بس بس۔" 1

1۔ بخاری: ۴۸۴۸۔ مسلم: ۷۲۷۹۔

۲۸۲۔ "بنی آدم کے دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں میں ہیں۔" 1

1۔ الإبانة: ۲۰۲۔ مسلم: ۶۸۴۴۔ ۲۸۳

۔بے شک اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں: "اور عرش کی ایسی چرچراہٹ ہے، جیسے نئے کجاوے کی چرچراہٹ ہوتی ہے۔" 1

1۔ الإبانة: ۱۳۵۔ السنة لعبداللّٰه: ۵۷۰۔ السنة لإبن أبي عاصم: ۵۸۶۔ ۲۸۴۔ اللہ تعالیٰ نے دائیں ہاتھ سے حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے اُن کی اولاد کو نکالا۔ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ داہنے اور بابرکت ہیں، اور فرمایا: یہ اس کے لیے ہیں، اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔" (یہ حدیث کئی الفاظ میں مروی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک انصاف کرنے والے اللہ تعالیٰ کی داہنی طرف نور کے میزوں پر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی دونوں جوانب دائیں ہیں۔" 1

1۔ مسلم: ۴۷۴۸۔ الإبانة: ۳/ ۳۷۱۔

۲۸۵۔ چہرے کو برا بھلا نہ کو، بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔1

1۔ الإبانة: ۱۸۵۔ السنة لعبداللّٰه: ۴۸۲۔ البخاري: ۶۲۲۸۔ مسلم: ۷۲۶۵۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "قرون ثلاثہ کے اسلاف میں کوئی ایک بھی یہ نہیں کہتا تھا کہ یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے، جب سے تیسری صدی میں جمیہ پھیلنا شروع ہوئے، تو انہوں نے کہنا شروع کیا کہ ضمیر کا مرجع غیر اللہ کی طرف ہے۔" 1

1۔ الفتاوی: ۶/ ۳۷۶۔ الإبانة الکبری: ۱۹۶۔

۲۸۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے اپنے کو ایسی صورت میں دیکھا..... الخ۔" 1

1۔ أحمد: ۲۵۸۰۔ إبن أبي عاصم: ۴۴۹۔ للالکائي: ۸۹۷۔

☆ یہ حدیث ثقات اصحاب اور اُن کے بعد سادات علماء نے روایت کی ہے، جیسا کہ حضرت ابن عمر، عائشہ، ابو ہریرہ، ابن عباس، جریر بن عبداللہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہم وغیرہ۔ ۲۸۷۔ اور فرمایا: "بے شک اللہ تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا پر تشریف لاتے ہیں۔" 1

1۔ الإبانة الکبری تتمة الرد علی الجهمية، بخاري: ۷۴۹۴۔ مسلم: ۱۷۲۱۔ احمد بن حنبل نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، مسائل ابن کوسج: ۳۳۳۲۔ اسحاق بن راہویہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ اور فرمایا: اس کا انکار صرف بدعتی یا بیوقوف انسان ہی کر سکتا ہے۔

☆ ان تمام کے متعلق یہ نہیں پوچھا جا سکتا کہ کیسے اور کیوں؟ بلکہ قدرت کے سامنے سر تسلیم خم کیا جائے گا، اور امور غیب پر ایمان لانا ہو گا۔ جب بھی عقول اس کی معرفت اور اس کی بابت علم سے عاجز آجائیں تو یہی عین ہدایت ہے۔ اس پر ایمان رکھنا، اور اس کو تسلیم کرنا، اور فرامین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنا، یہی تمام علوم کی اصل بنیاد اور عین ہدایت ہے۔ اس حدیث اور اس جیسی احادیث کے لیے مقیاس بیان کرنے کی گنجائش نہیں، اور نہ ہی امثال و نظائر سے اس کا معارضہ ممکن ہے۔ 1

1۔ للالکائي: ۸۶۸۔

۲۸۸۔ پھر اس بات پر ایمان کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آسمان سے زمین پر نازل ہوں گے۔ آپ صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو مار ڈالیں گے، اس وقت صرف ایک ہی دعوت باقی رہ جائے گی۔" 1

1۔ لحديث أبي هريرة.....الخ۔ البخاري: ۲۴۷۶۔ مسلم: ۳۰۸۔ الشريعة: ۳/ ۱۳۲۰۔

۲۸۹۔ اس امت کے آخر میں لازمی طور پر دجال نکلے گا۔ اس کی ایک آنکھ کانی ہو گی جیسے انگور کا پھسا ہوا دانہ، اور وہ مکہ اور مدینہ کے علاوہ ساری زمین کا چکر لگائے گا۔" 1

1۔ البداية والنهاية: ۱۹/ ۱۹۰۔ ذم الکلام: ۸۴۷۔ الشريعة: ۱۳/ ۱۳۰۔ للالکائي: ۷/ ۲۲۔

☆ دجال کو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام قتل کریں گے۔ یہ واقعہ فلسطین مشرق میں باب لُد پر پیش آئے گا۔ جو کہ رملہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے۔" 1 1۔ یہ حدیث نواس بن سمعان سے ثابت ہے،.....الخ۔ مسلم: ۴۸۳۷۔ وکذالک مسلم: ۳۸۱۷۔ ۲۹۰۔ "پھر ملک الموت پر ایمان کہ وہ روحیں قبض کرتا ہے، اور قبروں میں روح جسم میں لوٹائی جاتی ہیں۔" 1

1۔ اصول السنة لإبن أبي زمنين: ۱۴۔ الحجة في بيان المحجة: ۱/ ۳۱۴۔

۲۹۱۔ پھر نفخ صور پر ایمان۔ صور ایک سینگ ہے جس میں اسرافیل علیہ السلام پھونک ماریں گے۔" 1

1۔ وتصور قَرن.....الخ۔ احمد: ۶۵۰۷۔ ترمذی: ۳۲۴۴۔ حدیث حسن۔

۲۹۲۔ اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو کی ہے، فرمان الٰہی ہے:

﴿وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾ (النساء: ۱۶۴)

''اور بہت سے رسولوں کی طرف جنھیں ہم اس سے پہلے تجھ سے بیان کر چکے ہیں اور بہت سے ایسے رسولوں کی طرف جنھیں ہم نے تجھ سے بیان نہیں کیا اور اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا، خود کلام کرنا۔'' یہ آیت جہمیہ پر حجت ہے، جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف کلام کی نسبت مجازی ہے۔ 1

1۔ شرح السنه بربهاري: ۷۳۔ الشريعة: ۳/ ۱۱۰۹۔

امام آجری فرماتے ہیں: جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ نے حضرت موسیٰ سے کلام نہیں کیا، تو وہ نص قرانی کو رد کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر عظیم کا مرتکب ہوتا ہے۔

☆ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا پکا دوست بنایا تھا۔ 1 نکت القرآنہ: ۱/ ۲۷۴ میں آیت: ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا﴾ (النساء: ۱۲۵) ''اور دین کے لحاظ سے اس سے بہتر کون ہے جس نے اپنا چہرہ اللہ کے لیے تابع کر دیا، جب کہ وہ نیکی کرنے والا ہو اور اس نے ابراہیم کی ملت کی پیروی کی، جو ایک (اللہ کی) طرف ہو جانے والا تھا اور اللہ نے ابراہیم کو خاص دوست بنالیا۔'' کی تفسیر میں لکھا ہے: یہ آیت جہمیہ پر بہت بڑی حجت ہے۔ اُن کے بارے میں ہمیں یہ اطلاع ملی ہے کہ وہ اس موقع پر خلیل کا معنی فقیر کرتے ہیں۔ 2

1۔ خلق أفعال العباد: ۳۔ الإبانة: ۲۳۹۸۔

2۔ امام الحجر، الرد على الجهمية: ۲۵۱۔

۲۹۳۔ حضرت عیسیٰ بن مریم، اللہ تعالیٰ روح اور اس کا کلمہ ہیں۔ آپ نے مردوں کو زندہ کیا، کوڑھے اور برص والے کو اچھا کیا، اور مٹی سے پرندے پیدا کرتے۔ یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی قدرت وارادہ اور مشیت سے پیش آتے تھے۔ 1

1۔ الرد على الجهمية: ۲۵۱۔

۲۹۴۔ ''اور اس بات پر ایمان کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، اور جنت الفردوس کو اپنے دست مبارک سے بنایا۔'' 1

1۔ صفة الجنة لإبن أبي الدنيا: ۴۱۔ اس کی سند ضعیف ہے، مگر اس کے شواہد موجود ہیں۔ الشريعة: ۷۵۶۔ للالکائی: ۷۲۹۔ السنة لعبداللّٰه: ۵۵۳۔

۲۹۵۔ اور یہ بھی روایت میں آیا ہے: ''اے ابن آدم 1۔ مجھے اپنے دل میں یاد کر.....الخ۔'' 1

1۔ البخاری: ۷۴۰۵۔ مسلم: ۶۹۲۸۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: .....الخ۔

۲۹۶۔اور روایت میں ہے: ((مَنْ تعْربَ إليَّ.....الخ۔))(سابقہ مصدر)

۲۹۷۔ آپ کا رب اس نوجوان سے خوش ہوتا ہے جو گمراہ نہیں ہوتا۔" 1

1۔ أحمد: ۱۷۳۷۱۔ السنة لإبن أبي عاصم: ۵۸۳۔ أبو يعلى: ۱۷۴۹۔ اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔

۲۹۸۔ اور یہ فرمان کہ: "ہمارے رب تعالیٰ اپنے بندوں کی مایوسی اور غیر سے اُن کی قربت پر ہنستے ہیں اور یہ فرمان کہ: ہم اس رب سے کبھی معدوم (خالی) نہیں رہ سکتے جو خیر و بھلائی پر ہنستا ہو۔" 1

1۔ الإبانة: ۶۷۔ أحمد: ۱۶۱۸۷۔ ابن ماجه: ۱۸۱۔ السنة لعبدالله: ۴۳۳۔ اس کی سند صحیح ہے۔

۲۹۹۔ "زمانے کو گالی نہ دو۔ بے شک اللہ تعالیٰ زمانہ لاتا ہے۔" 1

1۔ رواہ مسلم: ۵۹۲۸۔

۳۰۰۔ فرمایا: "بے شک آسمان اور زمین کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے، اور ہر آسمان کی موٹائی اس کے برابر ہے، اور ہر دو آسمانوں کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے، یہ تمام احادیث اور ان سے مشابہت رکھنے والی روایات کو ایسے ہی چھوڑتے ہوئے تسلیم کر لیا جائے جیسا کہ وارد ہوئی ہیں ۔ ان سے تعارض نہ کیا جائے اور نہ ہی ان کے لیے ضرب مثال بیان کی جائے، اور نہ ہی ان میں کوئی قول گھڑا جائے مطلب یہ ہے کہ اس میں بلاوجہ مناظرہ نہ کیا جائے۔ انہیں علماء نے روایت کیا ہے، اور اکابرین امت نے ان کو تسلیم کیا ہے، اور ان کی تفسیر کے متعلق سوال نہیں کیا۔ پس ان کا علم روایت کیا ہے، اور ان کے معانی میں کلام ترک کیا ہے۔" 1

1۔ الإبانة: ۳/ ۵۸۔

۳۰۱۔ "پھر اس بات پر ایمان کہ قرآن مردوں کے سینہ میں محفوظ ہے۔" 1 یہ اُن جہمیہ پر رد ہے جن کا عقیدہ ہے کہ قرآن مردوں کے سینہ محفوظ نہیں ہے۔2

1۔ الإبانة الكبرى: ۳/ ۳۵۳۔

2۔ دیکھو: البخاری: ۵۰۳۲.....الخ۔

☆اور جو کوئی قران کو زبانی یاد کر لے، اسے حاصل (حافظ) قرآن کہا جاتا ہے۔1

1۔ الرسالة الواضحة: ۲/ ۷۱۹۔

۳۰۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس سینے میں قرآن میں سے کچھ بھی نہ ہو، وہ ویران گھر کی طرح ہے۔" 1

1۔ الإبانة الكبرى: ۲۱۸۶۔ أحمد: ۱۹۴۷۔ الترمذي: ۲۹۱۳۔ الدارمي: ۳۳۴۹۔ الحاكم: ۱/ ۵۵۴۔ صحیح ہے۔

۳۰۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہیں لٹکے ہوئے مصاحف دھوکہ میں نہ رکھیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس دل کو عذاب نہیں دیں گے جو غم کی حالت میں قرآن کو یاد رکھے۔" 1

1۔ النوادر والأصول: ۱۳۳۴۔ تمام في الفوائد: ۱۶۹۰۔ الإبانة: ۲۱۹۲۔ إبن أبي شيبة: ۳۰۷۰۲۔ الزهد لأحمد: ۸۷۔ الدارمي: ۳۳۶۲۔

اس کی سند صحیح ہے۔ حالت غم کا لفظ اصل روایات میں نہیں ملا۔ ۳۰۴۔ "اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ملک الموت کے ساتھ گفتگو کرنے کا اقرار، اور آپ نے اس کو تھپڑ بھی مارا تھا۔ اس بارہ میں مروی حدیث کا رد نہیں کیا جائے گا، اور اس کا انکار کسی بدعتی یا بیوقوف کے بغیر کوئی نہیں کر سکتا۔ علماء کرام نے اس کو رد کرنے اور اس میں توقف کرنے والے کے متعلق ایسے ہی کہا ہے۔" 1

1۔ البخاري: ۳۴۰۷۔ مسلم: ۶۲۵۲۔

۳۰۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "تم میں سے کوئی بھی آدمی ایسا نہیں جس کے ساتھ ساکے "جن" ساتھی کو متعین نہ کر دیا گیا ہو؟ صحابہ نے عرض کی: کیا آپ بھی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ فرمایا: ہاں میرے ساتھی بھی، مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف میری مدد فرمائی اور وہ مسلمان ہو گیا۔ اب وہ مجھے بھلائی کے علاوہ کسی چیز کا نہیں کہتا۔" 1

1۔ الإبانة: ۱۷۴۷۔ مسلم: ۷۲۱۰۔ الخلال: ۲۰۷۔ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں: "فرمان کا مقصد یہ ہے کہ مجھے اس سے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ ورنہ شیطان مسلمان نہیں ہوتا۔" ۳۰۶۔ یہ کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا اور سب انبیاء کے آخر میں مبعوث کیا گیا۔ یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے:

﴿وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًاۙ۝﴾ (الاحزاب: ۷)

"اور جب ہم نے تمام نبیوں سے ان کا پختہ عہد لیا اور تجھ سے اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی اور ہم نے ان سے بہت پختہ عہد لیا۔"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں تخلیق میں پہلا نبی تھا، اور سب سے آخر میں میری بعثت ہوئی۔"

1 1۔ رواہ الطبرانی فی مسند الشامیین: ۳۶۶۲۔ "الفوائد" اہتمام: ۱۰۰۳۔ السنۃ للخلال: ۱۹۹۔ السنۃ للحرب: ۴۵۵۔

آپ کہتے ہیں: "میں نے اسحاق بن راہویہ سے پوچھا، سیرۃ الفجر کی حدیث جس میں ہے میں نے کہا: رسول اللہ 1۔ آپ کب نبی ہوئے؟ تو آپ نے فرمایا: جب آدم علیہ السلام روح اور جسد کے درمیان میں تھے" جب مجھے میری ماں نے جنا تو ایک نور دیکھا، جس نے شام کے محلات روشن کر دے۔" 1

1۔ الشریعۃ: ۳/ ۱۴۰۵۔

یہ حضرت عرباض بن ساریہ کی روایت کی طرف اشارہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ کا بندہ ہوں اور ام الکتاب میں میرا نام خاتم النّبیین ہے، اور اس وقت حضرت آدم اپنی مٹی میں گوندھے ہوئے تھے۔ میں اس کی تفصیل آپ کو بتاؤں گا۔ میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی قوم کو بشارت ہوں، اور اپنی امی کا وہ خواب ہوں جس میں آپ نے دیکھا کہ آپ کے جسم سے ایک نور نکلا جس نے شام کے محل روشن کر دیے۔" 1

1۔ أحمد: ۱۷/۱۶۳۔ وصححہ إبن حبان: ۶۴۰۴۔ الحاکم: ۲/ ۶۰۰۔

۳۰۷۔ جو کوئی یہ گمان کرتا ہے ہو کہ بعثت سے قبل آپ اپنی قوم کے دین پر تھے، یقیناً اس نے بہت بڑا بہتان گھڑا۔ ایسا عقیدہ رکھنے والے کے ساتھ بات چیت اور نشت وبرخاست نہ کی جائے۔" 1

1۔ الخلال فی السنۃ: ۲۱۳۔ الشریعۃ: ۳/ ۱۴۳۳۔

امام آجری فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ ہم پر اور آپ پر رحم فرمائیں۔ یہ جان لیں کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے بھی نبی تھے۔ آپ انبیاء اور اولاد انبیاء کی پشتوں میں منتقل ہوتے رہے، صحیح نکاح کے ساتھ، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کی والدہ کے بطن سے پیدا کیا، اور مولائے کریم نے آپ کی حفاظت فرمائی حتیٰ کہ آپ بالغ ہوگئے۔ اللہ نے آپ کے دل میں قریش کے بتوں کی نفرت ڈال دی تھی، اور دیگر کفریہ امور بھی آپ کے لیے ناپسندیدہ بنادیے گئے تھے..... الخ۔۳۰۸۔ ہم کہتے ہیں کہ: "ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مختون اور مسرور پیدا ہوئے۔" یہ حضرت عباس بن عبدالمطلب کے اس قول کی طرف اشارہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مختون اور مسرور پیدا ہوئے، آپ کے دادا عبدالمطلب کو اس پر برا تعجب ہوا۔" 1

1۔ دلائل النبوۃ البیہقی: ۱/ ۱۱۴۔

اس روایت کو ابن قیم اور ابن کثیر نے ضعیف کہا ہے، اور حضرت انس کی روایت میں ہے: ''اللہ کے ہاں میری کرامت یہ ہے کہ میں مختون پیدا ہوا، میری شرمگاہ کسی نے نہیں دیکھی۔'' 1

1۔ الأوسط للطبراني: ۶۱۴۸۔ ابن جوزی فی العلل المتناہیة: ۲۶۴۔ اور اس کو ضعیف کہا ہے۔ اس باب میں روایات کافی زیادہ ہیں ۔ابن کثیر نے البدایہ والنہایة: ۲/ ۲۶۵۔ پر کہا ہے۔ یہ تمام روایات محل نظر ہیں۔

۳۰۹۔ آپ پیٹھ کے پیچھے بھی ایسے دیکھ لیتے تھے جیسے اپنے سامنے دیکھا کرتے تھے۔'' 1

1۔ یہ بخاری کی روایت کی طرف اشارہ ہے نمبر: ۴۲۷۔ السنة للخلال: ۲۱۷۔

۳۱۰۔ اور یہ کہ آپ براق پر سوار ہوئے، اور اسی رات بیت المقدس تشریف لائے۔ پھر آپ کو آسمانوں کی معراج ہوئی۔ پھر آپ اپنے رب کے اتنے قریب ہوئے کہ دو کمان کے فاصلے پر یا اس سے بھی زیادہ قریب۔ 1

1۔ البخاری: ۳۶۷۴۔ مسلم: ۳۳۰۔ الشریعة: ۳/ ۱۵۲۶۔ روایت بخاری۔۔۔۔

۳۱۱۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا دست مبارک اپنے کندھوں کے درمیان میں رکھا، تو اس کی ٹھنڈک آپ کے سینے اطہر میں محسوس ہوئی، اور آپ کو اگلوں اور پچھلوں کا علم حاصل ہو گیا۔ 1

1۔ أحمد: ۲۲۲۱۰۔ ترمذی: ۳۲۳۵۔ التوحید لابن خزیمه: ۳۲۱۔ السنة لعبداللّٰه: ۱۰۹۸۔

اس حدیث کو امام احمد، امام بخاری اور امام ترمذی نے صحیح کہا ہے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ''بیان تلبیس الجهمية: ۷/ ۲۰۸ پر کہا ہے'' یہ دیدار حالت خواب میں ہوا جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھائی گئی تھی، اور انبیاء کے خواب حق ہوتے ہیں۔

۳۱۲۔ اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بروز قیامت تشریف لائیں گے تو تمام انبیاء کرام میں مقام و مرتبہ کے لحاظ سے اعلیٰ مقام پر ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ کو تمام مخلوق سے بڑھ کر محبوب اور اس کے قریب ہوں گے۔ آپ شفاعت کریں گے، تو آپ کی شفاعت قبول ہو گی، اور آپ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں گے، آپ جو مانگیں گے وہ مل کر رہے گا۔ 1

1۔ یہ حدیث شفاعت کی طرف اشارہ ہے.....الخ۔ البخاری: ۷۵۱۰۔ مسلم: ۳۹۸۔

۳۱۳۔ آپ اپنے رب کے ساتھ عرش پر بیٹھیں گے۔ یہ شرف آپ کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہو گا۔ نافع نے ابن عمر سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے: ﴿عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً﴾ فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھائیے گا۔'' 1

1۔ الفردوس للديلمي: ۴۱۵۹۔ یہ روایت ضعیف ہے، ابو بکر النجاد نے اسے موضوع کہا ہے۔ (إبطال التأويلات: ۲/ ۴۹۰) ابن تیمیہ نے کہا ہے: اس روایت کی تمام اسناد موضوع اور من گھڑت ہیں۔ دار التعارض: ۵/ ۲۳۷۔

۳۱۴۔ امام مجاہد نے اس آیت کی تفسیر ایسے ہی بیان کی ہے، اور آپ رضی اللہ عنہ سے لیث نے، اور اس سے محمد بن فضیل نے روایت کی ہے۔ 1

1۔ الطبري: ۱۵/ ۱۴۵۔ السنة للخلال: ۲۹۳۔

ابراہیم الاصفہانی نے کہا ہے: یہ حدیث صحیح اور ثابت ہے۔ علماء دو سو ساٹھ سال سے اسے بیان کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اہل بدعت کے علاوہ کسی نے اس حدیث کو رد نہیں کیا۔ 1

1۔ الشريعة: ۱۱۰۶۔ مستدرک حاکم: ۴/ ۵۶۸۔

۳۱۵۔ پھر اس بات پر ایمان کے خیر خلق، اور سب سے افضل اور انبیاء و مرسلین کے بعد اللہ کے ہاں سب سے بڑی منزلت والے اور رسول اللہ کے بعد خلافت کے حقدار حضرت ابو بکر صدیق تھے۔ آپ کا نام عبداللہ بن عثمان ہے، آپ کا لقب عتیق بن ابی قحافہ ہے، اور آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو روئے ارض پر ہماری بیان کردہ صفات کا اہل آپ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں تھا۔

الإبانة الكبرى: ۲/ ۵۷۳، میں صدیق نام رکھنے کا سبب بیان ہوا ہے، اور آپ کا لقب عتیق، اس حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''أَنْتَ عَتِيْقُ اللّٰهِ مِنَ النَّارِ'' 1

1۔ الترمذي: ۳۶۷۹۔ إبن حبان: ۶۸۶۴۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ الشريعة: ۴/ ۱۷۱۰۔ للالكائي: ۷/ ۱۴۴۔

☆ پھر آپ کے بعد اس ترتیب اور ان صفات میں حضرت عمر ابن خطاب، ابو حفص کا نام آتا ہے۔ آپ کا لقب فاروق ہے۔ 1

1۔ الشريعة: ۴/ ۱۷۳۵۔ للالكائي: ۷/ ۱۴۴۔

☆ پھر آپ کے بعد اس ترتیب اور ان صفات میں حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین، ابو عبداللہ، ابو عمر کا نام آتا ہے پھر آپ کے بعد اسی طرح سے حضرت ابوالحسن، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، بڑے پیٹ والے (الأنزع البطين) کا مقام آتا ہے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد اور خاتم النّبیین کے چچازاد ہیں۔ ان تمام پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔ 1

کتاب: عقیدہ و آداب کی کتاب الشرح والابانہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم أشھد أن لاالہ الااللہ وأشھد ان محمداعبدہ ورسولہ، أما بعد:

ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴾ (الحجر :۹)

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ سنت بھی قرآن کی طرح محفوظ ہے، کیونکہ سنت بھی ذکر میں شامل ہے۔[1]

امام حاکم نیشاپوری فرماتے ہیں کہ اگر اسناد نہ ہوتی اور محدثین کرام ان کو طلب نہ کرتے اور کثرت سے یاد نہ کرتے تو اسلام کی علامتیں مٹ جاتیں، جھوٹی احادیث گھڑلی جاتیں، اسنادِ حدیث کو الٹ پلٹ دیا جاتا اور اس طرح اہل بدعت غالب آجاتے، کیونکہ اگر احادیث کو اسناد سے بے نیاز کردیا جائے تو وہ بالکل بے بنیاد ہو کر رہ جائیں گی۔[2]

علم رجال یہ ہے کہ سندِ حدیث میں ہر راوی کو پرکھنا، اس کے حالات جاننا اور ائمہ کرام کے اقوال کے مطابق ان پر حکم لگانا۔ یہ تمام امور علم جرح وتعدیل کے ذریعے ہی سے جانے جاسکتے ہیں۔ بری اور اچھی صفات والوں کا ذکر اللہ تعالی نے کیا ہے اور انھیں دو اقسام میں تقسیم کیا ہے:

☆ سچا اور جھوٹا

☆مومن اور منافق

[1]مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنۃ ص:۴۳-۴۴. [2] معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص:۶.

☆پاک دامن اور زانی

☆ جنتی اور جہنمی

☆ نیک اور بد یہی علم جرح وتعدیل ہے کہ سچے کو سچا کہا جائے اور جھوٹے کو جھوٹا کہا جائے۔ جھوٹے کی بات کی تحقیق فرض ہے اور سچے کی بات فورا قبول کی جاتی ہے۔

کتبِ جرح وتعدیل کا وجود اللہ تعالی کا احسان عظیم ہے:

فن جرح وتعدیل کی اہم کتب میں رواۃ کی تعداد درج ذیل ہے۔ اس سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ اس فن کے ذریعے اللہ تعالی نے امت مسلمہ پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔

۱۔ التاریخ الکبیر للبخاری:

13983

۲۔ کتاب الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم:

18038 ۳۔ الطبقات الکبری لابن سعد: 5554

۴۔ العلل للدارقطنی: 4128

۵۔ تہذیب الکمال للمزی: 8634

۶۔ لسان المیزان لابن حجر: 15538

۷۔ کتاب الثقات لابن حبان: 16508

۸۔ تاریخ بغداد: 7831

۹۔ تاریخ دمشق: 9519

سند کا وجود اور اس کی اہمیت پر سلف کے اقوال:

اسناد کی تعریف: یہ "اسند" کا مصدر ہے جس سے مراد اونچی زمین، پہاڑ یا بلندی پر چڑھنا ہے۔

اصطلاحا: متن تک پہنچے کا ذریعہ یا کسی قول کو اس کے قائل تک پہنچانے کو "سند" کہتے ہیں۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا﴾ (الحجرات:۶) نیز ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: **لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الغَائِبَ**۔[1]

محدثین نے ان پر عمل کرتے ہوئے سند کا سلسلہ قائم کیا ہے۔ ابراہیم نخعی تابعی کہتے ہیں کہ مختار ثقفی کے دور میں سند کے بارے میں تفتیش کا رجحان شروع ہوا۔ اس لیے کہ ان دنوں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کثرت سے جھوٹ بولا جارہا تھا۔[2] امام عبد اللہ بن مبارک نے کہا کہ **الاسناد من الدین لولا الاسناد لقال من شاء ما شاء**۔ سند دین کا حصہ ہے اور اگر سند نہ ہوتی تو جو چاہتا کہہ ڈالتا۔[3]

امام ابن سیرین نے کہا:ان ھذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم ۔بے شک یہ علم دین کا حصہ ہے تو دیکھ لو تم کس سے اپنا دین حاصل کر رہے ہو۔[4]

بے بنیاد روایات کی تعداد:

حافظ ابو یعلی خلیلی نے کہا ہے:ان (شیعہ) کی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کی فضیلت میں موضوع روایات کی تعداد تقریبا تین لاکھ ہے۔ حافظ ابن قیم اس تعداد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ اس تعداد کو بعید از قیاس نہ سمجھیں،اس بارے میں ان کے پاس جتنی روایات ہیں، اگر آپ ان کی تتبع اور جستجو کریں تو معاملہ ایسے ہی پائیں گے۔[5]

[1]بخاری:٦٧. [2] شرح علل الترمذی لابن رجب:١٣٦١. [3] مقدمہ صحیح مسلم:١٢١. [4] مقدمہ صحیح مسلم:١١١. [5] المنار المنیف ص:١١٦.

تاریخ ہے جو ہم نے اپنے ایک مقالے "دفاع حدیث کیوں ضروری ہے؟"میں پیش کر دی ہے،اس پر مزید چند فوائد پیش خدمت ہیں۔صرف صحیح بخاری کو ہی لیں جس دور میں بھی کسی نے اس پر بے بنیاد اعتراض کیے فورا صحیح بخاری کا دفاع کیا گیا،مثلا:

۱:امام دار قطنی نے اگر اعتراض کیے تو حافظ ابن حجر نے ہدی الساری اور فتح الباری میں اور محدث مقبل بن ھادی الیمنی نے " الالزامات والتتبع "کے حاشیے میں خوب دفاع کیا۔

۲:حافظ ولی الدین ابوزرعہ نے رجالِ صحیح بخاری کے دفاع میں "البیان والتوضیح لمن اخرج لہ فی الصحیح وقد مس بضرب من التجریح "کے نام سے مستقل کتاب لکھی،جس میں ۳۵۰رواۃ کا ذکر کیا۔

۳:علامہ محمد بن اسماعیل بن خلفون نے "رفع التماری فی من تکلم فیہ من رجال البخاری"کے نام سے ایک رسالہ لکھا۔

۴:علامہ ابوالولید باجی نے "التعدیل والتجریح لمن خرج عنہ البخاری فی الصحیح"کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی۔

۵:عبدالکریم پٹنی حنفی نے "الجرح علی البخاری "کے نام سے بدنام زمانہ کتاب لکھی تو اس کے رد میں شیخ الاسلام ابوالقاسم بنارسی رحمہ اللہ نے "الکوثر الجاری فی جواب الجرح علی البخاری "لکھ کر بخاری کا دفاع کیا۔پٹنی نے سات رسالے لکھے تو محدث بنارسی نے بھی اس کے رد پر سات کتب لکھیں۔

٦:اگر حبیب الرحمن کاندھلوی نے "مذہبی داستانیں"کے نام سے صحیح بخاری پر اعتراضات کیے تو ہمارے استاد محترم محدث العصر ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے "احادیث صحیح بخاری و مسلم میں پرویزی تشکیک کا علمی محاسبہ "لکھ کر دفاع کا حق ادا کیا۔

یہ ایک لمبی داستان ہے جس کے لیے بہت رجسٹر درکار ہیں۔

یہ سب کچھ علمِ جرح و تعدیل ہی کی بدولت ہے۔

تنبیہ: یہ کتاب پڑھ کر کوئی اپنے آپ کو جرح و تعدیل کا ماہر تصور نہ کرے، بلکہ یہ فنِ جرح و تعدیل کے ابتدائی قاعدے کے مترادف ہے۔ اس کتاب کو کسی مستند شیخ سے پڑھا جائے اور اس میں بیان کردہ قواعد کی عملی مشق کے لیے سالہا سال کسی محدث کے پاس بیٹھا جائے، تب جا کر اس دقیق فن کی کچھ سمجھ آئے گی اور پھر ساری زندگی اسی فن کی خدمت میں گزاری جائے۔ افسوس ان بعض طلبہ پر جو کچھ چیزیں سمجھ آنے کے بعد اپنے آپ کو فن جرح و تعدیل کا ماہر اور استاد تصور کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ ایک فتنے کی شکل اختیار کر گیا ہے، اللہ تعالی ایسے جاہلوں سے امت مسلمہ کو محفوظ فرمائے۔ آمین۔

انا العبد

4-4-2025

7شوال المکرم 1446

تمہید سند کی اہمیت و حیثیت اللہ رب العزت نے اس امت کو جن امتیازات سے نوازا ہے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ اس امت نے اللہ تبارک و تعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ سے جو کچھ پایا ہے ان سب کو سند کے ساتھ محفوظ کیا ہے۔ کوئی بات سند کے بغیر نہیں۔ یعنی قرآن کریم بھی اور احادیث بھی، ایک ایک حدیث کی سند محفوظ ہے۔ امام ابو حاتم ابن حبان رحمہ اللہ نے المجروحین کے مقدمہ میں اور علامہ مزی رحمہ اللہ نے تہذیب الکمال کے مقدمہ میں ابن قتیبہ رحمہ اللہ سے[1]

اور ابن حزم رحمہ اللہ نے الفصل[2] میں یہ بات فرمائی ہے کہ اس امت کا خاصہ ہے کہ اس میں کوئی بھی بات سند کے بغیر نہیں ہے۔

[1]تہذیب الکمال : ۱/۱۶۶ مؤسسة الرسالة، عبارت ملاحظه فرمائیں: [و ليس لامة من الامم إسناد كإسنادهم ، يعني هذه الامة ، رجل عن رجل وثقة عن ثقة حتى يبلغ بذلك رَسُول اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عليه وسلم وصحابته فيبين بذلك الصحيح والسقيم ، والمتصل والمنقطع ، والمدلس والسليم .[[2] الفصل فى الملل والنحل : (۱/۷۰)، مؤسسة الرسالة، عبارت ملاحظه فرمائیں: [ما نقله الثقة عن الثقة كذلك حتى يبلغ إلى النبي صلى الله عليه وسلم يخبر كل واحد منهم باسم الذي أخبره ونسبه وكلهم معروف الحال والعين والعدالة والزمان والمكان على أن أكثر ما جاء هذا المجيء فإنه منقول نقل الكواف إما إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم من طرق جماعة من الصحابة رضي الله عنهم وإما إلى الصاحب وإما إلى التابع وإما إلى أمام أخذ عن التابع يعرف ذلك من كان من أهل المعرفة بهذا الشأن والحمد لله رب العالمين وهذا نقل خص الله تعالى به المسلمين دون سائر أهل الملل كلها وبناه عندهم غضا جديدا علىقديم الدهور مد أربعمائة عام وخمسين عاما في المشرق والمغرب والجنوب والشمال يرحل في طلبه من لا يحصى عددهم إلا خالقهم إلى الآفاق البعيدة ويواظب على تقييده من كان الناقد قريبا منه قد تولى الله تعالى حفظه عليهم والحمد لله رب العالمين [

سند اور دیگر ادیان: امت مصطفوی کے علاوہ جتنی امتیں ہیں وہ محسنین کی کوئی سند پیش نہیں کر سکتے، سند پیش کرنا تو کجا، ان کتابوں کی زبانیں بھی نہیں رہیں، جن میں ان کے اقوال موجود تھے۔ ان کتابوں کے تراجم مختلف اسلوبوں میں موجود ہیں۔

لیکن وہ کتابیں اصل زبانوں میں آج موجود نہیں ہے۔ بلکہ حیرانی اور تعجب کی بات ہے کہ یورپ میں ایک مسئلہ چل نکلا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا وجود بھی حقیقی تھا یا صرف کردار ہے؟؟[1] کیونکہ بہت سی باتیں عمل و کردار کے اعتبار سے مشہور ہو جاتی ہیں لیکن ان کا وجود نہیں ہوتا۔ اس لئے یورپ میں یہ مسئلہ بھی زیر بحث آ رہا ہے۔ وہاں کے محققین اور ناقدین نے آزادی کی فکر کو آزاد کیا، لیکن اس آزادی کی فکر میں اتنے آزاد ہوئے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مشکوک بنا دیا کہ وہ واقعتاً اللہ کے نبی تھے، یا صرف قصے کہانیاں ہیں؟؟

بہر حال یہ صرف امت محمدیہ کا خاصہ ہے کہ صرف قرآن مجید ہی نہیں، حدیث بھی، لغت بھی حتی کہ جرح والتعدیل کے اقوال بھی اور یہاں تک کہ حکایات و قصص بھی۔ تاریخ، تفسیر اور حدیث ہی نہیں بلکہ قصے اور کہانیوں کو بھی بغیر سند کے بیان نہیں کیا۔ اس موضوع پر حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ اور خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے کچھ عجیب و غریب کتابیں لکھیں، کتاب البخلاء ، کتاب التطفیل، ان کتابوں میں جو قصے ہیں، وہ بھی بغیر سند کے نہیں ہیں۔ محدثین نے سند کا صور ایسے مضبوط طریقے پر ڈالا اور پھونکا ہے، کہ کوئی حکایت بیان کرنے والا بھی اپنی حکایت بغیر سند کے بیان نہیں کرتا۔ یعنی اتنی اہمیت دے دی گئی ہے، اب دیکھئے ابن الجوزی رحمہ اللہ کی کتاب ذم الھوی، کتاب الاذکیاء ، کتاب القصاص ہے، ان میں ہر قصّہ سند کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح ادب و لغت کے بارے میں، اشعار کے بارے میں بھی سند کا اہتمام کیا گیا ہے تو یہ

[1] اسے انٹر نیٹ پر مختلف ویب سائٹ پر دیکھا جا سکتا ہے کہ اس حوالے سے مختلف لوگوں کے اس حوالے سے تبصرہ موجود ہیں۔

اختصاص امت محمدیہ کا ہے کہ سند کا تعلق صرف کتاب و سنت کے ساتھ نہیں ہے بلکہ جتنے معاملات ہیں ان کی حکایت و بیان سند کی بنیاد پر کی جاتی ہے۔ علامہ مزی رحمہ اللہ نے مقدمہ تہذیب الکمال میں ابن المدینی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ "التفقہ فی معانی الحدیث نصف العلم و معرفۃ الرجال نصف العلم" "حدیث کے معانی و فقہ کو جاننا نصف علم ہے اور راویوں کو جاننا نصف علم ہے۔"[1] دو ہی چیزیں ہیں، ایک متن اور دوسری سند، متن کے معنی مفہوم کو جاننا اور دوسرا علم سند کا ہے۔ یہاں یہ بھی ایک دلچسپ بات ہے کہ علامہ قسطلانی کی المواھب اللدنیۃ میں انہوں نے سند کی یہی اہمیت بیان کرتے ہوئے ایک عجیب روایت بیان کر دی ہے جیسا کہ بسا اوقات حق بیان کرتے ہوئے غلو بھی آ جاتا ہے۔ تو اس میں ایک موضوع روایت ہے: جس میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إذا کتبتم الحدیث فاکتبوہ باسنادہ فإن یک حقا کنتم شرکاء فی الأجر وإن یکن باطلا کان وزرہ علیہ"[2] ہر معاملے میں غلو پایا جاتا ہے جب حقیقت سے تجاوز کیا جائے تو باتونی آدمی ہر فن میں مل جاتے ہیں کہ ایک کذاب (مسعدۃ بن صدقہ[3]) نے ایک روایت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے گھڑ لی کہ جو بھی حدیث بیان کرو تو سند کے ساتھ بیان کرو اور اگر وہ سند کے ساتھ بیان کرو تو صحیح اجر ملے گا اور اگر غلط ہو گی تو اس کا وزر (بوجھ) بنانے والے پر ہو گا۔

[1]تہذیب الکمال: مقدمہ، ۱/۹ [2] المواھب اللدنیۃ ،حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے موضوع قرار دیا ہے۔ میزان الاعتدال : ترجمۃ مسعدۃ بن صدقۃ ۴/۹۰ ترجمہ نمبر:۸۹۳۸،اسی طرح علامہ البانی a نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ (السلسلۃ الضعیفۃ:۸۲۲([3] امام دارقطنی a نے اسے متروک قرار دیا ہے۔ (میزان الاعتدال : ۴/۹۰ ترجمہ نمبر:۸۹۳۸، لسان المیزان :ترجمہ نمبر: ۴۲۲، ۷/۸۱)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس روایت کو اس(مسعدۃ بن صدقہ) کے ترجمے میں موضوع قرار دیا ہے۔ لیکن اس کا معنی یہ نہیں کہ سند کی حیثیت نہیں ہے بلکہ اس روایت کے بارے میں آگاہی مقصود ہے کہ یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے۔

سند دین میں سے ہے:

محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إن هذا العلم دین، فأنظروا عمن تأخذون دینکم "[1]

"یہ دین کا معاملہ ہے اس لئے تم دیکھو کہ تم اپنا دین کس سے لیتے ہو؟؟" یہی قول ابن عباس، ابوہریرہ w، زید بن اسلم، حسن بصری، ابراہیم نخعی، الضحاک بن مزاحم رحمۃ اللہ علیہم سے مروی ہے۔[2]

ضمناً ایک بات کردوں کہ یہ جو بات انہوں نے فرمائی ہے کہ اسلاف کا محتاط پہلو یہ تھا جیسا کہ مذکور ہوا، لیکن وائے افسوس آج امت اپنا دین کن سے لے رہی ہے؟ نیز جن سے دین لیا جانا چاہئے، ان کے لئے شرائط ہیں؟ لیکن اب معاملہ کیا ہے؟؟ جو نماز تک نہ پڑھے، کبائر کا مرتکب ہو، برہنہ اور پاکی، پلیدی کا بھی خیال نہ کرے، اس سے دین لے رہے ہیں۔ کجا ہمارے سلف کی فکر اور ایک ہم ہیں کہ کوئی پرواہ نہیں کرتے کہ ہم نے کس سے دین لینا ہے۔

[1]مقدمہ صحیح مسلم مع شرح النووي (١/٤٤)، دار المعرفة بیروت، اسی طرح یہ قول سنن الدارمی: ٤٢٣، ٤٢٨، ٤٣٣، المقدمہ، کتاب الادب، المحدث الفاصل بین الراوی والواعی: (١/٤١٥)، دار الفکر بیروت، الضعفاء الکبیر للعقیلی: (١/٧)، دار المکتبة العلمیة بیروت، الجامع لاخلاق الراوی: (١/١٢٩)، مکتبة المعارف الریاض، الفقیه والمتفقه: (٢/١٩١)، دار ابن الجوزي السعودیة، الکفایة: ١٩٦
[2] مقدمہ المجروحین لابن حبان: ٢٣، ٢٢، ١/٢١، دار المعرفة، بیروت لبنان

ایک قول ابن مبارک رحمہ اللہ کا ہے:

"الاسناد عندی من الدین لولا الاسناد لقال من شاء ماشاء"[1]

"میرے نزدیک سند کا معاملہ دین کا معاملہ ہے اگر سند نہ ہو تو جس کے دل میں جو آئے گا وہ بیان کرے گا۔" یعنی جب اس سے سند مانگی نہ جائے، اسے یہ معلوم ہو کہ مجھ سے کس نے پوچھنا ہے؟ تو پھر وہ دین کے نام پر جو کچھ بھی کہہ دے گا لوگ اس کے پیچھے چلیں گے۔ اسی لئے کہا کہ یہ دین کا مسئلہ ہے یہ نہ ہو تو جس کا جو دل چاہے کہہ دے گا۔ اسی قسم کا قول خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے ان سے نقل کیا ہے:

"و مثل الذی یطلب امر الدین بلا سند کمثل الذی یرتقی السطح بلا سلم"[2]

یعنی: جو آدمی سند کے بغیر دین لیتا ہے، اس کی مثال ایسے ہے جیسے وہ سیڑھی کے بغیر چھت پر جانے کی کوشش کر رہا ہے۔ یعنی جس طرح سیڑھی کے بغیر چھت پر نہیں جایا جاسکتا، اسی طرح سند کے بغیر نبی ﷺ کے فرمان تک نہیں پہنچا جاسکتا۔ ابو اسحاق ابراہیم بن عیسیٰ الطالقانی فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے کہا اے ابوعبدالرحمن! اس حدیث کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے روایت کی گئی ہے کہ نیکی کے بعد دوسری نیکی یہ ہے کہ تو اپنی نماز کے ساتھ اپنے والدین کے لئے نماز پڑھے اور اپنے روزے کے ساتھ ان کے لئے روزہ رکھے، ابن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا:

[1]مقدمہ صحیح مسلم مع شرح النووي، (١/٤٧)، دار المعرفة، معرفة للحاکم: (١/٤١)، دار أحیاء العلوم، الکفایة: ٢/٤٥٣، باب ذکر ما احتج به من ذهب الی قبول المراسیل و ایجاب العمل بها والرد علیه [2] الکفایة: ٢/٤٥٢ باب ذکر ما احتج به من ذهب الی قبول المراسیل و ایجاب العمل بها والرد علیه

[عَمَّنْ هَذَا؟] کہ یہ حدیث کس کی روایت کردہ ہے؟ میں نے کہا کہ یہ حدیث شہاب بن خراش سے مروی ہے۔ انہوں (ابن مبارک رحمہ اللہ) نے کہا کہ وہ تو ثقہ ہے، پھر انہوں نے کہا: [عَمَّنْ] انہوں نے کس سے روایت کی ہے؟ میں نے کہا: حجاج بن دینار سے۔ انہوں نے فرمایا: وہ بھی

ثقہ ہے۔ پھر انہوں نے فرمایا: [عَمَّن] اس نے کس سے روایت کی ہے؟ میں نے کہا: وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا۔ ابن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا:

[یا أبا إسحاق، إن بین الحجاج بن دینار وبین النبي صلی اللہ علیه وسلم مفاوز تنقطع فیها أعناق المطي]

" اے ابو اسحاق! حجاج (جو تبع تابعی ہیں) اور رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے درمیان تو اتنا طویل زمانہ ہے جس کو طے کرنے کے لئے اونٹوں کی گردنیں تھک جائیں گی، (تو اس درمیان کے طویل زمانے کو کون پاٹے گا؟)" [1]

اب دیکھیں! ابن مبارک رحمہ اللہ نے اس روایت کا رد سند کے ذریعے سے کیا۔ ابو اسحق، شہاب اور حجاج بن دینار ثقہ تھے، لیکن ان کی بات کو سند کے نہ ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کیا، یہی بات انہوں نے اپنے قول میں کہی کہ یہ سند نہ ہوتی تو جس کا جو دل چاہتا کہہ دیتا، تو یہ سند کا اہتمام ہے، اور اس امت کا اختصاص ہے۔ پھر سند کے حوالے سے صرف یہ اہتمام نہیں ہے کہ بس نام آگیا ہے اور کافی ہے، مثلاً زہری، یحیٰ بن سعید وغیرہ کا نام آگیا ہے، صرف نام کی حد تک اہتمام نہیں، بلکہ ان رواۃ کے بارے میں تفصیلی تراجم موجود ہیں کہ کب پیدا ہوئے؟ کہاں کہاں علمی سفر کئے؟ کہاں پڑھا؟ کس حالت میں کس استاد سے علمی سماع کیا؟ جوانی میں حفظ و ضبط کیسا تھا؟ اور بڑھاپے میں متاثر ہوا یا نہیں؟ اور کب فوت ہوا؟ یعنی ان کی زندگی کا بائیو ڈیٹا (Bio Data) کہ اس کی زندگی کے ضروری حصص بھی محفوظ ہوگئے۔ یوں کہنا چاہیئے کہ ان محدثین اور رواۃ نے نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی احادیث مبارکہ کو ہی محفوظ نہیں کیا بلکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان کی اس محنت کے نتیجے میں ان کی زندگیوں کو بھی محفوظ کر دیا۔

[1] یعنی یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ حجاج بن دینار تبع تابعی ہے۔ مقدمہ مسلم: (۱/۴۹)، دار المعرفة بیروت

پہلا باب: جرح و تعدیل کے اصول

جرح کے لغوی معنی: زخم لگانا ہے۔ [1]

اصطلاحی تعریف: راویوں کو ایسی صفت سے متصف کرنے کو جرح کہا جاتا ہے جس سے ان کی روایت ضعیف یا مردود ہو جانے کی وجہ سے غیر مقبول قرار دی جاتی ہے۔

تعدیل کے لغوی معنی: کسی چیز کو درست کرنا۔ [2]

اصطلاحی تعریف: راوی کو کسی ایسی صفت سے متصف کرنے کو تعدیل کہتے ہیں جس سے اس کی روایت قابلِ قبول بن جاتی ہو۔ فنِ جرح و تعدیل: ایسے فن کو کہا جاتا ہے جس میں رواۃِ حدیث پر بحیثیت قبول و رد، مخصوص الفاظ کے ذریعے کلام کی جائے اور ان الفاظ کے مراتب پر بحث کی جائے۔ [3]

جرح کا شرعی حکم: حسبِ ضرورت اس کا جواز تھا جب سندِ حدیث کی رواۃ پر تحقیق مطلوب تھی، محدثین نے ایمان داری کے ساتھ رواۃِ حدیث پر حکم لگائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا۔ کس قدر واضح آیت ہے کہ فاسق، غیر

معتبر راوی کے فسق کو بیان کیا جائے تاکہ کوئی اس کی بیان کی ہوئی بات سے دھوکا نہ کھائے۔ امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: محدثین عظام نے عظیم خطرات کے پیش نظر راویوں پر کلام کرنے کی اجازت دی ہے، اس لیے کہ حلال و حرام کی معرفت کا دارومدار انہیں پر موقوف ہے۔[4]

امام یحیٰ بن سعید القطان سے جب کسی نے یہ سوال کیا کہ آپ کو اس کا خوف نہیں کہ

[1]لسان العرب:۴۲۲-۲. [2] الصحاح:۱۷۶۱-۵. [3] الحطۃ فی ذکر صحاح السنۃ ص:۸۹. [4] صحیح مسلم مع شرح نووی:۱۲۳-۱

. قیامت کے دن یہ لوگ (جن پر آپ نے جرح کی ہے) آپ کے مدمقابل ہوں گے ؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ لوگ میرے مدمقابل ہوں، یہ کہیں زیادہ بہتر ہے اس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن میرے مقابل بحیثیت مدعی ہوں اور آپ فرمائیں کہ جب میرے اوپر جھوٹ گڑھا جارہا تھا اس وقت تم نے میرا دفاع کیوں نہیں کیا؟[1]

جرح وتعدیل کی اہمیت:

جرح وتعدیل کا تعلق سند کے ساتھ ہے۔ کچھ اقوال سند کی اہمیت پر ملاحظہ فرمائیں۔ صغار تابعین کے دور میں سند بیان نہ کرنا بہت بڑا جرم تھا۔ ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں: عتبہ بن حکیم کہتے ہیں کہ میں ابن ابی فروہ کے پاس تھا اور وہاں ابنِ شہاب زہری بھی موجود تھے، ابن ابی فروہ نے سند بیان کیے بغیر کہا: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! امام زہری نے کہا: اللہ تجھے برباد کرے تو دین کے معاملے میں کتنا جری ہو گیا ہے، اپنی حدیث کی سند ہی بیان نہیں کرتا؟ ہمیں بغیر باگوں اور رسیوں (سند) کے حدیث بیان کر رہا ہے۔[2]

امام عبداللہ بن مبارک نے کہا: الاسناد من الدین لولا الاسناد لقال من شاء ما شاء۔

جرح کرنا غیبت نہیں:

غیبت کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں، لیکن یہ مسئلہ سمجھنے والا ہے کہ آیا رواۃِ حدیث پر محدثین، جو حقیقت میں اللہ کے ولی لوگ تھے کلام کر کے ساری عمر غیبت ہی کرتے رہے ؟ نہیں ایسی بات نہیں ہے، بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب سے مجھے اس بات کا علم ہوا ہے کہ غیبت حرام ہے اس وقت سے میں نے کسی کی غیبت نہیں کی۔ رواۃِ حدیث پر جرح کا تعلق غیبت سے نہیں بلکہ ایک امر مستحسن تھا جس کی محدثین نے بروقت بجا آوری فرما کر دفاعِ حدیث کا بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا۔ اگر کذاب، دجال، زندیق، متروک، فاسق و فاجر اور غافل لوگوں کی نشان دہی نہ ہوتی تو دینِ اسلام بے کار ثابت ہوتا۔ سچ اور جھوٹ کی تمیز نہ

[1]تدریب الراوی۲۳۶۹. [2] معرفۃ علوم الحدیث ص11۔

رہتی۔ امام ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری کیا خوب فرماتے ہیں کہ اگر اسناد نہ ہوتی اور محدثین کرام ان کو طلب نہ کرتے اور کثرت سے ذکر نہ کرتے تو اسلام کی علامتیں مٹ جاتیں، جھوٹی احادیث گھڑ لی جاتیں، اسناد حدیث کو الٹ پلٹ دیا جاتا اور اس طرح اہل بدعت غالب آجاتے، کیونکہ اگر احادیث کو اسناد سے بے نیاز کر دیا جائے تو وہ بالکل بے بنیاد ہو کر رہ جائیں گی۔[1]

رواۃِ حدیث پر کلام اس لیے کیا جاتا ہے تا کہ صحیح احادیث کو ضعیف سے ممتاز کیا جائے۔ کیا کوئی چاہتا ہے کہ کوئی ظالم، دین کا دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط باتیں منسوب کرے اور ہم اسے کچھ بھی نہ کہیں؟ کوئی ہمارے باپ کی طرف غلط منسوب کرے ہم اس کا ایکشن لیتے ہیں تب یہ نہیں کہتے کہ غیبت حرام ہے، جانے دو، پھر کیا ہوا؟ ہماری ان گزارشات سے معلوم ہوا کہ رواۃِ حدیث پر جرح غیبت نہیں ہے بلکہ نکمے لوگوں کو ننگا کرنا فرض ہے تا کہ دین محفوظ رہے۔ امام احمد بن حنبل درس حدیث دے رہے تھے اور اس میں رواۃ پر جرح وتعدیل کے لحاظ سے بات کر رہے تھے تو ایک آدمی ابوتراب نخشبی کہنے لگا: ''اتق اللہ ولا تغتب ''اللہ سے ڈرو اور غیبت نہ کرو۔ امام احمد کے بیٹے عبداللہ فرماتے ہیں کہ امام احمد نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا: ''ویحک هذا نصیحة ولا غيبة ''افسوس ہے تجھ پر یہ نصیحت ہے نہ کہ غیبت۔[2]

جب امام یحیی بن سعید القطان رحمہ اللہ کے بارے میں اہل بصرہ نے جب تبصرہ کیا کہ آدمی تو بہت اچھے ہیں لیکن یہ جو راویوں پر کرتے ہیں یہ کام اچھا نہیں تو انہوں نے فرمایا: مجھے یہ بات گوارہ ہے کہ قیامت کے دن پوچھا جائے کہ تم نے اس کے بارے میں یہ نقد کیوں کیا ہے؟ لیکن یہ سوال گوارا نہیں ہے کہ اللہ تعالی پوچھے کہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بات بیان

[1] معرفة علوم الحديث للحاكم ص:٦. [2] طبقات الحنابلہ لابن ابی یعلی:۲۱۸۳.

کرنے والے نے بات بیان کی اور وہ آدمی قابل اعتبار نہیں تھا اور تم خاموش رہے مجھے اس سوال سے ڈر لگتا ہے کہ اس کا میں کیا جواب دوں گا؟[1]

موجودہ علماء پر جرح کرنا جائز نہیں:

جرح نہ صحابہ کرام پر چلتی ہے اور نہ موجودہ علماء ہی پر۔ صحابہ تمام ثقہ تھے۔ موجودہ علماء پر جرح کرنا فضول کام ہے۔ تمام احادیث کی سندیں کتب میں موجود ہیں، جو حدیث صحیح ہے وہ صحیح ہے موجودہ کسی کم علم اور جاہل مولوی کے بیان کرنے سے وہ ضعیف نہیں ہوگی اور جو روایت ضعیف ہے وہ کسی موجودہ ثقہ محدث کے بیان کرنے سے صحیح نہیں ہوگی۔ جب اسناد کا سلسلہ جاری تھا اور تدوین حدیث کا دور تھا اس وقت رواۃ کی چھان پھٹک ایک مجبوری تھا، اس وقت جرح کی گئی اب اس کی اجازت نہیں ہے۔

مجھے یہ بات برادرم عمر فاروق قدوسی صاحب نے بتائی کہ ایک دفعہ دو علماء اکٹھے ہوئے تو ایک صاحب نے کہا کہ آپ میرے نزدیک ضعیف ہیں، دلیل یہ دی کہ تم غلط واقعات اپنی کتب میں لکھ جاتے ہیں۔ تو دوسرے صاحب نے کہا کہ تم بھی میرے نزدیک ضعیف ہو، کیونکہ آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اپنے حالات لکھ کر مجھے بھیجو گے لیکن آپ نے نہیں بھیجے، لہذا آپ بھی ضعیف ثابت ہوئے!!!

تنبیہ: یہ کوئی عقل مندی نہیں ہے کہ انسان جو جی میں آئے لکھتا رہے، بلکہ کسی بھی فن میں لکھنے سے پہلے اپنے دور کے موجودہ محدثین سے مشورہ کرے اگر وہ اس کام کی تحسین کریں پھر استخارہ کرے پھر لکھے۔ یاد رہے کہ لکھنا بھی عمل ہے اس کا روز قیامت حساب ہوگا۔ سوچ سمجھ کر لکھنا چاہیے تا کہ دنیا و آخرت میں سرخرو ہو سکیں۔ اعتراض: بعض شیوخ طلبہ کو اجازۃ الروایۃ دیتے ہیں، یہ پھر کیوں دی جاتی ہے؟ جواب: یہ باعث اعزاز دی جاتی ہے جس سے طلبہ کی نسبت محدثین کے ساتھ ملانا مقصود ہوتا ہے، اس اجازۃ الروایۃ کا حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے میں کچھ کردار نہیں ہو سکتا۔

[1]شرح العلل لابن رجب:۴۶۶-۱.

مثلا ایک فاسق و فاجر استاد طلبہ کو صحیح بخاری کی اجازۃ الروایۃ دے تو کیا اس کی وجہ سے صحیح بخاری کی احادیث ضعیف ہوں گی؟ یا اگر کوئی موجودہ بہت بڑا محدث سنن ابن ماجہ کی اجازت دے تو کیا اس کی اجازت کی سند کی وجہ سے اس کتاب کی ضعیف اور جھوٹی روایات صحیح ہو جائیں گے ؟؟ نہیں ہر گز نہیں۔ موجودہ علماء پر جرح کرنا ایک عبث اور بے کار کام ہے۔ جرح کرنے والا دوسروں کے عیوب کو چاک کر رہا ہے، حالانکہ ہمیں "من ستر مسلما ستر ہ اللہ" کا حکم ہے۔ محدثین بھی اس پر عمل پیرا تھے لیکن جب کوئی ضعیف یا کذاب راوی جھوٹی اور بے بنیاد روایات بیان کرتا تھا تو اس پر فوراجرح کرتے تھے اور لوگوں کو اس سے متنبہ کرتے تھے۔ اعتراض: مرزا قادیانی پر تمام علماء نے جرح کی اور اس کو کافر قرار دیا، یہ کیوں ہوا؟ جبکہ معلوم ہے کہ مرزا قادیانی کسی حدیث کا راوی بھی نہیں؟ جواب: مرزا قادیانی کے نظریات کفریہ تھے وہ اپنے آپ کو نبی کہہ رہا تھا اس طرح کے خبیث اور گمراہ لوگوں کے عقائد و نظریات سے لوگوں کو واقف کرنا ضروری ہوتا ہے تاکہ لوگ اس کے خطرناک نظریات سے محفوظ رہیں۔ اس میں دین کا دفاع ہے اور مسلمانوں کے اسلام و ایمان کی حفاظت ہے۔ اعتراض: موجودہ اگر کوئی بڑا عالم ہو تو آپ کہتے ہیں کہ بہت بڑا محدث ہے، پھر آپ یہ کیوں کہتے ہیں؟ جواب: اگر کوئی واقعی محدث ہو تو اس کو محدث کہنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس کو محدث کہنے سے کسی سند پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا کیونکہ وہ کسی روایت کا راوی نہیں۔

شروطِ جارح و معدل:

جرح و تعدیل ہر کسی کے بس کی بات نہیں اور نہ ہی ہر کسی کو اجازت ہے۔ جرح و تعدیل کے ماہر میں درج ذیل شروط کا پایا جانا ضروری ہے:

۱: وہ متقی، دیانت دار، سچا اور تعصب و تنگ نظری سے پاک ہو۔

۲: اسبابِ جرح و تعدیل سے بخوبی واقف ہو۔

۳: عربی زبان کا ماہر ہو، تاکہ علماء کے اقوال کو اچھی طرح سمجھ سکے۔

جرح و تعدیل میں تعارض اور اس کا حل

۱: جس راوی کی توثیق پر تمام محدثین کا اتفاق ہو وہ ثقہ ہے۔

۲: جس راوی کے ضعیف ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہو وہ ضعیف ہے۔ جس راوی کو بعض نے ثقہ کہا اور بعض نے ضعیف کہا، وہ مختلف فیہ راوی ہے اس میں راجح معلوم کرنے کے لیے ہمیں درج ذیل باتوں کو مد نظر رکھنا ہو گا:

۱: جرح مفسر ہمیشہ تعدیل مبہم پر مقدم ہو گی، کیونکہ جرح کرنے والے کے پاس دلیل موجود ہے۔ جرح مفسر کے الفاظ درج ذیل ہیں: صدوق یھم، سیء الحفظ، فاحش الغلط، منکر الحدیث، مضطرب الحدیث، متروک۔

۲: تعدیل مفسر ہمیشہ جرح مبہم پر مقدم ہو گی۔

۳: اگر جرح مفسر اور تعدیل بھی مفسر یا جرح مبہم اور تعدیل بھی مبہم ہو تو ان دونوں صورتوں میں جرح مقدم ہو گی۔

۴: ائمہ جرح و تعدیل دیکھے جائیں کہ جرح کرنے والے متشدد تو نہیں اور توثیق کرنے والے متساہل ہیں یا معتدل۔ متشدد کی توثیق بہت اہمیت رکھتی ہے اور متشدد کی جرح دوسرے محدثین کے اقوال دیکھے بغیر نہیں لینی چاہیے۔ متساہل کی توثیق سے دور رہنا چاہیے۔

تنبیہ: بعض لوگوں کا قول" جس پر اختلاف ہو اور تطبیق و توفیق ممکن نہ ہو تو ہمیشہ محدثین کی اکثریت کو ترجیح دی جاتی ہے "یہ بات درست نہیں ہے۔ اگر کسی راوی پر ایک ہی امام کے اقوال میں تعارض ہو مثلاً ایک ہی راوی کو ایک محدث نے ثقہ کہا اور اسی محدث نے انھیں ضعیف بھی کہا تو اس صورت میں بعد والا قول لیا جائے گا۔ اگر تاریخ کے ذریعے بعد والے قول کا تعین ہو جائے تو پہلے قول کو منسوخ اور دوسرے کو ناسخ سمجھا جائے گا۔[1]

لیکن اگر تاریخ کا تعین نہ ہو سکے اور یہ تعین بھی نہ ہو کہ پہلے والا قول کونسا ہے؟ تو پھر درج ذیل قواعد پر عمل کیا جائے گا:

پہلا قاعدہ: دونوں اقوال پر غور کر کے جمع و تطبیق دی جائے گی، مثلاً ضعف کی قسموں پر غور کریں گے کہ وہ ضعف نسبی ہے یا مطلق؟

دوسرا قاعدہ: اگر دونوں اقوال میں تطبیق ممکن نہ ہو تو قرائن کی بنیاد پر ایک قول کو دوسرے پر ترجیح دی جائے گا۔ قرائن کی مختلف قسمیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ان دونوں اقوال میں اس قول کو لیا جائے گا جس کو نقل کرنے والا اپنے شیخ کے ساتھ زیادہ عرصہ رہا ہے مثلاً عباس الدوری نے امام ابن معین کے ساتھ بہت لمبا وقت گزارا۔ یا زیادہ معتبر راوی کے قول کو لیا جائے گا۔

تیسرا قاعدہ: تعدیل کو ترجیح دی جائے گی اور جرح کو کسی مخصوص امر پر محمول کیا جائے گا۔

چوتھا قاعدہ: بسا اوقات ثقہ سے مراد تعدیل کی گواہی ہوتی ہے کہ یہ راوی کذاب یا متہم نہیں ہے اور ضعیف سے مراد ضبط ہوتا ہے یعنی اس کا ضبط درست نہیں ہے۔[1]

سوال: متشدد ضعیف کہے اور متساہل ثقہ تو کس کی بات لی جائے گی؟

جواب: متشدد کے مقابلے میں متساہل ہو تو متشدد کی بات لی جائے گی۔[2]

سوال: کیا متشددین، معتدلیل اور متساہلین کی درجہ بندی قبول کی جائے گی؟

جواب: جی ہاں۔ جو اس درجہ بندی کا اعتبار نہیں کرتا وہ بہت بڑی غلطی پر ہے۔

سوال: متشدد کسی کو کہے ثقہ اور معتدل کہے ضعیف تو؟

جواب: اس موقع پر حافظ ابن حجر راوی کو صدوق کہتے ہیں۔[3]

سوال: جرح مفسر کیا ہمیشہ مقدم ہو گی؟

جواب: جی ہاں، کیونکہ جارح کے پاس اضافی علم ہوتا ہے۔[1]

مراتب جرح وتعدیل:

ہر دور میں جرح وتعدیل کے مراتب مقرر کیے گئے ہیں۔ حافظ ابن حجر نے انہیں تقریب التھذیب (ص:۹۔۱۰) کے مقدمے میں احسن طریقے سے بیان کیے ہیں وہ بعض مزید فوائد کے ساتھ درج ذیل ہیں۔ تعدیل کے چھ مراتب ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ اوثق الناس: توثیقِ راوی کے لیے ایسے لفظ کا استعمال جو انتہائی اعلی ہو یا افعل التفضیل ہو، یعنی افعل کے وزن پر وہ لفظ آئے جیسے اوثق الناس۔ لوگوں میں سے سب سے زیادہ ثقہ انسان۔ اضبط الناس: سب سے زیادہ ضابط، فلان الیه المنتھی فی التثبت۔ فلاں راوی پر ثقاہت ختم ہے۔ یہ الفاظ راوی کی تعدیل کے اعلی معیار کی دلیل ہیں۔ ان سے ملتے جلتے یہ الفاظ بھی ہیں۔ فلان لا یسأل عنه۔ فلاں کے بارے میں پوچھا ہی نہیں جاسکتا یا فلان لایسأل عن مثله۔ فلاں جیسے کے بارے میں پوچھا نہیں جاسکتا۔

۲۔ ثقۃ ثقۃ: توثیق کے الفاظ کو دوبار کہنا مزید توثیق کے لیے جیسے: ثقة ثقة یا ثقة ثبت۔

۳۔ ثقۃ، حجۃ: ایسا توثیقی لفظ جو عدالت وضبط دونوں کی گواہی دے رہا ہو مگر اس میں تاکید نہ ہو جیسے ثقۃ یا حجۃ وغیرہ۔ امام ابن معین اگر کسی راوی کے بارے میں لا بأس بہ کہیں تو طے شدہ امر ہے کہ وہ ان کے نزدیک ثقہ ہے۔

۴: صدوق: ایسے الفاظ جو راوی کی تعدیل تو کریں لیکن اس کے مکمل ضبط کی شہادت نہ دیں۔ جیسے صدوق، مامون، لا بأس بہ، صدوق ان شاء اللہ یا محلہ الصدق وغیرہ۔ اس کی حدیث حسن کہلاتی ہے۔ ایسے راوی کا ضبط کچھ خفیف ہوتا ہے۔

[1] اتحاف النبیل: ۲۵۲-۱-۲۵۳.

۵۔ فلان شیخ: ایسے الفاظ جس میں راوی کی توثیق معلوم ہو نہ تجریح۔ جیسے فلان شیخ یا روی عنہ الناس۔ ان دو (۴،۵) مرتبے کے راویوں کو بطور اعتبار لیا جاتا ہے۔

۶۔ صالح الحدیث: وہ لفظ جو تعدیل کی بجائے جرح کے قریب ہونے کا معنی محسوس کرائے جیسے: صالح الحدیث، یا یکتب حدیث یا صویلح۔

یکتب حدیثه کے الفاظ توثیق میں شمار ہوتے ہیں۔[1]

جرح کے بھی چھ مراتب ہیں جن کے الفاظ کی ترتیب درج ذیل ہے:

۱۔**فيه مقال**: ایسے الفاظ جرح جن میں نرمی ہو، یہ ضعف کی انتہائی ہلکی مگر تعدیل کے قرب کی صورت ہے جیسے:فیہ مقال۔اس میں کلام ہے۔یا **فلان لين الحديث**۔ فلاں حدیث میں نرم ہے۔یا غیرہ اوثق منہ۔دوسرا اس سے زیادہ ثقہ ہے۔متابعت یا شاہد میں اسے تسلیم کیا جاتا ہے اگر منفرد ہو تو پھر نہیں۔تنبیہ: بعض "لین الحدیث "کا معنی کرتے ہیں کہ " حدیث میں وہ ضعیف ہے" حالانکہ اصطلاحا لین الحدیث کے یہ معنی قطعا نہیں۔حافظ ابن حجر نے تقریب التہذیب کے مقدمہ میں الفاظِ جرح و تعدیل کے مراتب بیان کرتے ہوئے لین الحدیث کو چھٹے اور ضعیف کو آٹھویں مرتبے میں ذکر کیا ہے۔حافظ ابن حجر کی یہ تفریق خود اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک لین الحدیث راوی ضعیف کے مرتبہ کا نہیں ہوتا۔[2]

۲۔فلان لا یکتب حدیث: ایسے الفاظ جو راوی کی عدم کتابتِ حدیث کی صراحت کریں جیسے:فلان لا یکتب حدیثہ۔فلان سے حدیث نہیں لکھی جاتی۔یا **لا تحل الرواية عنه**۔فلان سے روایت جائز نہیں۔یاواہ بمرۃ۔وہ تو بہت ہی واہی ہے۔

[1]توضیح الکلام ص:۲۱۹. [2] نیز دیکھیں(الجرح و التعدیل:۱۳۷،میزان الاعتدال:۱۳،مولانا سرفراز صفدر اپنی کتب کے آئینے میں ص:۳۷-۳۸)

۳:**ردوا حديثه**: ایسے الفاظ جن میں راوی کے ناقابل حجت ہونے کی صراحت ہو یا اس سے ملتے جلتے الفاظ ہوں جن سے راوی کا شدید ضعف سامنے آتا ہو۔جیسے **ردوا حديثه**۔اس کی حدیث علماء نے رد کر دی۔**ضعيف جدا**:بہت ہی ضعیف۔یا **له مناكير**۔اس کی کئی ایک منکر روایات ہیں۔

۴:**متهم بالكذب**: وہ الفاظ جن کے ذریعے علمائے نقد نے راوی پر جھوٹ بولنے کا الزام لگایا جیسے :**متهم بالكذب**: جھوٹ میں وہ متہم ہے۔اتہموہ:اسے علماء نے متہم کہا ہے۔**يسرق الحديث**:وہ حدیث چوری کرتا ہے۔یا **ساقط الحديث، متروك، ليس بثقة** وغیرہ۔

۵:کذاب: ایسے الفاظ جو راوی کے جھوٹا ہونے کو مبالغے کی حد تک بتاتے ہوں جیسے:کذاب۔بہت ہی زیادہ جھوٹا، وضاع، بہت ہی زیادہ گھڑنے والا۔یضع الحدیث:وہ حدیث گھڑتا ہے۔یا دجال:سب سے زیادہ دھوکہ دینے والا۔

۶۔**أكذب الناس**: وہ الفاظ جو راوی کے عادۃ جھوٹا ہونے کے بارے میں آگاہ کریں۔یہ جرح کی انتہائی اعلی قسم ہے جیسے:**أكذب الناس**:لوگوں میں سے سب سے زیادہ جھوٹا۔رکن الکذب: جھوٹ کا ستون۔یا **اليه المنتهى في الكذب**۔جھوٹ کی انتہا اس تک ہے۔ معمولی جرح: جس ثقہ یا صدوق راوی پر معمولی جرح یعنی " یہم،لہ اوہام، یخطیء "وغیرہ ہو تو اس کی منفرد حدیث حسن ہوتی ہے بشرطیکہ ثقات کے مخالف نہ ہو۔جو **كثير الغلط، كثير الخطأ** اور **كثير الاوهام، سيء الحفظ** وغیرہ ہو اس کی منفرد حدیث ضعیف ہوتی ہے۔**ثبت بسكون الباء** اور **ثبت بفتح الباء** میں فرق: بسکون الباء سے مراد وہ لقب ہے جو تعدیل کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔دل، زبان اور کتاب کو محفوظ رکھنے والے شخص کو ثبت کہتے ہیں اور بفتح الباء سے مراد وہ کتاب ہے جس میں محدث اپنی روایات اور اپنے ساتھ سننے والے راوی کے نام محفوظ رکھتا ہے۔[1] اً ثبت سے مراد: ثبت الحفظ اور ثبت الضبط دونوں مراد ہیں، جس طرح امام ابن معین نے کہا ہے۔[2]

ثقہ سے بھی یہی عادل اور ضبط دونوں مراد ہیں۔مقبول رواۃ کا سب سے اعلی مرتبہ یہی ہے۔جس طرح ابن الصلاح نے کہا۔

[3] لفظ رضا بھی ثقہ اور عدل کے قائم مقام ہے۔ الجرح والتعدیل میں بہت زیادہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ بعض لفظ رضا کو رضیا لکھتے ہیں جو کہ غلط ہے۔ لہ اوہام ثقہ کا مرتبہ نہیں گراتا۔

ثقہ ان شاء اللہ: سے مراد کہ محدث اس راوی کو اچھی طرح نہیں جانتا یا اس کو اس کی توثیق میں شک ہے۔[4]

متروک الحدیث: اس سے مراد وہ راوی ہے جو متہم بالکذب ہو، جس کے غلطیاں زیادہ ہوں، جیسا کہ امام شعبہ نے کہا ہے۔[5]

ترکہ فلان: یعنی محدث نے اس سے لکھنا چھوڑ دیا تھا۔ یہاں اصطلاحی متروک مراد لینا درست نہیں ہے۔ متروک اور متروک الحدیث ایک ہی ہیں۔ دجال، وضاع، کذاب، یضع الحدیث سخت ترین جرح ہے۔ لیس بشیء: کسی کی مذمت میں مجاز اور مبالغہ مراد ہوتا ہے جس طرح ابن حجر نے کہا ہے۔[6] اس کی بات صحیح نہیں ہے کہ اس پر اعتماد کیا جائے جس طرح خطابی نے کہا[7] بعض دفعہ لیس بشیء سے مراد ہوتی ہے کہ وہ حق پر نہیں ہے، جیسا کہ امام بخاری نے صحیح البخاری

[1]شرح الالفیۃ:۱۵۷. [2] تہذیب التہذیب:۵۲۶۰. [3] مقدمہ ابن الصلاح ص:۱۱۴. [4] لسان المیزان:۴۲۷. [5] شرح الالفیۃ للسخاوی ص۱۶۰-۱۶۱. [6] فتح الباری:۱۳ ۲۴۰-۲۴۱ [7] فتح الباری:۱۰۴۹۱.

(قبل ح:۵۸۵۹) میں کہا ہے۔ یعرف وینکر سے مراد ہے کہ کبھی وہ صحیح احادیث بیان کرتا ہے کبھی ضعیف بیان کرتا ہے۔ لایحتج بہ: ایسے راوی کو کہا جاتا ہے جب اس کی احادیث میں کثرت سے غلطیاں واقع ہوں اس کے حافظے اور ضبط کے خراب ہونے کی وجہ سے۔ امام ابن ابی حاتم نے اپنے والد سے پوچھا کہ لایحتج بہ سے کیا مراد ہے؟ تو انہوں نے کہا: کچھ ایسے راوی تھے جو احادیث یاد نہیں کرتے تھے اور جن احادیث کو یاد نہیں کرتے تھے انھیں بیان کرتے تھے اور غلطیاں کرتے تھے۔ آپ جب چاہیں ان کی احادیث میں اضطراب دیکھ سکتے ہیں۔[1] اس پر امام ابن تیمیہ نے تنقید کی اور کہا کہ امام ابن معین چونکہ بہت سخت ہیں، اس لیے انہوں نے یہ الفاظ تو صحیح بخاری کے رواۃ پر بھی استعمال کیے ہیں۔(۲۴/۳۴۹، ۳۵۰) یہ سچ ہے کہ ابوحاتم کم ہی لوگوں کی تعریف کرتے تھے۔

شیخ: نہ جرح ہے نہ تعدیل جس طرح ذہبی نے کہا۔[2] ابن قطان نے شیخ سے مراد لیا ہے کہ وہ اہل علم نہیں تھے بلکہ صاحبِ روایت تھے۔[3] امام ابوحاتم نے ایک راوی کے بارے میں کہا: شیخ لیس بمتقن۔ اور احمد بن حنبل نے ایک راوی کو شیخ کہا اور اس کو کمزور بھی کہا۔[4]

[1]الجرح والتعدیل:۱۱۳۳. [2] میزان:۲۱۹. [3] کذا فی نصب الرایہ:۴۲۳۳. [4] ترتیب المدارک لقاضی عیاض:۳۱۷.

کیا راوی پر جرح کرنا غیبت کے زمرے میں آتا ہے؟ بعض نیک حضرات نے یہاں تک کہا کہ یہ محدثین کا جرح کرنا غیبت ہے، یہ نہیں ہونی چاہئے۔ امام ابن ابی یعلی رحمہ اللہ نے طبقات حنابلہ میں ذکر کیا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کے پاس ابوتراب نخشبی[2] آئے اور امام صاحب کی مجلس میں بیٹھ گئے اور ان کی مجلس میں احادیث کا ذکر ہو رہا تھا اور امام صاحب حدیث کے راویوں پر نقد و جرح بھی کر رہے تھے، کہ یہ ثقہ ہے اور یہ ضعیف ہے۔ ابوتراب النخشبی کہنے لگے:" لا اتق اللہ ولا تغتب" یعنی: " اللہ سے ڈرو اور غیبت نہ کرو" امام احمد کے فرزند عبداللہ فرماتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا: "ویحک ھذا نصیحۃ ولا غیبۃ" یعنی: "یہ خیر خواہی ہے غیبت نہیں ہے۔" [3]

[1]لسان العرب :۳/۵۲۱، دار الکتب العلمیۃ بیروت [2] ابو تراب العسکر بن الحصین النخشبی الصوفی [3] طبقات حنابلہ لابن ابی یعلیٰ : ۲/۱۸۳، مکتبۃ العبیکان ، شرح العلل لابن رجب۱/۴۶،

بلکہ امام یحی بن سعید القطان رحمہ اللہ کا بھی بڑا عجیب واقعہ ہے۔(یہ بصری ہیں اور یحی بن سعید الانصاری رحمہ اللہ مدنی ہیں۔) یحی بن سعید القطان رحمہ اللہ جب آخری ایام میں تھے ان کے پاس ابو بکر الخلاد رحمہ اللہ آئے، یحی بن سعید القطان رحمہ اللہ نے ان سے پوچھ لیا کہ اہل بصرہ میرے بارے میں کیا خیال رکھتے ہیں؟ (کہ معلوم ہو جائے کہ وہ کیا خیال رکھتے ہیں؟ ان کی میرے بارے میں کیا شہادت ہے؟) انہوں نے جواب دیا: اہل بصرہ کہتے ہیں کہ آدمی تو بہت اچھے ہیں لیکن یہ جو راویوں پر جرح کرتے ہیں یہ کام اچھا نہیں ہے۔(یعنی سب خوبیوں کے اعتراف کے بعد آپ کی جرح و تعدیل کے عمل کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے) امام یحی بن سعید القطان رحمہ اللہ نے فرمایا:"مجھے یہ بات گوارا ہے کہ قیامت کے دن پوچھا جائے کہ تم نے اس کے بارے میں یہ نقد کیوں کیا ہے؟ لیکن یہ سوال گوارا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ پوچھے کہ میرے نبی ﷺ کی طرف بات بیان کرنے والے نے بات بیان کی اور وہ آدمی قابل اعتبار نہیں تھا اور تم خاموش رہے مجھے اس سوال سے خوف آتا ہے کہ اس کا، میں کیا جواب دوں گا؟؟[1]

بہر حال بعض نیک حضرات نے اسے غیبت بھی سمجھا ہے، لیکن یہ غیبت نہیں ہے بلکہ دین کی خدمت اور احادیث رسول ﷺ کی حفاظت کا ایک ذریعہ ہے۔

عدالت:

لغوی[1] **معنی:** ''العدالة العدل من الناس''

شرح العلل لابن رجب: ١/٤٦٦، تراجم اعيان الحفاظ. عبارته:'' دخلت على يحيى بن سعيد في مرضه. فقال لي: يا أبا بكر. ما تركت أهل البصرة يتكلمون؟ قلت: يذكرون خيرا. إلا أنهم يخافون عليك من كلامك في الناس. فقال: احفظ عني. لأن يكون خصمي (في الآخرة) رجل من عرض الناس أحب إلي من أن يكون خصمي في الآخرة النبي صلى الله عليه وسلم يقول: بلغك عني حديث وقع في وهمك أنه عني غير صحيح. يعني فلم تنكر.' اور الكامل فی الضعفاء کے مقدمہ میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے۔

یعنی: "وہ شخص جو قابل اعتبار ہو"جس کے اعمال و اخلاق پسندیدہ ہوں اس کو لغت میں عدل کہتے ہیں۔ اصطلاحاً: مسلم، بالغ عاقل، سالم من اسباب الفسق بری عادات سے جو خلاف مروت ہیں آداب اسلامی کے خلاف ہیں ان سے اجتناب کرنے والا ہو۔

عدالت کی شرط راوی کی قبولِ روایت کے لئے ہے، یا بیانِ روایت کے لئے؟؟

یہاں یہ بھی سمجھیں کہ یہ جو شرط عائد کی ہے کہ عادل ہو یعنی مسلم ہو، بالغ ہو اور فسق سے بچا ہوا ہو اور خوارم مروت سے بچا ہوا ہو، یہ شرط راوی کے روایت لینے میں ہے یا روایت بیان کرنے میں ہے،؟؟ صحیح بات یہ ہے کہ لینے کے لئے یہ شرائط نہیں ہے بلکہ حدیث بیان کرنے کے لئے یہ شرائط ہیں کہ جو حدیث بیان کر رہا ہو وہ بالغ، عاقل، سالم من الفسق اور اخلاق اس کے درست ہوں، اب دیکھئے!

نابالغ کی روایت قابل قبول ہے۔

غیر مسلم بعد میں مسلمان ہو گیا تو اب وہ اس وقت کی حکایت بیان کرتا ہے تو اگر مسلمان نہ ہو تو اس کی کوئی روایت قابل نہیں ہے اور اسلام لانے کے بعد وہ عمل حکایت کر دیا تو وہ حدیث بن گیا، لہذا یہ شرط روایت بیان کرنے کے لئے ہے۔ فسق سے مراد: وہ کبیرہ کا مرتکب نہ ہو اور صغیرہ

پر اصرار نہ ہو اس لئے کہ صغیرہ کا اصرار اسے کبیرہ بنادیتا ہے۔ بہت سی سنتوں کا استخفاف اسی لئے ہو رہا ہے کہ وہ سنت ہی تو ہے تو صرف سنت کہہ کر لوگ بے وقعتی اختیار کئے ہوئے ہیں حالانکہ یہ مسلسل دوری اسے کبیرہ گناہ بنادیتی ہے۔ تو عدالت کے لئے یہ چیز شرط ہے۔

فسق کی اقسام: فسق کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ اعتقادی جس کا تعلق بدعات سے ہے۔ (اس کی مزید قسمیں آگے آرہی ہیں)

۲۔ **عملی:** محدثین نے تقسیمِ فسق میں بڑی باریک بینی اور انصاف پر مبنی فیصلہ فرمایا ہے کہ بدعتی بھی فاسق اور معصیت کا مرتکب بھی فاسق، مگر محدثین دونوں کی روایت میں فرق کرتے ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ جس نے بدعت اختیار کی ہے اس نے نیکی سمجھ کر اس کو اختیار کیا ہے، لیکن اس میں اس کو غلط فہمی ہوئی اور خطاء لگی ہے۔ لیکن جو عملی فسق ہے وہ نافرمانی کا مرتکب ہے، البتہ ایسی بدعت جو حدِ کفر تک پہنچ جاتی ہے اس کی روایت بالکل قابل قبول نہیں ہے۔

بدعت کی اقسام:

بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ ا۔ بدعت مکفرہ ۲۔ بدعت مفسقہ

بدعت مکفرہ:

ایسی بدعت کہ جس کے نتیجے میں کفر لازم آتا ہے تو ایسے راوی کی روایت قابل قبول نہیں ہے اس لئے کہ عدالت کی شرط مسلم والی ختم ہو جاتی ہے۔

بدعت مفسقہ:

ایسی بدعت جو حد کفر تک نہیں پہنچتی اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ داعی الی البدعۃ نہیں اور وہ روایت اس کی بدعت کی تائید میں نہیں تو پھر اس کی روایت کو لے لیا جائے۔ بعض نے کہا ہے بدعتی اگر بدعت مکفرہ کا مرتکب نہیں وہ داعی الی البدعہ ہی کیوں نہ ہو اس کی روایت قبول کی جائے گی۔ بدعتی اور فاسقِ عملی کے بارے میں یہ تفریق ہمیں ملحوظ رکھنی چاہئے۔

یہی وجہ ہے کہ بہت سے راوی مرجی ہیں، خارجی ہیں، رافضی ہیں، معتزلی ہیں، قدری ہیں۔ لیکن ان کی روایات صحاح ستہ میں، کتب احادیث میں موجود ہیں۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلاف نے ان کی اس چیز کو حدِ کفر تک نہیں سمجھا۔ لیکن وہ لوگ جو مثلاً قرآن مجید کی تحریف کے قائل ہیں، اب جب ان کے عقیدے کے مطابق قرآن ہی محفوظ نہیں، ان کا اسلام اور ایمان بھی مشکوک ہو کر رہ جاتا ہے۔ گویا کہ اسلام کے لئے ضروری ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہؐ کا اقرار کیا جائے، نبی ﷺ نے یہی کلمہ بتادیا تھا اب کوئی کہے اس میں تیسری شہادت کا مزید اضافہ ہے۔ اب ساری امت درست ہے یا وہ جو یہ کہہ رہا ہے کہ تیسری شہادت بھی کلمہ کا حصہ ہے اور ایمان کے لئے ضروری ہے، دونوں درست تو نہیں ہو سکتے، تو یہ لوازماتِ دین کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

ثبوت عدالت

معروف العدالۃ شخص کے بارے میں منفرد جرح کا حکم:

کچھ ایسے نفوس قدسیہ موجود ہیں جن کی تحسین و توثیق بالکل مبرہن ہے سورج اور چاند کی طرح روشن ہے اب ان کے اوپر جو حرف گیری کرتا ہے اس کی حرف گیری کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ جس کی عدالت ثابت ہے اور اس کی عدالت کے بارے میں اقوال معروف ہیں، اب کوئی گھسا پٹا یا کوئی منفرد قول اس کی تجریح کے بارے میں ہے تو وہ قابل قبول نہیں ہوگا۔ مثال کے طور پر ابن ابی ذئب ہیں اور ان کے مقابلے میں امام مالک رحمہ اللہ ہیں۔ اب ابن ابی ذئب کا تبصرہ امام مالک رحمہ اللہ کے بارے میں موجود ہے۔[1] حالانکہ امام مالک کا مقام کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ اب ابن ابی ذئب اگر کچھ باتیں کہتے ہیں، اس سے امام مالک رحمہ اللہ کا کچھ نہیں بگڑے گا۔

[1] ابن ابی ذئب کا نام محمد بن عبد الرحمن العامري ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ ان کا ترجمہ قائم کرتے ہوئے ''الإمام، شيخ الإسلام، الفقيه'' جیسے القاب استعمال فرماتے ہیں، نیز فرماتے ہیں وكان من اوعية العلم، ثقة، فاضلاً، قوالاً بالحق، مهيباً۔ ان کے اساتذہ میں عکرمہ، شرحبیل، شعبہ، زہری جیسی شخصیات ہیں اور تلامذہ میں ابن المبارک، یحی بن سعید القطان، وکیع اور آدم بن ابی ایاس رحمهم اللہ جسی شخصیات ہیں۔ استاد محترم حفظہ اللہ یہاں جس تبصرے کی طرف اشارہ کررہے ہیں، یہ تبصرہ سیر اعلام النبلاء میں موجود ہے، چنانچہ حافظ ذہبی نے امام احمد رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے، ''ابن ابی ذئب تک یہ بات پہنچی کہ امام مالک رحمہ اللہ ایک حدیث [البيعان بالخيار مالم يتفرقا] (صحیح بخاری: ۲۱۰۹) قبول نہیں کرتے، ابن ابی ذئب نے جواب دیا: ''يستتاب، فإن تاب، وإلا ضربت عنقه'' یعنی ان سے توبہ کروائی جائے گی اگر وہ توبہ کرلیں تو ٹھیک، ورنہ ان کی گردن اڑادی جائے گی، پھر امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن ابی ذئب، امام مالک سے زیادہ ورع اور حق کہنے والے تھے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ امام احمد کے اس قول کے بعد امام مالک رحمہ اللہ کا بھرپور دفاع کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''لو كان ورعا كما ينبغي، لما قال هذا الكلام القبيح في حق إمام عظيم'' یعنی اگر وہ ورع والے ہوتے جیسا کہ ان کو لائق تھا تو وہ اتنے بڑے امام کے بارے میں ہرگز ایسا قبیح کلام نہیں کرتے۔ پھر دفاع کرتے ہوئے فرماتے ہیں: امام مالک رحمہ اللہ نے ظاہر حدیث پر اس لئے عمل نہیں کیا ہوگا کہ وہ اس کو منسوخ سمجھتے ہوں گے۔ دوسرا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں، کہ اس حوالے سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اس حدیث پر عمل کیا ہے حتی یتفرقا کو انہوں نے تفرق بالتلفظ پر محمول کیا، (یعنی کلام مکمل ہوجائے) تو امام مالک کے لئے اس حدیث اور تمام احادیث پر اجر ہے، اگر وہ کسی مسئلہ میں صائب الرائے ہوں تو اجر مزید بڑھ جاتا ہے۔ اور خطاء پر تلوار کو جائز سمجھنا تو حروریہ (خارجیوں) کا مؤقف ہے۔ تیسرا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں: ''ولم يسندها الإمام أحمد، فلعلها لم تصح'' امام احمد نے اس کی سند پیش نہیں کی، ممکن ہے کہ یہ واقعہ ہی صحیح ثابت نہ ہو۔ بہرحال حافظ ذہبی کے ان بعض اقتباسات سے واضح ہوچکا ہے کہ اس تبصرے کی کیا حیثیت ہے، لہذا حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے یہی فیصلہ دیا: ''فلا نقصت جلالة مالك بقول ابن أبي ذئب فيه، ولا ضعف العلماء ابن أبي ذئب بمقالته هذه، بل هما عالما المدينة في زمانهما'' یعنی ابن ابی ذئب کی جرح سے امام مالک کی جلالت میں کوئی نقص نہیں آئے گا اور نہ ہی ابن ابی ذئب کے اس قول کی وجہ سے علماء نے ان پر جرح کی ہے بلکہ یہ دونوں اپنے دور کے مدینہ کے عالم تھے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۷/۱۴۱، مؤسسۃ الرسالہ)

اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ کے بارے میں یحی بن معین رحمہ اللہ نے نقد کیا ہے۔[1] لیکن یحی بن معین رحمہ اللہ کا یہ قول امام شافعی رحمہ اللہ کی عظمت کو کمزور نہیں کرتا۔

[1] انہوں نے امام شافعی کے بارے میں لیس بثقۃ کہا۔ (جامع بيان العلم: ۲/۱۱۱۴، باب حكم قول العلماء بعضهم فی بعض) ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ امام احمد سے یہ کہا گیا کہ یحی بن معین امام شافعی کے بارے میں کلام کرتے ہیں، تو امام احمد رحمہ اللہ نے جواب دیا: ''ومن أين يعرف يحيى الشافعي هو لا يعرف الشافعي ولا يعرف ما يقول الشافعي؟'' یعنی یحی، امام شافعی کو کیسے جانتے ہیں؟ وہ امام شافعی کو نہیں جانتے اور نہ ہی وہ یہ جانتے ہیں کہ امام شافعی کیا کہتے ہیں؟ اس کے بعد امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ امام احمد کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہیں: ''صدق أحمد بن حنبل رحمه الله، إن ابن معين كان لا يعرف ما يقول الشافعي رحمه الله'' یعنی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے سچ فرمایا امام ابن معین رحمہ اللہ امام شافعی کے مؤقفات کو نہیں جانتے تھے۔

آپ حیران ہوں گے کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے یہاں حد سے تجاوز کیا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے امام یحی بن معین رحمہ اللہ کے بارے میں کہہ دیا کہ وہ غالی حنفی تھے، اس لئے انہوں نے امام شافعی رحمہ اللہ پر نقد کیا ہے[1] لیکن حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا یہ نقد بھی غلط ہے۔ کیونکہ اگر آپ یحی بن معین رحمہ اللہ کے فقہی اقوال دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا یحی بن معین رحمہ اللہ کے بارے میں یہ تبصرہ صحیح نہیں ہے۔[2]

[1]امام ذہبی رحمہ اللہ نے یہ بات ''الرواۃ الثقات المتکلم فیھم بما لا یوجب ردھم'' میں کھی ہے۔ چنانچہ کتاب کے مقدمہ میں امام شافعی پر امام ابن معین کی طرف سے کی جانے والی جرح اور ابن معین کے بارے ابن عبدالبر کا قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: [قال المؤلف رحمہ اللہ تعالی وکلامہ یعني ابن معین في الشافعي لیس من هذا اللفظ الذي کان عن اجتهاد وإنما هذا من فلتات اللسان بالهوی والعصبیة فإن ابن معین کان من الحنفیة الغلاة في مذهبه وإن کان محدثا] (الرواۃ الثقات : صفحہ نمبر 30 طبع دار البشائر)جہاں تک امام ابن معین کے غالی حنفی ہونے کی بات ہے تو یہ غلط ہے، جیسا کہ ان کے فقہی اقوال سے واضح ہو جائے گا جسے ہم آگے درج کررہے ہیں، یہاں صرف یہ بیان کرتے ہیں کہ امام ابن معین سے امام ابو حنیفہ کے بارے میں بھی جرح ملتی ہے، دیکھئے :(تاریخ بغداد: ۱۳/۴۲۲، الضعفاء العقیلی :۴/۱۴۱۲، الکامل لابن عدی:۸/۲۳۶) اگر وہ غالی حنفی ہوتے اور ایسے ہوتے کہ اسی بناء پر امام شافعی پر جرح کرجائیں تو وہ قطعاً امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر جرح نہ کرتے۔ [2] جہاں تک ان کے فقہی اقوال کا معاملہ ہے ، تو یہ بحث ذرا تفصیل طلب اس کا یہاں محل نہیں ہے۔ ان کا فقہی مسلک قطعاً مقلدانہ نہیں تھا، بعض مسائل میں وہ کسی کی رائے بہتر سمجھتے ہیں۔ تو بعض میں کسی دوسرے کے موافق ہے۔ یہاں ان کے فقہی مسلک کی ایک جھلک کے لئے انتہائی مشہور مسئلہ جو کہ اہل حدیث کے امتیازی مسائل میں گردانا جاتا ہے ، رفع الیدین اور فاتحہ خلف الامام کے بارے میں ابن معین رحمہ اللہ کا مؤقف ملاحظہ فرمائیے: ابن محرز کہتے ہیں : ''سمعت یحیی یقول من قرأ خلف الامام فقد احسن ومن لم یقرأ فصلاتہ جائزۃ (موسوعۃ تاریخ ابن معین :۲/۷۸) یعنی : جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اس نے اچھا کیا، اور جس نے نہ کی اس کی نماز جائز ہے (بقیہ گزشتہ صفحہ)اسی طرح رفع الیدین کے بارے میں بھی ابن محرز کہتے ہیں : ''سمعت یحیی بن معین یقول من رفع فی الصلاۃ فقد احسن ومن لا فلا شیء علیہ'' (موسوعۃ تاریخ ابن معین :۲/۷۸) میں نے یحی ابن معین کو سنا وہ فرمارہے تھے کہ جس نے نماز میں رفع الیدین کیا اس نے اچھا کیا اور جس نے نہ کیا اس نے بھی اچھا کیا۔ بلکہ ابن محرز نے تو یہاں تک کہہ دیا : ''رأیت یحیی بن معین مالا أحصیہ کثرۃ یرفع یدیہ في الصلاۃ اذا افتتح واذا أراد أن یرکع واذا رفع رأسہ من الرکوع'' (موسوعۃ تاریخ ابن معین :۲/۹۶) یعنی :میں نے یحی بن معین کو بکثرت (جسے میں شمار نہیں کرسکتا) دیکھا کہ وہ نماز شروع کرتے وقت ، رکوع کرتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے۔ لہذا اس سے واضح ہے کہ ابن معین قطعاً حنفی نہیں تھے ،بعض مسائل میں اگر ان کی موافقت ہے تو یہ موافقت ایک مجتہد کی حیثیت سے ہے اور صرف موافقت کی حد تک ہے نہ کہ تقلید کی حد تک ۔

بہر حال امام شافعی رحمہ اللہ کے بارے میں امام یحی بن معین رحمہ اللہ کی جرح کا اعتبار نہیں ہو گا۔ امام احمد بن صالح مصری رحمہ اللہ کے بارے میں امام نسائی رحمہ اللہ نے جرح کی،[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تہذیب میں صاف کہا ہے کہ ان کا یہ کلام انہیں مجروح قرار نہیں دیتا۔[2]

[1]یہ امام بخاری کے اساتذہ میں سے ہیں، حافظ ذہبی رحمہ اللہ ان کے بارے میں لکھتے ہیں : ''الإمام الکبیر ، حافظ زمانہ بالدیار المصریة'' بلکہ یہ بھی لکھا : ''وکان أبو جعفر رأسا في هذا الشأن ، قل أن تری العیون مثله ، مع الثقة والبراعة '' اور مام نسائی نے ان کے بارے میں کہا: '' أحمد بن صالح لیس بثقة ولا مأمون ، ترکه محمد بن یحیی ، ورماہ یحیی بن معین بالکذب'' جبکہ ان کے مقابلے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا کلام تو ملاحظہ کر ہی چکے ہیں، مزید امام بخاری، امام عجلی ، ابو حاتم ، احمد بن حنبل ،علي اور ابن نمیر وغیرہ نے توثیق و مدح کی ہے۔ حافظ ذہبی نے ابن عدی ،خطیب بغدادی، مسلمہ بن القاسم سے امام نسائی کے کلام کے حوالے سے احمد بن صالح المصری کا بھرپور دفاع نقل کیا ہے۔ دیکھئے: سیر اعلام النبلاء ۱۲/۱۶۰، مؤسسة الرسالہ [2] تہذیب التہذیب : ۱/۴۳، قال ابن حجر : قلت: وقال الخلیلی: اتفق الحفاظ علی ان کلام النسائی فیه تحامل۔

اسی طرح عکرمہ رحمہ اللہ کے بارے میں امام مالک رحمہ اللہ کا تبصرہ موجود ہے۔[1] تو کیا ان کے قول کی وجہ سے عکرمہ رحمہ اللہ مجروح قرار دیئے گئے ہیں؟؟

بہر حال ان تمام مثالوں کی روشنی میں یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ جن کی عدالت معروف ہو ان کے بارے میں کوئی منفرد قول قابل قبول نہیں ہوتا۔

[1]مقدمہ فتح الباری:۲/۱۱۳۷، الفصل التاسع ، اسماء من طعن فیہ ۔۔ الخ ،معن بن عیسی وغیرہ کہتے ہیں : ''کان مالك لا یری عکرمة ثقة ویأمر أن لا یؤخذ عنه '' یعنی : امام مالک عکرمہ کو ثقہ نہیں سمجھتے تھے اور وہ حکم دیتے تھے کہ ان سے روایت نہ لی جائے۔ اسی طرح ربیع کہتے ہیں کہ امام شافعی نے فرمایا'' و ھو یعنی مالک بن انس سئی الرأی فی عکرمة قال : لا اری لاحد ان یقبل حدیثه ''یعنی: امام مالک کی عکرمہ کے بارے میں رائے اچھی نہیں تھی ، وہ فرماتے تھے کہ میں کسی کے لئے یہ جائز نہیں سمجھتا کہ وہ عکرمہ سے روایت لے۔ یہی دونوں اقوال تہذیب میں بھی موجود ہیں دیکھئے: تہذیب: ۴/۵۵۱، دار الکتب العلمیة

جیسے اصولی مباحث پر اہم نکات پر مشتمل چند فوائد

کیا حافظ ابن حجر کی کتاب طبقات المدلسین فضول ہے؟

جن مدلسین کو طبقہ اولی میں داخل کیا گیا ہے تو اسکی چند اقسام ہیں:

* سرے سے مدلس ہی نہیں، محض وہم کی وجہ سے لگے الزام کی بناء پر انہیں طبقہ اولی میں داخل کیا گیا ہے

* ان پر ارسال کا الزام ہے نہ کہ تدلیس اصطلاحی کا،، فبینھما فرق

* ان پر تدلیس فی الاجازہ کا الزام ہے، اور تدلیس فی الاجازہ کا عنعنہ عنعنہ سے تعلق نہیں ہوتا۔۔

* روایات کے تناسب سے انکی تدلیس بہت کم اور شاذ ونادر ہے۔۔اور یہ بات واضح کے کہ حکم ہمیشہ اغلب اور اکثر کا ہوتا ہے، نہ کہ شذوذ وندرت کا۔

اس قسم کے مدلسین طبقہ اولی وثانیہ میں مذکور ہیں۔۔۔ قلت تدلیس سے متصف کے علاوہ مدلسین ویسے تدلیس کے الزام سے بری ہو جاتے ہیں۔۔باقی رہے قلت تدلیس سے متصف۔ تیسرا اور چوتھا طبقہ کثیر التدلیس سے متصف رواۃ کے لیے ہے(اگرچہ بعض رواۃ کے حوالے سے اختلاف کیا جاسکتا ہے)

پانچواں طبقہ ضعیف مدلسین کا ہے۔۔جو سماع کی صراحت کردیں تب بھی انکی روایت مردود ہے الا کہ انکی متابعت آجائے اگر وہ متابعت کے قابل ہوں۔

نتیجہ۔۔۔ گویا اصل حکم کے اعتبار سے تدلیس کے دو ہی طبقے ہوئے۔

قلت تدلیس، اس میں اولی وثانیہ کے مدلسین ہیں۔

ثالثہ ورابعہ: اس میں کثیر التدلیس ہیں۔

گویا باقی دو ہی طبقے رہ جاتے ہیں۔

قلیل اور کثیر۔۔۔ متقدمین محدثین کرام سے قلت اور کثرت کے مابین فرق ثابت ہے، مثلا امام بخاری، علی بن المدینی وغیرہ۔۔

لہذا یہ کہنا کہ طبقات متقدمین محدثین سے ثابت نہیں،، بلکل بچگانہ اعتراض ہے۔

ائمہ متقدمین ومتاخرین کا شوشہ، اور ائمہ متاخرین کے اصولوں کی حجیت

بعض حضرات ائمہ متقدمین اور ائمہ متاخرین کو آمنے سامنے لا کر ائمہ متاخرین کے اصولوں کو کلیتا رد کر دیتے ہیں، تو ایسوں کے لیے عرض ہے کہ کیا خبر متواتر ائمہ متقدمین سے ثابت کر سکتے ہیں۔۔

کیا حسن لذاتہ کی اصطلاح ائمہ متقدمین سے ثابت کر سکتے ہیں۔۔؟؟ جب کہ ان حضرات نے اپنی تازہ کتاب میں یہ دونوں اصطلاحات بھی ذکر کی ہیں۔

کیا امام ترمذی کا متساہل ہونا ائمہ متقدمین سے ثابت کر سکتے ہیں۔۔؟؟

کیا امام ابن خزیمہ کا متساہل ہونا ائمہ متقدمین سے ثابت کر سکتے ہیں۔۔؟؟

کیا امام عجلی کا متساہل ہونا ائمہ متقدمین سے ثابت کر سکتے ہیں۔۔؟؟

ائمہ متاخرین کو کس طرح بے دردی کے ساتھ ردی کی ٹوکری میں پھینکا جا رہا ہے۔۔۔ یہ قطعا قطعا قطعا غلط راستہ ہے جو ائمہ متقدمین اور ائمہ متاخرین کے درمیان دراڑ لگا کر انکو ایک دوسرے کے مد مقابل کھڑا کرتے ہیں۔۔

بہت ساری اصطلاحات ایسی ہیں جنکی اگر ائمہ متاخرین وضاحت نہ کرتے تو ہم وہی کے وہی رکے ہوتے۔۔۔

انہوں نے ائمہ متقدمین کے تعاملات سے استنباط، اور استقراء کر کے ہمارے لیے اصول و قواعد بنائے۔۔۔ ہمیں تو انکا احسان مند ہونا چاہیے تھا۔۔ لیکن افسوس در افسوس کہ ہم احسان فراموشی کر رہے ہیں۔۔۔ کیا احادیث میں ہر مسئلہ نصا بیان ہوا ہے۔۔ یا اجتہاد اور قیاس بھی

کیا جاتا ہے۔ ائمہ متقدمین نے اصول وضع کیے۔۔ لیکن اسکے ساتھ انکے تعاملات بھی ہیں جن سے ائمہ متاخرین نے استخراج واستنباط کر کے اصول وضع کیے۔۔۔ گویا ان اصولوں کی اصل ائمہ متقدمین کا تعامل ہی ٹھہرا۔۔ بلکل اسی طرح جس طرح جس طرح قیاس کی اصل قرآن مجید وحدیث مبارک میں موجود ہے۔ دکتور شیخ حمزہ مدنی حفظہ اللہ فرماتے ہیں۔: متقدمین کا تحقیق حدیث کے سلسلہ میں جو تعامل تھا اسے ہی تو اہل تدوین نے فن کی صورت دی ہے۔ اگر تدوین کے بجائے سب کچھ ما قبل زمانہ تدوین کے آئمہ کے واضح تھا تو اھل تدوین کا سارا کام جھک مانے اور بیڑیاں مارنے کے سوا کیا رہ جاتا ہے۔ **یا للعجب**

متقدمین کے ہی اتفاقی تعامل کو بعد والوں نے جب ایک فن کی صورت دیدی ھے اور اسے تمام محدثین کے ہاں بلا اختلاف قبول بھی کیا گیا ہے تو اب یہ کونسا انداز ہے کہ " آپ متقدمین محدثین سے طبقات ثابت کر دیں میں بات تسلیم کر لوں گا" بات کرنے سے پہلے سوچیں، پھر اسے تولیں پھر اسے بولیں۔ مزید کہا کہ۔: بلکہ یہ حضرت فن مصطلح کی کون کون سی اصطلاحات کو اپنے سطحی معیار نقد سے متقدمین سے پیش کر سکیں گے؟! یہاں تو سیکڑوں مصطلحات ہیں جن کو فن حدیث کی کتب ہی سے معلوم کیا جاسکتا ہے، متقدمین میں انہیں بطور ضابطہ و مصطلح جاننے کا ھمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ماسوائے متاخرین کے فن حدیث کے!!

چنانچہ خطرناک دروازے نہیں کھولنے چاہیں کہ فن حدیث ہی مشکوک ٹھہر جائے۔۔۔(ان) صاحب جیسی باتیں ہم نے منکرین حدیث مثل غامدی وغیرہ سے براہ راست استخفاف حدیث کے ضمن میں سنی ہیں۔ دراصل پرویز وغیرہ نے تو حدیث وسنت کی حجیت کا انکار صاف صاف، لگی لپٹی بغیر کھل کر دیا تھا تو عوام الناس نے بہت شدید رد عمل کا مظاھرہ کیا تو بعد کے منکرین نے انداز تاویلیں اختیار کر لیا ہے۔ اب شبلی، تقی امینی، اصلاحی، غامدی وغیرہ کا انداز انکار حدیث یہ ہے کہ "حدیث کی حجیت تسلیم لیکن محدثین تھے تو آخر انسان تھے اور ان کا مرتب کردہ فن حدیث جامع وکامل نہیں۔۔۔ ان کا فن روایتی وسندی معیار کے اعتبار سے تو معیاری ہے، لیکن درایتی نقد کے پہلو سے ناقص ہے اس لیے احادیث ہم تک محفوظ حالت میں پہنچ نہیں سکیں۔" ذرا یہ بات نوٹ کریں کہ ان منکرین میں بھی اتنی جرات نہ تھی کہ کھل کر محدثین کے فن حدیث پر اسنادی روایتی جہت سے انگلی اٹھاتے لیکن ہمارے آجکل کے بے سمجھ ان سے آگے بڑھ کر اپنے اسلاف پر یہ طعنہ زنی کرتے ہیں کہ نہیں نہیں! محدثین کرام کا فن تحقیق سندی اعتبار سے بھی غیر محفوظ وغیر معیاری ہیں۔

والعیاذ باللّٰہ اللہ تعالیٰ فتنوں سے بچائے۔

بلکہ متقدمین ومتاخرین کے درمیان رسہ کشی کا یہ گھناؤنا کھیل صرف فن حدیث تک محدود نہیں رہے گا، بلکہ تمام شرعی فنون (عقیدہ، اصول فقہ، منھاج تفسیر، فن تجوید وقراءات وغیرہ) اور آلی علوم نحو وصرف بلاغہ وغیرہ جو کہ اہل تدوین کی کاوشوں ہی سے محفوظ صورت میں ہم تک پہنچے ھیں اور اگر بالفرض۔۔۔ نعوذ باللہ۔۔۔۔ یہ فنون ہم دریا برد کردیں تو اسلاف اول (صحابہ وتابعین واتباع وغیرہ) کے اجماعی تعامل اور علمی تصورات کو مکمل صورت میں جاننے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ ہی نہیں رہ جاتا۔

کیا مدونین کی علمی وفنی کاوشوں پر عدم اعتماد کروانے حضرات نحو وصرف اور بلاغہ ومنطق وغیرہ کی اساسی باتوں کو بھی تسلیم کرنے کے جاہلانہ نظریہ کے حامل ہیں کیونکہ یہ سب کچھ بھی تو اہل تدوین کی پیش کردہ خدمات ہیں جن پر ہمارے یہ کرم فرما مطمئن نہیں۔ جب لوگوں کی علوم دینیہ میں رسوخ اور فنون سے متعلق اساسی تصورات سے لاعلمی کی حالت یہ ہو کہ وہ علوم کی تدوین اور اس سے متعلقہ بنیادی باتوں سے بھی واقف نہ ہوں لیکن خود کو علامہ فہامہ سمجھ بیٹھیں تو انتظار کریں کہ وہ دیگر بڑے بڑے انکشافات بھی مستقبل قریب میں فرمائیں گے۔

کسی بات سے ناواقفیت ہو تو اس کی معرفت ہونا اور خاموش رہ کر لا اعلم کا اقرار کرنا۔۔۔۔

یہ بھی آدھا علم ہے، چہ جائیکہ انسان اپنی لاعلم شخصیت کے تعارف کے اشتہار نصب کرنا شروع کردے۔۔۔ اور اگر مکابرت پر مبنی یہ سب کچھ ائمہ اسلاف کے بالمقابل ہو تو یہ رویہ میری مذکورہ باتوں سے بھی کئی گنا زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے۔

شیخ محمد صارم حفظہ اللہ فرماتے ہیں۔: ابن حجر رحمہ اللہ کا خاصہ یہ ہے کہ انہوں نے متقدمین کی کتب کی تنقیح کردی ہے اور مصطلاحات کو ان کے مقام پر ایسے رکھ دیا ہے کہ بعض اصطلاحات جن کی تعریفات میں ٹکراو تھا وہ ختم ہو گیا۔ مثال کے لئے (النکت) میں ارسال کی بحث دیکھی جاسکتی ہے۔

کیا حسن لغیرہ حدیث متقدمین سے ثابت نہیں؟

حسن لغیرہ امام ترمذی سے ثابت ہے۔۔بلکہ وہو اول من اشھرہ۔۔۔قالہ ابن حجر۔۔

انہوں نے اسکو شہرت دی۔۔یہ نہیں کہ اسکے موجد ہی وہی ہیں۔۔۔گویا یہ اصطلاح اوروں سے بھی ثابت ہے۔مگر چونکہ امام ترمذی نے کثرت کے ساتھ اپنی کتاب میں اسکا ذکر کیا ہے۔۔لہذا اسی لیے انکو اسکی شہرت کرنے والا کہا جاتا ہے۔کہنے کا مقصد۔۔کیا امام ترمذی ائمہ متقدمین میں سے نہیں۔ ان صاحب نے اپنی تازہ کتاب میں انکار کر دیا ہے کہ امام ترمذی حسن لغیرہ کے قائل ہیں۔۔۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔۔۔

آپ اصول حدیث کی کتب اٹھا کر دیکھیں تقریبا ہر مصنف نے اس اصطلاح امام ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے۔۔تو کیا انہوں نے وہ محض ظن، تخمین اور تقلیداً ایسا کہا ہے۔

یہ سارے جواب میری زیر ترتیب کتاب میں آرہے ہیں۔۔ان شاء اللہ العزیز۔

آخری اور اہم بات۔۔۔اور قابل غور بھی۔۔محدثین کرام نے تین قسم کی روایات جمع کی ہیں۔۔

صحیح

قلیل الضعف روایات

شدید الضعف روایات

اول قسم پر تو کلام ہی نہیں۔تیسری قسم۔۔۔یہ بتانے اور متنبہ کرنے کے لیے کہ کس کس قسم کے ظالم لوگ پیدا ہو گئے تھے۔۔۔۔اور سب سے بڑھ کر ایمانداری سے یہ پورا حصہ منتقل کر دیا۔۔اور بھی فوائد ہیں۔

دوسری قسم۔۔۔۔تو اسکو اس لیے جمع کر دیا تا کہ اگر اسکا کہیں شاہد یا متابع ہو تو اسکے ساتھ یہ قوت پکڑ لے گی۔

اور اس حوالے سے ایک بھی محدث سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے صحیح شاہد یا متابع کی قید لگائی ہو۔۔اور حقیقت بھی یہی ہے۔۔۔ورنہ اگر لازمی طور پر صحیح متابع یا شاہد کو ہی تلاش کیا جائے تو پھر ضعیف کی ضرورت ہی کیا رہیگی جو اسکے لیے صحیح متابع تلاش کیا جائے۔۔۔۔؟؟

امام ترمذی رحمہ اللہ ائمہ متقدمین میں سے ہیں:

انہوں نے اپنی کتاب میں حسن لغیرہ کو کثرت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔۔اور ان کے دور سے لیکر پانچویں، چھٹی صدی ہجری تک سواء ابن حزم کے کسی ایک بھی محدث سے ان پر نکیر ثابت نہیں۔آخر کیوں۔؟؟اگر نئی اصطلاح وضع کی جا رہی ہے، جس پر ہزاروں احادیث کا فیصلہ ہے۔اگر اس

اصطلاح۔ سے ائمہ متقدمین واقف نہ ہوتے تو کیا وہ اسد دپر خاموش تماشائی بیٹھے رہتے۔؟ ابن حزم کا تشدد اور شذوذ معروف ہے۔۔لہذا انکی بات قابل التفات نہیں۔

شیخ زبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس پر نکیر ثابت نہیں وہ اجماع ہے۔۔۔لہذا امام ترمذی کی حسن والی اصطلاح پر ائمہ متقدمین سے نکیر ثابت نہیں۔لہذا ان کے بقول اجماع ہوا۔

اگر ابن حزم کو لاتے ہیں نکیر ثابت کرنے کے لیے تو پھر ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی قران مجید میں معوذتین کے قائل نہیں۔ملاحظہ ہو "توضیح الکلام"۔تو لہذا یہاں پر اجماع قرآن سے پھر انکار کر دیں۔۔

اس ساری تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ ائمہ متقدمین اور ائمہ متاخرین کا شوشہ چھوڑنا ترک کر دیں۔۔۔ورنہ" پھر ائمہ متقدمین کے الگ اصول اور ائمہ متاخرین کے الگ اصول" کے نام سے کتاب لکھ کر امت پر عظیم احسان کر کے چلے جائیں۔امت بیچاری پہلے ہی بڑے بڑے

فتنے سہہ رہی ہے۔ایک یہ بھی سہی۔ جیسے تیسے سہہ لے گی۔انتہی

سند میں سفیان سے مراد؟

سند میں جب سفیان آجائے تو اس سے مراد ثوری ہیں یا ابن عیینہ ؟اس فرق کی تفصیل پیش خدمت ہے۔حافظ ذہبی فرماتے ہیں:ثوری کے شاگرد کبار اور پرانے ہیں اور ابن عیینہ کے شاگرد صغار ہیں،انہوں نے ثوری کو نہیں پایا اور یہ بات واضح ہے،پس جب قدیم رواۃ نے بیان کیا ہو اور نام میں صرف سفیان بولا جائے تو اس سے مراد ثوری ہوں گے اور وہ وکیع،ابن مہدی،فریابی اور ابونعیم کی مثل ہیں۔ان راویوں میں سے اگر کوئی ابن عیینہ سے بیان کرے گا تو ان کا مکمل نام(سفیان بن عیینہ)واضح طور پر لے گا،صرف سفیان نہیں کہے گا اور جس راوی کی ثوری سے ملاقات ہی نہیں ہوئی اور اس نے ابن عیینہ کو پایا ہے تو وہاں تنبیہ کی ضرورت ہی نہیں،اس کے لئے رواۃ کے طبقات کی معرفت ہونا ضروری ہے۔[1]

یہ ایک اہم قاعدہ ہے جو اکثر تلامذہ پر مخفی ہے۔

جرح کرنے والا اگر خود ضعیف ہے تو اس کی جرح قبول نہیں کی جائے گی:

ازدی خود ضعیف ہے،اس نے کسی راوی پر جرح کی تو اس پر تعلیق لکھتے ہوئے حافظ ذہبی فرماتے ہیں:'' **هذه مجازفة ليت الأزدي عرف ضعف نفسه**۔"یہ ظلم ہے۔کاش ازدی اپنے ضعف کو پہچانتے۔[2]

امام ابن حبان فرماتے ہیں:''**من المحال ان يجرح العدل بكلام المجروح**۔''یہ بات محال ہے کہ عادل راوی پر مجروح کے کلام کے ساتھ جرح کی جائے۔اسی طرح کچھ اور ضعیف راوی ہیں جو جرح وتعدیل کے لحاظ سے رواۃ پر حکم لگاتے ہیں،ان کی نہ جرح قبول ہے اور نہ ہی توثیق۔مثلا شاذکونی، ابن خراش،سلمة بن القاسم

[1] سیر أعلام النبلاء:ج۷ص۴۶۶. [2] السیر:ج۱۳ص۳۸۹.،

دولابی وغیرہ۔[1]

راوی کا بدعتی ہونا عدالت کے منافی نہیں:

راوی میں اصل عدالت اور ضبط ہے، اس کا بدعتی مثلاً مرجئ، شیعی اور قدری وغیرہ ہونا مضر نہیں۔ اگر کسی راوی کی بدعت اسے کفر تک پہنچا دے جسے بدعت مکفرہ کہتے ہیں تو اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔ امام ذہبی نے ابان بن تغلب کے ترجمے میں کہا: "فلنا صدقہ وعلیہ بدعتہ۔" ہم اس کی سچی روایات لیتے ہیں اور اس کی بدعت اس پر چھوڑتے ہیں۔[2]

الزام کی تحقیق کرنا:

اگر کسی راوی پر کوئی الزام ہے تو اس کی پہلے تحقیق کی جائے گی۔ مثلاً امام مکحول شامی پر ابن خراش نے قدری ہونے کا الزام لگایا ہے، حالانکہ امام اوزاعی فرماتے ہیں:: فکشفنا عن ذلک فاذا ہو باطل۔ پس ہم نے اس الزام کی تحقیق کی تو یہ باطل ثابت ہوا۔[3] اسی طرح امام عبدالرزاق صنعانی رحمہ اللہ پر تشیع کا الزام ہے، جو درست نہیں حالانکہ آپ سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے تھے۔[4] امام عبدالرزاق صنعانی رحمہ اللہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "وبہ ناخذ" اور اسی کو ہم لیتے ہیں۔[5]

صرف ثقہ راوی سے بیان کرنے والے: (یہ اغلبی ہے کلی نہیں)

۱: امام شعبہ رحمہ اللہ صرف ثقہ ہی سے بیان کرتے ہیں۔[6]

۲: امام ابو داود عام طور پر اپنے نزدیک ثقہ صرف ثقہ ہی سے بیان کرتے ہیں۔ جس

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں فتح المنان مقدمہ لسان المیزان ص:۱۹۴۔۱۹۹. [2] میزان الاعتدال:۱۵. [3] تہذیب التہذیب:۱۲۹۱. [4] تاریخ دمشق لابن عساکر:۱۳۲،۳۸۱۳۱، سندہ صحیح. [5] مصنف عبدالرزاق:۵۵۳۴. [6] دیکھیے (تہذیب التہذیب:۱۵۱۴)

طرح امام ابن القطان نے کہا۔[1]

۴: امام بقی بن مخلد صرف ثقہ ہی سے بیان کرتے ہیں۔[2]

۵: امام بخاری رحمہ اللہ جس راوی سے بطور استشہاد روایت کریں وہ عام طور پر امام بخاری کے نزدیک ثقہ ہوتا ہے۔ حافظ محمد بن طاہر المقدسی نے ایک راوی کے بارے میں لکھا ہے: بل استشھد بہ فی مواضع لیبین أنہ ثقۃ۔ "بلکہ انہوں (امام بخاری) نے کئی جگہوں پر اس سے بطور استشہاد روایت لی ہے تاکہ واضح ہو کہ وہ ثقہ ہے۔[3]

٦: ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے تمام شیوخ ثقہ ہیں؟ یہ بھی بعض نے دعوی کیا ہے۔[4] یہ بات بالکل غلط ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں تفصیل کا طالب اعلاء السنن فی المیزان ص:٩٦۔١٢٥ کا مطالعہ کرے۔ آپ دیکھ کر حیران ہو جائیں گے کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے شیوخ کس قدر کذاب اور جھوٹے موجود ہیں۔ مثلاً عمرو بن عبید کذاب متروک، جراح بن منھال متروک، محمد بن زبیر تمیمی منکر الحدیث وغیرہ امام ابو حنیفہ کے شیوخ میں سے ہیں۔ فائدہ: اگر کوئی محدث کہے کہ فلاں راوی میرے نزدیک متروک نہیں تو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ دوسرے محدثین کے نزدیک بھی متروک نہیں ہے۔

جرح وتعدیل لکھنے کا طریقہ:

راوی پر مفصل بحث دیکھنے کے لیے اصل مراجع و مصادر کی طرف رجوع کیا جائے مثلاً التاریخ الکبیر، الجرح والتعدیل، تاریخ بغداد وغیرہ ان کے ساتھ ساتھ تھذیب الکمال، تھذیب التھذیب وغیرہ دیکھنی چاہیے۔ لکھنے میں اختصار سے کام لیتے ہوئے تقریب التھذیب کا حوالہ بھی کافی ہوتا ہے کیونکہ تقریب کا حوالہ بطور خلاصہ واعدل الاقوال دیا جاتا ہے۔ جزوی اختلاف

[1] بیان الوہم والایہام فی کتاب الاحکام ٣٤٦٦ ح:١٢٢٧، نصب الرایہ:١١٩٩. [2] تہذیب التہذیب:١٢٢. [3] شروط الائمة الستة ص:١٨. [4] دیکھیے:(انہاء السکن ص:٥٦)

تقریب سے ممکن ہے۔ اگر بطور ضرورت کسی راوی پر مفصل بحث مطلوب ہے تو اس راوی پر مالہ وماعلیہ بحث لکھ کر اس کا تقابل کرتے ہوئے دلائل اور ائمہ جرح وتعدیل کے مراتب کا خیال کرتے ہوئے راجح قرار دینا چاہیے۔ بعض جمہور کا دعوی کرتے ہیں جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

ابو الرجال لقب کی وجہ:

جس کے دس بیٹے ہوں اسے ابو الرجال کہتے ہیں۔ یہ بات امام ابن الصلاح نے کہی ہے۔[1]

[ہم نے چند بحوث اپنی دوسری مطبوع کتاب تخریج وتحقیق کے اصول وضوابط سے لی ہے]

رواۃ کے متعلق بعض اہم قواعد:

*کل عاصم فی الدنیا ضعیف[2]

*کل أبی فروۃ ثقۃ إلا أبا فروۃ الخبری[3]

*آل کعب بن مالک کلھم ثقات، کل من رُوی عنہ الحدیث کل من سکت عنہ ابن عیسی فھو ثقۃ[4]

تقریب التھذیب کو زبانی یاد کرنے کا طریقہ: بعض طلبہ کا شوق ہوتا ہے کہ وہ رواۃ کو زبانی یاد کریں تاکہ حدیث کو پڑھتے وقت ہر ہر راوی پر جرح و تعدیل کے لحاظ فوراً کرتے جائیں جس طرح بعض عرب شیوخ کو تقریب التھذیب زبانی یاد ہے اور ان کی تدریس حدیث بہت متاثر کن ہے۔ مختصراً عرض ہے کہ ا۔ آپ تخریج وتحقیق کے فن میں کام کریں۔ رواۃ پر بحث بار بار دیکھنی پڑھتی ہے اس سے

[1] مقدمہ ابن الصلاح ص:٤٣٧ نوع:٥. [2] شرح علل الترمذی لابن رجب:٣٩٧. [3] ایضاً، ٤٩٨. [4] ایضاً، ٤٩٩.

رواۃ خود بخود زبانی یاد ہو جاتے ہیں۔

۲۔ضعیف رواۃ کو زبانی یاد کر لیا جائے ان کے علاوہ باقی تمام ثقہ ہیں۔

۳۔ مدرسہ کا ماحول ایسا ہو کہ جس میں اساتذہ و طلبہ کے مابین رواۃ پر مذاکرے ہوں۔

۴۔چند باذوق طلبہ ایک گروپ بنالیں روزانہ ایک گھنٹہ رواۃ پر بحث کریں اور ایک دوسرے سے سوال کریں۔

۵۔روزاہ دس راویوں کے نام مع حکم ایک رقعے پر لکھ لیں اور چلتے پھرتے انھیں دیکھا جائے جو ایک دن میں یاد ہوئے ہیں انہیں روزانہ باقاعدگی سے پڑھا جائے۔

۶۔ناممکن کوئی کام نہیں مکمل یکسوئی سے کوئی بھی کام کیا جائے ہو جاتا ہے۔

بعض راویوں کے ناموں کی تحقیق اور ضبط کا بیان[1]

قاعدہ: یہ ہے کہ حدیث کی کتابوں میں ہر جگہ لفظ سلام کو لام کی تشدید کے ساتھ پڑھنا چاہیے، مگر پانچ جگہ لام مشدد نہیں ہے۔

1۔ عبد اللہ بن سلام کے والد کا نا"سلام" ہے جو علمائے یہود میں زبردست عالم تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد ایمان لائے اور دنیا ہی میں جنتی ہونے کی خوشخبری سنی۔

2۔ محمد بن سلام بیکندی کے والد جو امام بخاری کے استاد تھے۔ بیکند، ب کے زیر اور ی کے سکون کے ساتھ ہے، یہ تاشقند کی طرح ایک بستی کا نام ہے اور بخارا کے مضافات میں سے ہے۔

3۔ سلام بن محمد بن ناہض المقدسی، یہ صحاح ستہ کے راویوں میں سے نہیں ہیں، لیکن حافظ ابو طالب اور طبرانی نے ان سے روایت کی ہے اور ان کو سلامہ کے نام سے یاد کیا ہے۔

4۔ محمد بن عبد الوہاب بن سلام مغربی معتزلی کا دادا یہ بھی صحاح ستہ کے راویوں میں سے نہیں ہے۔

[1]یہ بحث عجالۂ نافعہ از شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ سے لی ہے۔الحسینوی.

5۔ سلام بن ابی الحقیق جو یہودی تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی دشمنی اور عداوت رکھتا تھا، اس کی شرارت اور فساد کا ذکر بہت سی حدیثوں میں آتا ہے۔

ان پانچ ناموں کو تخفیفِ لام کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔

قاعدہ: عمارہ جس جگہ بھی ہو گا عین مہملہ کے پیش کے ساتھ ہو گا، مگر ابی بن عمارہ صحابیر ضی اللہ عنہ کے والد کا نام عین کی زیر کے ساتھ ہے۔
قاعدہ: کریز جہاں بھی کاف کے زبر سے آئے وہ قبیلہ خزاعہ میں سے ہے اور جہاں کاف کے پیش کے ساتھ آئے گا اور مصغّر ہو گا وہ قبیلہ عبد شمس سے ہے، یعنی جس کا نام کریز ہے اس کا نسب دیکھنا چاہیے اگر خزاعی ہے تو وہ کاف کے زبر کے ساتھ ہے اور عبشمی (قبیلہ عبد شمس سے) ہے تو اُس کو کُریز پڑھنا چاہیے۔

قاعدہ: حزام، اگر اِس نام کا راوی قرشی ہے تو اس کو زائے معجمہ اور حائے مہملہ کے زیر کے ساتھ پڑھنا چاہیے اور اگر انصاری ہے تو حائے مہملہ کے زبر اور رائے مہملہ کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔

قاعدہ: عسل ہر جگہ عین مہملہ اور سین مہملہ کے زیر کے ساتھ ہے، مگر عسل بن ذکوان الاخباری البصری عین اور سین مہملہ کے زبر کے ساتھ ہے۔ البتہ یہ صحیحین کے راویوں میں سے نہیں ہے۔

قاعدہ: غَنَّام ہر جگہ غین معجمہ اور نون مشدّد پر زبر کے ساتھ ہے مگر عثام بن علی العامری الکوفی عین مہملہ اور ثائے مثلثہ کی تشدید کے ساتھ ہے اور پہلی قسم سے حضرت غنّام بن اوس رضی اللہ عنہ صحابی بدری کا نام ہے۔

قاعدہ: قمیر ہر جگہ قمر کی تصغیر ہے اور مرد کا نام مگر قمیر مسروق بن الاجدع کی بیوی اور عمرو کی بیٹی کا نام ہے اس کو طویل کے وزن پر پڑھنا چاہیے۔
قاعدہ: مسور ہر جگہ اسم آلہ مِضْرَبٌ کے وزن پر ہے مگر دو راویوں کا نام جن سے ایک مسوَّر بن یزید صحابی اور دوسرے مسور بن عبد الملک الیربوعی ہیں، ان دونوں کو محمد کے وزن پر پڑھنا چاہیے۔

بعض نسبتوں کا بیان

قاعدہ: جس جگہ بھی لفظ جمال آئے وہ جیم کے ساتھ ہے مگر موسیٰ بن ہارون الحمّال کے باپ کا نام حائے مہملہ کے ساتھ ہے۔

قاعدہ: عبسی اس شکل سے اگر بصریوں کی سندوں میں آ جائے تو اس کو عیشی پڑھنا چاہیے، یہ عیش کی طرف نسبت ہے جو موت کی ضد اور اگر کوفیوں کی سندوں میں آئے تو عبسی بائے موحدہ اور سین مہملہ سے پڑھا جائے اور اگر شامیوں کی سندوں میں آئے تو عنسی پڑھنا چاہیے، یعنی بائے موحدہ کے بجائے نون کے ساتھ پڑھیں۔ اِس فن کی ایک پر لطف بات یہ ہے کہ اگر کسی جگہ تصحیف (لفظی تغیّر) ہو جائے تو غلطی شمار نہیں ہوتی، جس طرح سے بھی پڑھ لیں ٹھیک ہے، جیسے عیسیٰ ابن ابی عیسیٰ الحناط اور مسلم حبّاط، اگر ان دونوں کو گندم فروشی کی نسبت کے اعتبار سے حنّاط پڑھیں تو بھی ٹھیک ہے اور اگر حبط فروشی کی حیثیت سے حباط پڑھیں تو بھی صحیح ہے۔ حبط حائے مہملہ اور بائے موحدہ کے زیر کے ساتھ بَبُول کے پتوں کو کہتے ہیں جن کو چوپایوں کے لیے اکٹھا کر کے بیچتے ہیں اور سلائی کے پیشہ کی طرف نسبت کے اعتبار سے اگر خیّاط پڑھیں تو بھی درست ہے کیونکہ ان دونوں راویوں نے یکے بعد دیگرے تینوں پیشے اختیار کیے تھے، لیکن اوّل میں حناط گندم فروشی کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہے اور دوسرے میں حباطی یعنی حبط فروش زیادہ معروف ہے۔

دیگر ناموں کا بیان

موطا اور صحیحین میں جہاں بھی یسار آئے گا تو اس کو سین مہملہ سے پہلے یائے تحتیہ کے ساتھ پڑھنا چاہیے مگر محمد بن بشار کا نام بائے موحدہ اور شین معجمہ کے ساتھ، موصوف امام بخاری اور امام مسلم کے استاد ہیں۔

موطا اور صحیحین میں جہاں لفظ بشر آئے، اس کو بائے موحدہ کے زیر اور شین معجمہ کے ساتھ پڑھنا چاہیے مگر چار راویوں کے نام بائے موحدہ کے پیش اور سین مہملہ کے ساتھ وارد ہیں۔

(1) عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ صحابیہ۔(2) بسر بن سعید۔

(3) بسر بن عبید اللہ حضرمی۔(4) بسر بن محجن۔

ان تینوں کتابوں میں جہاں بھی لفظ بشیر جو بشارت بمعنی خوشخبری سے ماخوذ ہے اس کو طویل کے وزن پر پڑھنا چاہیے، مگر چار راویوں کے نام مصغّر آئے ہیں۔ ان میں سے دو بشیر بن کعب عدوی اور بشیر بن یسار، شین معجمہ کے ساتھ ہیں اور دو سین مہملہ سے وارد ہیں جنھیں یائے تحتیہ کے ساتھ پڑھنا چاہیے، یسیر بن عمر اور دوسرے کو نون کے ساتھ پڑھنا چاہیے، وہ قطن بن نسیر کے باپ کا نام ہے۔ قاعدہ: یزید کا ہمشکل لفظ جہاں آئے وہ زیادہ سے مضارع معروف غائب کا صیغہ ہے مگر تین راوی:

(1) برید بن عبد اللہ بن ابی بردہ، بائے موحدہ کے پیش اور رائے مہملہ کے فتح کے ساتھ ہے جو برد بمعنی اولہ کی تصغیر ہے۔

(2) محمد بن عرعرۃ بن البِرند کے دادا کا نام ہے جو بائے موحدہ کے زیر اور رائے مہملہ اور نون ساکن کے ساتھ وارد ہے۔ بعض محدثین دونوں (باء اور راء) پر فتح پڑھتے ہیں اور علی بن ہاشم بن البرید کے دادا کا نام بائے موحدہ کے زیر اور یائے تحتیہ کے زیر سے پڑھتے ہیں۔

قاعدہ: جہاں بھی براء آتے اس کو مخفف پڑھنا چاہیے اور اس کی با کو مفتوح سمجھنا چاہیے مگر دو راویوں کے نام۔

ا۔ ابو العالیہ البرّاء ۲۔ ابو معشر البرّاء کو با کے فتح اور را کی تشدید سے پڑھنا چاہیے۔

قاعدہ: حارثہ کی شکل کے نام کو حائے مہملہ، رائے مکسورہ اور ثائے مثلثہ مفتوحہ سے پڑھنا چاہیے مگر چار جگہ جیم، را اور یائے تحتیہ کے ساتھ سمجھنا چاہیے۔

(1) جاریہ بن قدامہ (2) یزید بن جاریہ

(3) عمرو بن سفیان بن اسید بن جاریہ (4) الاسود بن العلاء بن جاریہ

قاعدہ: جریر کی صورت ہر جگہ جیم اور رائے مہملہ کی تکرار کے ساتھ سمجھنی چاہیے مگر دو راویوں کے نام ایسے آئے ہیں جن کے پہلے حائے مہملہ اور زائے منقوطہ ہے۔

(1) حریز بن عثمان الرحبی جو کوفہ کے محلہ رحب کی طرف منسوب ہیں۔

(2) ابو حریز عبداللہ بن حسین جو عکرمہ سے راوی ہیں۔ قاعدہ: خراش ہر جگہ خائے معجمہ کے ساتھ آیا ہے مگر ربعی بن حراش کے باپ کا نام حائے مہملہ سے وار ہوا ہے۔ قاعدہ: حصین ہر جگہ مصغر ہے اور صاد مہملہ کے ساتھ ہے مگر ابو حصین عثمان بن عاصم طویل کے وزن پر ہے اور حضین بن المنذر ابو ساسان بصیغۂ تصغیر ضاد معجمہ کے ساتھ ہے۔ حازم ان تینوں کتابوں میں ہر جگہ حائے مہملہ اور زائے منقوطہ کے ساتھ مگر ابو معاویہ محمد بن خازم کا باپ جو ضریر کوفی سے مشہور ہے اور اعمش کا شاگرد ہے وہ خائے معجمہ سے ہے۔ حبّان بن منقذ اور محمد بن یحییٰ بن حبان کا دادا اور حبان بن واسع اور اس کا دادا نیز حبان بن ہلال میں اس جگہ حا پر زبر اور با کو مشدد پڑھنا چاہیے اور حِبّان بن عطیہ، حِبّان بن موسیٰ اور حِبّان بن العرفہ میں حا مکسورہ اور با کو مشدد پڑھنا چاہیے۔ حبیب کو ہر جگہ حائے مہملہ پر زبر اور بائے موحدہ پر زیر کے ساتھ سمجھنا چاہیے۔ یہ حُبّ اور محبۃ سے طویل کے وزن پر ہے مگر تین جگہ خائے معجمہ کے پیش کے ساتھ مصغر سمجھنا چاہیے جو خبابت بمعنی دانائی مصدر سے بنایا ہے۔

(1) خبیب بن عدی۔ (2) خبیب بن عبدالرحمن

(3) ابو خبیب حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔

حکیم ہر جگہ حکمت سے طویل کے وزن پر پڑھنا چاہیے مگر رزیق بن حُکیم بن عبداللہ اور حُکیم بن عبداللہ حَکَم کی تصغیر ہے۔ رباح ہر جگہ بائے موحدہ اور را کے زیر کے ساتھ ہے، مگر ابو قیس زیاد بن ریاح کے باپ کا نام یائے تحتیہ اور را کے زیر کے ساتھ ہے۔

زُبَید، اِس کو صحیحین میں زائے منقوطہ کے پیش اور بائے موحدہ کے زیر سے پڑھنا چاہیے۔ یہ زبد بمعنی مکھن کی تصغیر ہے اور موطا میں زُبید پڑھنا چاہیے جو مشہور نام زید کی تصغیر ہے۔

سُلیم ان تینوں کتابوں میں ہر جگہ تصغیر کے صیغہ کے ساتھ وارد ہے مگر سلیم بن حیان طویل کے وزن پر ہے۔ سلم ہر جگہ سین کے زبر اور لام کے سکون کے ساتھ آیا ہے۔ شریح ہر جگہ شین معجمہ کے پیش اور آخر میں حائے مہملہ کے ساتھ ہے، مگر تین راوی سین مہملہ اور جیم سے بھی وارد ہیں:

(1) سریج بن یونس (2) سریج بن النعمان

(3) احمد بن ابی سریج

سلیمان ہر جگہ مشہور پیغمبر کا نام ہے، مگر چھ راوی:

(1) سلمان فارسی (2) سلمان بن عامر ضبّی (3) سلمان الاغر (4) عبد الرحمن بن سلمان

(5) ابو حازم، جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں ان کا نام بھی سلمان ہے۔

(6) ابو رجاء حضرت ابو قلابہ کا نام بھی سلمان ہے۔

سلمہ ہر جگہ لام کے زبر کے ساتھ وارد ہے مگر دو جگہ اس کو لام کے زبر کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔

(1) عمرو بن سلمہ الجرمی جو بصرہ کی مسجد کا تھا۔

(1) نبو سلمہ جو انصار کا قبیلہ تھا۔

عبیدہ ہر جگہ مصغر آیا ہے مگر چار جگہ:

(1) عَبِیدہ سلمانی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ (2) عبیدہ بن حمید

(3) عبیدہ بن سفیان (4) عامر بن عبیدۃ الباہلی، مصغر نہیں ہیں۔

عبادہ ہر جگہ عین کے پیش اور بائے موحدہ کے سکون کے ساتھ ہے، مگر محمد بن عبادہ الواسطی جو امام بخاری کے اُستاد ہیں، وہ عین کے زبر کے ساتھ ہے۔ عبدہ ہر جگہ عین کے زبر اور بائے موحدہ کے سکون سے ہے مگر عامر بن عبدہ جو صحیح مسلم کے خطبہ میں وارد ہے اس کو عین اور با دونوں پر زبر کے ساتھ پڑھنا چاہیے، اور اسی طرح نخالہ بن عبادہ بھی ہے۔

عَبّاد ہر جگہ عین کے زبر اور بائے موحدہ کی تشدید کے ساتھ وارد ہے مگر قیس بن عُباد عین کے پیش اور بائے موحدہ کی تخفیف کے ساتھ آیا ہے۔ عقیل عین کے زبر اور قاف کے زیر کے ساتھ آیا ہے مگر تین راوی مصغر وارد ہیں:

(1) عقیل بن خالد (2) یحییٰ بن عقیل

(3) بنو عقیل مشہور قبیلہ ہے۔

واقد ہر جگہ قاف کے ساتھ ہے۔

نصر اگر لام تعریف کے ساتھ آئے تو ضاد معجمہ سے پڑھنا چاہیے، جیسے ابی النضر اور النضر بن الحارث اور اگر بغیر لام تعریف کے آئے تو صاد مہملہ سے پڑھنا چاہیے، یہ اصطلاحی فرق ہے جو کتابت میں امتیاز کی غرض سے اختیار کیا گیا ہے جیسے عمر اور عمرو میں کیا ہے۔

عبید اور حمید ہر جگہ مصغر ہے۔

ایلی، ایلہ کی طرف منسوب ہے جو حدود شام میں ایک شہر ہے، یہ ہمزہ کے زبر اور یائے تحتیہ کے سکون اور لام کی تخفیف کے ساتھ وارا ہوا ہے۔ یہ اس صورت میں اُبُلی سے جو اُبلہ ہمزہ اور بائے موحدہ کے پیش اور لام مشدد سے مشتبہ ہو جاتا ہے لیکن صحیحین میں کوئی راوی اُبُلی کی نسبت والا نہیں آیا اور جو ہے بھی تو اس کی نسبت مذکور نہیں ہے، جیسے شیبان بن فروخ کہ ان سے امام مسلم نے روایت کی ہے مگر ان کی نسبت میں لفظ اُبلی ذکر نہیں کیا ہے۔

بزاز ہر جگہ دوزائے منقوطہ سے ہے یعنی کپڑا بیچنے والا۔ یہ بَزٌّ سے مشتق ہے جو کپڑے کے معنی میں آتا ہے، مگر دو راوی بزار ہیں۔ بزار عربی میں بزر فروش کو کہتے ہیں یعنی تخم فروش کو بولتے ہیں اور ایسے پیشے والے کو ہندی میں پنساری کہتے ہیں۔

البصری ہر جگہ بائے موحدہ کے ساتھ، شہر بصرہ کی طرف نسبت ہے مگر تین راوی نون سے وارد ہیں اور وہ ایک مشہور قبیلہ بنی نصر کی طرف منسوب ہیں۔

(1) مالک بن اوس النصری۔

(2) عبد الواحد بن عبد اللہ النصری

(3) سالم بن فلاں جو نصریین کا مولیٰ (غلام) ہے۔

الثوری ہر جگہ ثائے مثلثہ سے ہے مگر ابو یعلی محمد بن الصلت التوزی جو تائے مثناۃ فوقانیہ اور تشدید واو کے ساتھ ہے، توز کی طرف نسبت ہے جس کے آخر میں زائے منقوطہ ہے۔

جُرَیری ہر جگہ جیم کے ساتھ ہے اور مصغر ہے مگر یحییٰ بن ایوب جریری جیم کے زبر سے وارد ہے اور یحییٰ بن بشر حریری جو بخاری اور مسلم کے استاد ہیں، حائے مہملہ کے زبر سے آئے ہیں، اور حریر (ریشم) کی طرف منسوب ہیں۔

السلمی ہر جگہ لام کے زبر سے آیا ہے اور محدثین ان راویوں کو جو انصار کے قبیلہ بنی سلمہ کی طرف منسوب ہیں لام کے زبر کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ الہمدانی، ہر جگہ سکون میم کے ساتھ قبیلہ ہمدان کی طرف منسوب ہے، لیکن ہمدان میم کے زبر سے عراق عجم کے شہروں میں سے ایک شہر کا نام ہے، صحیحین میں اس شہر کی طرف نسبت نہیں آئی ہے۔ فائدہ: محدثین کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ راوی کی کنیت، نسبت اور صنعت کا ذکر کرتے ہیں اور ان کی غرض اس عمل سے احتیاط کامل کا اظہار ہوتا ہے کیونکہ کبھی تو نام مشترک ہوتا ہے اور کبھی فقط کنیت مشترک[1] ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں راوی اور غیر راوی میں امتیاز بغیر مبالغہ اور کامل احتیاط برتے نہیں ہو سکتا ہے (لہٰذا ایسی صورت میں کنیت، نسبت اور صنعت کا ذکر

[1]جب دو راوی ہم نام اور ہم عصر ہوں، اور ایک ہی استاد کے شاگرد ہوں تو سخت اشتباہ ہو جاتا ہے۔ محدثین اصطلاح میں اسماء کی ایسی قسم کو جو خط اور لفظ میں ایک ہوتی ہے اور مسمیٰ کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے، المتفق والمفترق کہتے ہیں۔ خطیب بغدادی کی اس موضوع پر مستقل کتاب بنام ''تلخیص المتشابہ'' ہے۔

ضروری ہوتا ہے) بلکہ بعض جگہ راوی کا نام اور اس کے باپ کا نام بھی مشترک ہوتا ہے، چنانچہ محدثین نے لکھا ہے کہ خلیل بن احمد نام کے چھ شخص گزرے ہیں اور انس بن مالک نام کے پانچ شخص ہوئے ہیں اور کسی کسی راوی کا نام، اُس کے باپ کا نام اور اس کے دادا کا نام بھی مشترک واقع

ہوا ہے، چنانچہ احمد بن جعفر بن احمد ان چار شخص ہیں اور خود ان کا نام اور ان کے باپ کا نام اور ان کے دادا کا نام ایک ہی ہے اور محمد بن یعقوب بن یوسف دو شخص ہیں اور بعض کنیت اور نسبت ایک سی ہوتی ہیں، چنانچہ ابو عمران جونی دو شخص ہیں، ایک کا نام عبد الملک بن حبیب ہے اور دوسرے کا موسیٰ بن سہل ہے اور اسی طرح ابو بکر بن عیاش بھی تین راوی ہیں۔ غرض محدثین کی اِس قدر چھان بین کو بے کار نہیں سمجھنا چاہیے، اُن کا اِس سے مقصد راویوں میں باہم امتیاز کرنے میں پوری پوری احتیار کرنا ہوتا ہے تا کہ ضعیف راوی، ثقہ راوی سے مشتبہ نہ ہو سکے اور اگر دونوں راوی عدالت اور وثوق کی صفت میں برابر ہوں تو اشتباہ مضر نہیں ہوتا۔ لیکن محدثین کے یہاں اس میں امتیاز کے لیے قرائن اور اشارات ہیں مثلاً سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ میں اُن کے شیوخ اور شاگردوں سے تمیز ہوتی ہے اور اگر اُستاد اور شاگرد بھی ہم نام اور ہم نسبت ہوں تو امتیاز نہایت دشوار ہوتا ہے اور ایسے ہی مواقع پر محدث ہونے کا امتحان ہوتا ہے۔ بصرہ میں فن حدیث کے ایک زمانے میں دو امام موجود تھے جنھیں حمادین کہتے ہیں۔

(1) حماد بن زید بن درہم (2) حماد بن سلمہ

لہٰذا صحیحین میں جہاں بھی عارم سے روایت آئے، اس کو حماد سے سمجھنا چاہیے کیونکہ وہ حماد بن زید ہیں اور اگر... موسیٰ بن اسماعیل تبوذ کی راوی ہو گا تو پھر حماد بن سلمہ مراد ہوتا ہے۔

صحیحین میں عبد اللہ بغیر کسی قید کے آئے تو صحابہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مراد ہوتے ہیں اور آئمہ حدیث میں حضرت عبد اللہ بن مبارک۔

ابو جمرہ جیم اور رائے مہملہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں اور ابو حمزہ حائے مہملہ اور زائے منقوطہ سے بھی حضرت عبد اللہ بن عباس کا ایک شاگرد (مراد) ہے۔ شعبہ نے ان دونوں سے روایت کی ہے لہٰذا اصطلاح یہ ہے کہ شعبہ جس وقت مطلق ابو جمرہ کہتے ہیں نصر بن عمران مراد ہوتے ہیں جو کہ جیم سے ہیں اور جس وقت وہ نسب سے مقید کرتے ہیں تو ابو حمزہ حائے مہملہ سے مراد ہوتے ہیں، واللہ اعلم۔

کسی جگہ ماں کا نام باپ کے نام سے مشتبہ ہو جاتا ہے لیکن غور و خوض سے پتہ چلتا ہے کہ ماں کا نام ہے اور باپ کا نام نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں معاذ اور معوذ بن ابنی عفراء آیا ہے اور حضرت معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما دونوں عفراء کے بیٹے ہیں اور اس میں عفراء ان کی ماں کا نام ہے اور ان کے باپ کا نام حارث ہے۔ بعض روایتوں میں بلال رضی اللہ عنہ بن حمامہ آیا ہے، کہ وہ بلال رضی اللہ عنہ بن رباح ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے، ان کی والدہ کا نام حمامہ ہے۔ نیز صحیحین میں عبد اللہ بن بحینہ کا نام آیا ہے، بحینہ ان کی ماں کا نام ہے اور ان کے باپ کا نام مالک ہے اور بعض جگہ اس طرح جمع کر کے کہہ دیا ہے، عبد اللہ بن مالک ابن بحینہ۔ ایسی صورت میں ان کی ماں اور ان کے دادا میں اشتباہ ہو جاتا ہے لہٰذا یہ اصول بنا لیا گیا ہے کہ مالک اور بحینہ میں ابن کے الف کو قائم رکھتے ہیں اور گراتے نہیں ہیں تا کہ معلوم رہے کہ یہ عبد اللہ کی صفت ہے مالک کی صفت نہیں ہے۔ اسی طرح محمد ابن الحنفیہ میں ہے کہ ان کے والد بزرگوار حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں اور حنفیہ ان کی ماں کی طرف نسبت ہے اور ان کا نام خولہ بن جعفر تھا اور جعفر یمامہ اور بنی حنفیہ کے سردار تھے، جس طرح اسماعیل بن عُلیّہ ہے کہ ان کے باپ کا نام ابراہیم ہے۔ ایک شخص کی نسبت اس کے دادا کی طرف کرنا حدیث کی کتابوں میں بکثرت موجود ہے بلکہ محاورات میں نہایت عام اور مشہور ہے، چنانچہ "انا ابن عبد المطلب" اس کی نہایت واضح دلیل ہے اور اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ کبھی دادی کی طرف بھی نسبت کر دیتے ہیں،

جیسے یعلی بن منیہ... کہ منیہ ان کی دادی کا نام ہے جو اُن کے باپ کی ماں تھیں اور بشیر بن الخصاصیہ بھی اسی طرح سے ہے اور جو دادا سے منسوب ہیں وہ تو بہت ہیں، جیسے ابو عبیدہ بن الجراح کہ ان کے والد کا نام عبد اللہ بن الجراح ہے اور ابن جریج کہ ان کا نام عبد الملک بن نے ان دونوں سے روایت کی ہے لہٰذا اصطلاح یہ ہے کہ شعبہ جس وقت مطلق ابو جمرہ کہتے ہیں نصر بن عمران مراد ہوتے ہیں جو کہ جیم سے ہیں اور جس وقت وہ نسب سے مقید کرتے ہیں تو ابو حمزہ حائے مہملہ سے مراد ہوتے ہیں، واللہ اعلم۔ کسی جگہ ماں کا نام باپ کے نام سے مشتبہ ہو جاتا ہے لیکن غور و خوض سے پتہ چلتا ہے کہ ماں کا نام ہے اور باپ کا نام نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں معاذ اور معوذ بن ابی عفراء آیا ہے اور حضرت معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما دونوں عفراء کے بیٹے ہیں اور اس میں عفراء ان کی ماں کا نام ہے اور ان کے باپ کا نام حارث ہے۔ بعض روایتوں میں بلال رضی اللہ عنہ بن حمامہ آیا ہے، کہ وہ بلال رضی اللہ عنہ بن رباح ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے، ان کی والدہ کا نام حمامہ ہے۔ نیز صحیحین میں عبد اللہ بن بحینہ کا نام آیا ہے، بحینہ ان کی ماں کا نام ہے اور ان کے باپ کا نام مالک ہے اور بعض جگہ اس طرح جمع کر کے کہہ دیا ہے، عبد اللہ بن مالک ابن بحینہ۔ ایسی صورت میں ان کی ماں اور ان کے دادا میں اشتباہ ہو جاتا ہے لہٰذا یہ اصول بنالیا گیا ہے کہ مالک اور بحینہ میں ابن کے الف کو قائم رکھتے ہیں اور گراتے نہیں ہیں تاکہ معلوم رہے کہ یہ عبد اللہ کی صفت ہے مالک کی صفت نہیں ہے۔ اسی طرح محمد ابن الحنفیہ میں ہے کہ ان کے والد بزرگوار حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں اور حنفیہ ان کی ماں کی طرف نسبت ہے اور ان کا نام خولہ بن جعفر تھا اور جعفر یمامہ اور بنی حنفیہ کے سردار تھے، جس طرح اسماعیل بن عُلیّہ ہے کہ ان کے باپ کا نام ابراہیم ہے۔

ایک شخص کی نسبت اس کے دادا کی طرف کرنا حدیث کی کتابوں میں بکثرت موجود ہے بلکہ محاورات میں نہایت عام اور مشہور ہے، چنانچہ "انا ابن عبد المطلب" اس کی نہایت واضح دلیل ہے اور اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ کبھی دادی کی طرف بھی نسبت کر دیتے ہیں، جیسے یعلی بن منیہ... کہ منیہ ان کی دادی کا نام ہے جو اُن کے باپ کی ماں تھیں اور بشیر بن الخصاصیہ بھی اسی طرح سے ہے اور جو دادا سے منسوب ہیں وہ تو بہت ہیں، جیسے ابو عبیدہ بن الجراح کہ ان کے والد کا نام عبد اللہ بن الجراح ہے اور ابن جریج کہ ان کا نام عبد الملک بن عبد العزیز جریج ہے اور احمد بن حنبل کہ ان کے والد کا نام محمد ہے اور متبنّٰی ہونے کی وجہ سے اس شخص کی طرف نسبت کر دیتے ہیں جس کا وہ منہ بولا بیٹا ہوتا ہے، جیسے مقداد رضی اللہ عنہ بن الاسود کہ اصل میں مقداد بن عمرو بن ثعلبہ الکندی ہے، ان کی پرورش چونکہ اسود بن عبد یغوث زہری قرشی نے کی تھی اور اس نے انھیں گود لے لیا تھا اس لیے اس کی طرف نسبت سے مشہور ہو گئے اور اسی طرح حسن بن دینار ہے کہ اصل میں حسن بن واصل ہے اور دینار ان کی ماں کا خاوند تھا۔

دوسرا باب: ائمہ جرح و تعدیل اور ان کی خاص اصطلاحات

پہلی صدی ہجری کے بعض ائمہ جرح و تعدیل

۱: امام سعید بن مسیب (ف ۹۳ھ)

۲: امام سعید بن جبیر (ف ۹۴ھ) یہ دو وہ ائمہ ہیں جن کا ذکر کبار تابعین میں آتا ہے۔

دوسری صدی ہجری کے مشہور ائمہ جرح وتعدیل

۱: امام شعبی (ف ۱۰۳ھ)

۲: امام اوزاعی (۸۸۔۱۵۷ھ)

۳: امام شعبہ بن الحجاج (۸۲۔۱۶۰)

۴: امام سفیان ثوری (۹۷۔۱۶۱ھ)

۵: امام مالک بن انس (۹۳۔۱۷۹ھ)

۶: امام ابن المبارک (۱۱۸۔۱۸۱ھ)

۷: امام سفیان بن عیینہ (۱۰۷۔۱۹۷ھ)

۸: امام یحیی بن سعید القطان (۱۲۰۔۱۹۸ھ) یہ جرح وتعدیل میں متشدد تھے۔

۹: امام عبد الرحمن بن مہدی ۱۳۵۔۱۹۸ھ) یہ وہ ائمہ ہیں جنہوں نے حسب ضرورت راویوں پر کچھ نہ کچھ جرح وتعدیل کے لحاظ سے بات کی ہے، ان ائمہ میں سے یحیی بن سعید القطان کی رواۃ پر کتاب ہے۔[1] ثقہ اور ضعیف راویوں کے بارے میں لیث بن سعد کی اور ابن المبارک کی تاریخ ملتی ہے۔[2] امام ابن عیینہ کے جرح وتعدیل کے متعلق کافی اقوال مسند حمیدی میں ملتے ہیں۔[1]

سیر اعلام النبلاء:۱۸۳-۹. [2] الفہرست ص:۲۵۲،۲۸۴.

تیسری صدی ہجری کے مشہور ائمہ جرح وتعدیل

۱: امام یحیی بن معین (۱۵۸۔۲۳۳ھ)

۲: امام علی بن مدینی (۱۶۱۔۲۳۴ھ)

۳: امام احمد بن حنبل (۱۶۴۔۲۴۱ھ)

۴: امام دحیم (۱۷۰۔۲۴۵ھ)

۵: امام الفلاس (۱۶۰۔۲۴۹ھ)

۶: امام بخاری (۱۹۴۔۲۵۶)

۷: امام الجوزجانی (ف ۲۵۹ھ)

۸: امام العجلی (۱۸۲۔۲۶۱ھ)

۹: امام مسلم (۲۰۴۔۲۶۱ھ)

۱۰: امام ابوزرعہ (۲۰۰۔۲۶۴ھ)

۱۱: امام ابو حاتم (۱۹۵۔۲۷۷ھ)

۱۲: امام ابو داود (۲۰۲۔۲۷۵ھ)

۱۳: امام الفسوی (ف ۲۷۷ھ)

۱۴: امام ترمذی (۲۰۹۔۲۷۹)

۱۵: امام ابن خراش (ف ۲۸۳ھ)

چوتھی صدی ہجری کے بعض ائمہ جرح وتعدیل

۱: امام نسائی (۲۱۵۔۳۰۳ھ)

۲: امام ساجی (ف ۳۰۷ھ)

۳: امام ابن خزیمہ (۲۲۳۔۳۱۱ھ)

۴: امام عقیلی (ف ۳۲۲ھ)

۵: امام ابن ابی حاتم (۲۴۰۔۳۲۷ھ)

۶: امام ابن عدی (۲۷۷۔۳۶۵ھ)

۷: امام ابو احمد الحاکم (ف ۳۷۸ھ)

۸: امام ابن شاہین (۲۹۷۔۳۸۵ھ)

۹:امام دار قطنی (۳۰۶-۳۸۵ھ)

۱۰:امام الازدی (ف ۳۹۴ھ)

ائمہ جرح وتعدیل کی اقسام:

متشددین: امام ذہبی، ایک متشدد امام ابن القطان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یحیی بن سعید رجال کے نقد میں بہت شدید تھے، اگر تم دیکھتے ہو کہ وہ کسی راوی کی توثیق کرتے ہیں تو اس پر اعتماد کرو لیکن اگر وہ کسی کی تضعیف کریں تو انتظار کرو یہاں تک کہ کسی اور کا قول نہ دیکھ لو۔[1]

اس میں امام شعبہ، امام ابن معین، امام ابو حاتم الرازی اور امام دار قطنی بھی شامل ہیں۔ معتدلین: امام ابن مہدی، امام احمد بن حنبل، امام بخاری متساہلین: امام ابن حبان (تفصیل آرہی ہے)، امام حاکم اور امام بزار توثیق میں متساہل تھے۔ امام بزار نے اسماعیل بن مسلم ک ولیس بالقوی کہا ہے حالانکہ وہ متروک ہیں۔ جریر بن ایوب کو امام بزار نے لیس بالحافظ کہا حالانکہ امام بخاری، ابو حاتم، ابوزرعہ اور عقیلی نے منکر الحدیث کہا ہے۔[2]

[1]سیر اعلام النبلاء:۱۸۳-۹. [2] تفصیل کے لیے دیکھیں:نثل النبال بمعجم الرجال از محدث العصر ابواسحاق الحوینی حفظہ اللہ:۴۰۰-۴-۴۰۲.

بعض ائمہ جرح وتعدیل کی خاص اصطلاحات:

امام ابو حاتم الرازی کی خاص اصطلاحات:

لایحتج بہ:

امام ذھبی فرماتے ہیں:امام ابو حاتم جب کسی راوی کو کمزور کہیں اور فرمائیں: لایحتج بہ۔ تو تم اس پر توقف کرو حتی کہ تم دیکھ لو کہ دوسرے محدثین نے کیا کہا ہے؟اگر کسی نے اس کو ثقہ کہا ہے تو ابو حاتم کی جرح پر بنیاد نہ رکھو کیونکہ وہ متشدد ہیں۔انہوں نے صحاح کی ایک جماعت کے بارے میں لیس بحجۃ، لیس بالقوی وغیرہ کہا ہے۔[1]

علامہ زیلعی لکھتے ہیں:ابو حاتم کا قول لایحتج بہ غیر قادح ہے۔وہ یہ لفظ بلا بیانِ سبب صحیحین کے اکثر رجال پر بھی بولتے ہیں جیسا کہ خالد الحذاء وغیرہ ہیں۔[2]

خلاصہ المرام یہی ہے کہ ''لیس بحجۃ ''ہونا اس کے صدوق بلکہ ثقہ ہونے کے منافی نہیں بلکہ یہ جرح لیس بالقوی کے لفظ سے بھی نرم ہے۔ مزید دیکھیے امام ابو حاتم، ابو اسرائیل الملائی کے متعلق فرماتے ہیں:لایحتج بہ حسن الحدیث۔[3]

ایک راوی کو لایحتج بہ بھی کہہ رہے ہیں اور ساتھ اس کی حدیث کو حسن بھی کہہ رہے ہیں۔امام ابن ابی حاتم نے کہا کہ میں نے اپنے والد محترم سے پوچھا کہ لایحتج کے کیا معنی ہیں؟تو انہوں نے فرمایا: کہ وہ حافظ نہیں۔حدیث بیان کرتے ہیں تو خطا کر جاتے ہیں۔ان کی احادیث میں اضطراب پایا جاتا ہے۔[4]

علی یدی عدل: یہ الفاظ امام ابو حاتم کے نزدیک تعدیل نہیں بلکہ راوی کی تضعیف کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ یہی الفاظ انہوں نے جبارۃ بن مغلس کے بارے میں

[1]السیر:۱۳۲۶۰. [2] نصب الرایہ:۲۴۳۹. [3] الجرح و التعدیل: ج۱ق۱ص۱۱۶. [4] الجرح و التعدیل: ج۱ق۱ص۱۳۳تفصیل کے لیے دیکھیے: توضیح الکلام (ص:۲۲۰-۲۲۱)

کہے ہیں، ان کے الفاظ ہیں:" ہو علی یدی عدل مثل القاسم بن ابی شیبۃ "[1] جبارہ بن مغلس اور قاسم بن محمد بن ابی شیبہ دونوں سخت ضعیف راوی ہیں۔ یاد رہے علی یدی عدل کا ترجمہ وہ میرے نزدیک عادل ہے کرنا بالکل غلط ہے۔ امام ابو حاتم عمر بن حفص ابو حفص العبدی کے بارے میں فرماتے ہیں:" ضعیف الحدیث لیس بقوی ہو علی یدی عدل "[2] غور فرمایئے اگر ہو علی یدی عدل کے معنی یہ ہیں کہ وہ میرے نزدیک عادل ہیں تو پھر اسے ضعیف الحدیث لیس بقوی کہنے کا کیا مقصد ہے۔ حافظ ابن حجر اس اصطلاح کے بارے میں فرماتے ہیں:" قولہ: علی یدی عدل، معناہ قرب من الھلاکۃ۔ "[3] ان کا یہ کہنا کہ وہ" علی یدی عدل "ہے اس کے معنی ہیں کہ وہ" ہلاک "ہونے کے قریب ہے۔ اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ بعض نے سمجھا ہے کہ یہ الفاظ توثیق میں سے ہیں مگر انہوں نے یہ صحیح نہیں سمجھا۔[4]

امام ابن معین کی خاص اصطلاحات:

لیس بشیء:

یہ کلمات عموما جرح پر، بلکہ شدید جرح پر دلالت کرتے ہیں۔ ڈاکٹر احمد نور سیف نے اس اصطلاح کی جو تحقیق کی ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے: اس کا اطلاق اس ضعیف راوی پر بھی ہوتا ہے جس کی حدیث نہیں لکھی جائے گی۔ جو متروک الحدیث ہے اور اس کی حدیث نہیں لکھی جائے گی۔ بعض راویوں کی روایت ایک حالت میں مقبول ہوگی اور دوسری کیفیت میں مسترد ہوگی، اس کی حدیث لکھی جائے گی۔ اس جرح کے ساتھ امام ابن معین "ضعیف" کی جرح بھی ذکر کرتے ہیں۔

[1]الجرح و التعدیل:۱۵۵۰. [2] الجرح و التعدیل:۳۱۰۳. [3] تہذیب التہذیب:۹۱۴۲. [4] تہذیب التہذیب:۹۱۴۲ نیز دیکھیے: شرح الفاظ التجریح النادرۃ او قلیلۃ الاستعمال (۱۳۷-۴۲)مولانا سرفراز صفدر اپنی تصانیف کے آئینے میں (ص:۳۴-۳۷)

ایسا راوی اپنی حدیث میں کثیر الغلط ہوتا ہے، اسے صحیح ضبط نہیں کر سکتا۔[1]

لیس بہ بأس:

امام ابن ابی خیثمہ نے کہا کہ میں نے امام ابن معین سے پوچھا کہ آپ کہتے ہیں: فلان لیس بہ باس اور فلان ضعیف؟ تو امام ابن معین نے کہا: کہ جب میں آپ کو کسی راوی کے بارے میں بتاؤں: لیس بہ بأس۔ تو اس سے مراد ہے کہ وہ ثقہ راوی ہے اور جب میں کسی کو ضعیف کہوں تو اس سے مراد ہے کہ وہ ثقہ نہیں، اس کی روایت سے حجت نہیں پکڑی جائے گی۔[2]

لا اعرفه: امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ جس راوی کو امام ابن معین کہیں: **لا اعرفه**۔ تو وہ مجہول غیر معروف ہے۔ کسی دوسرے کی معرفت پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔[3] اس پر حافظ ابن حجر تبصرہ فرماتے ہیں کہ یہ ہر حالت میں نہیں چلے گا، کتنے ایسے راوی ہیں جن کو ابن معین نہیں جانتے بلکہ دوسرے محدثین انھیں جانتے ہیں (توجو جانتے ہیں ان کی بات مانی جائے گی۔)[4]

امام بخاری کی خاص اصطلاحات:

امام بخاری کا تاریخ کبیر میں اپنا خاص منہج ہے جس کو سمجھنا نہایت ضروری ہے، تاکہ التاریخ الکبیر پڑھتے وقت کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔

علامہ معلمی یمانی فرماتے ہیں: امام بخاری کا التاریخ الکبیر میں کسی حدیث کو بیان کرنا اسے کچھ فائدہ نہیں دیتا، بلکہ اس کو نقصان پہنچا تا ہے کیونکہ امام صاحب التاریخ میں حدیث اس لئے ذکر کرتے ہیں کہ وہ اس کے راوی (صاحب ترجمہ) کی کمزوری پر دلالت کرے۔[5]

[1]دراسة التاريخ لابن معين ١١١٦-١١٩ بحواله الاعتصام ٢٤ تا ٣٠ مارچ ٢٠١٧ء. [2] تاريخ اسماء الثقات لابن شاہین: ١٦٥٣، الكفاية: ١٢٢، مقدمه ابن الصلاح: ١١٢٢. [3] الكامل فى الضعفاء: ١١٢٥. [4] تهذيب الت

فيه نظر: یہ تین معنوں کے لیے استعمال ہوا ہے: پہلا معنی: جس راوی کے متعلق امام بخاری ''**فيه نظر**'' کہیں، اس سے مراد ہے کہ وہ راوی پر جرح کر رہے ہیں۔ بعض دفعہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر بھی ''**فيه نظر**'' لکھ دیتے ہیں تو اس سے مراد صحابی پر جرح نہیں بلکہ اس سے مروی روایت پر جرح مقصود ہے۔[1]

دوسرا معنی: بعض دفعہ **فيه نظر** ،**فی حديثه نظر** کے معنی میں بھی ہوتا ہے۔ امام بخاری نے کہا: **فلان اذا قلت فی حديثه نظر فهو متهم واه**۔[2]

امام البانی رحمہ اللہ بھی ان دونوں الفاظ میں فرق نہیں کرتے۔[3] استاد محترم حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''امام بخاری سے فیہ نظر کا قول نقل کیا گیا ہے لیکن یہ طائفی پر جرح نہیں بلکہ ان کی بیان کردہ ایک ضعیف السند روایت پر جرح ہے۔ یعنی **فی حديثه نظر**۔''[4] اس مسئلہ پر تفصیلی مقالہ شیخ سعد بن ضیدان السبیعی نے لکھا ہے جو المجلس العلمی ویب سائٹ پر **الفاظ الامام البخاری** کے نام سے دیکھا جاسکتا ہے۔
تیسرا معنی: بعض نے لکھا ہے کہ اس سے مراد ضعف خفیف ہے۔ امام بخاری کے فیہ نظر سے یہ مراد امام ترمذی، امام ابن عدی اور امام ابن حجر نے لی ہے جس کی تفصیل حاتم شریف العونی نے اپنی کتاب'' **التخريج و دراسة الاسانيد** ''میں لکھی ہے۔ **فی حديثه نظر**: اس کی حدیث میں نظر ہے۔ بعض ان الفاظ کا معنی کرتے ہیں: فیہ نظر کہ اس میں نظر ہے یعنی وہ'' **فی حديثه نظر**'' اور'' **فيه نظر** ''دونوں کو ایک سمجھتے ہیں جو کہ درست نہیں۔ ان دونوں اصطلاحات کے درمیان فرق ہے۔ فی حدیثہ نظر سے مراد راوی کی روایت پر جرح مقصود ہوتی ہے راوی فی نفسہ ثقہ اور صالح ہوتا ہے

[1]نیز دیکھیں:حا شیہ الر فع والتکیمل (ص٣٩٢). [2] سیر اعلام النبلاء:٤٤١-١٢. [3] دیکھیے:الضعیفہ:١٤١-٤، ٩٧٥-١٢،٢٣-١١. [4] علمی مقالات:٢-٥

جب کہ فیہ نظر میں راوی کی صداقت پر کلام ہوتا ہے[1]۔

فی اسنادہ نظر: امام بخاری یہ جملہ بھی استعمال کرتے ہیں اس سے مراد وہ راوی ضعیف نہیں بلکہ اس کی طرف منسوب سند میں ضعف ہے۔ جس طرح محدث مآربی نے کہا ہے۔[2] دکتور مسفر الدمینی نے "قول البخاری فیہ نظر" کے نام سے اپنے مقالے میں ان الفاظ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

منکر الحدیث: یہ سخت جرح ہے، امام بخاری کے نزدیک اس طرح کے راوی سے روایت لینا حلال نہیں۔

کسی راوی پر سکوت:

امام بخاری اپنی کتاب "**التاریخ الکبیر**" میں جس راوی پر خاموشی اختیار کریں، اس پر بحث و تحقیق دیگر محدثین کے اقوال کی روشنی سے کریں گے نہ کہ امام بخاری کے خاموش رہنے کی وجہ سے اس راوی کے ثقہ یا ضعیف ہونے پر استدلال کیا جائے گا، جس طرح فرقِ باطلہ کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ راوی ہی اس قدر جلیل القدر تھا کہ اس کے مقام کی وجہ سے اس پر خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا، کسی نے کہا کہ جس پر امام بخاری خاموشی اختیار کریں وہ راوی ان کے نزدیک ثقہ ہے وغیرہ، یہ باتیں درست نہیں۔ شیخ العرب والعجم امام بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ اس پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں::"اس اصول کے بطلان کے لیے یہی کافی ہے کہ خود امام بخاری نے تاریخ میں متعدد ایسے راویوں پر سکوت کیا ہے جن پر انہوں نے اپنی دوسری کتابوں میں جرح کی ہے، مثلاً تاریخ میں انہوں نے حسبِ ذیل افراد کا ذکر کیا ہے:" **الحارث بن نعمان، الصلت بن مهران التیمی، الکوفی ابو ہاشم، عبد الله بن معاویه، الزبیر بن**

[1]التنکیل:۲۰۵انیز دیکھیے: حاشیه قواعد علوم الحدیث:۲۵۴-۲۵۸، مولانا سرفراز صفدر اپنی تصانیف کے آئینہ میں ص:۳۹-۴۰. [2] اتحاف النبیل بأسئلة و اجوبة الفاظ الجرح والتعدیل:۳۸۹-۱.

عوام الاسدی البصری، عبد الله بن محمد بن عجلان مولی فاطمة بنت عتبة القرشی، عبدالرحمن بن زیاد بن انعم افریقی، عبد الوهاب بن عطاء الخفاف، عمران العمی، عاصم بن عبیدالله العمری، معاویه الثقفی، ابو عبد الرحمن بصری، مختار بن نافع ابو اسحاق التیمی، نصر بن حماد بن عجلان، یحیی بن ابی سلیمان المدنی، یحیی بن محمد الجاری، ان کے بارے میں انہوں نے کوئی کلام نہیں کیا نہ جرح کی، مگر ان کو الضعفاء میں ذکر کیا اور ان پر جرح کی۔"[1]

اس بحث پر ایک مفصل رسالہ "**رواة الحدیث الذین سکت علیهم ائمة الجرح والتعدیل بین التوثیق والتجهیل۔ از شیخ عداب محمود**" ہے تفصیل کا طالب اس کتاب کی طرف رجوع کرے۔ امام ابن عدی نے امام بخاری کے سکوت پر کئی مقامات پر تبصرہ کیا ہے۔[2] امام ابن عدی ایک مقام پر کہتے ہیں کہ امام بخاری کی خاموشی سے نہ توثیق مراد ہے اور نہ ضعف۔ ان کا مقصد تھا کہ تاریخ میں زیادہ سے زیادہ نام جمع ہو جائیں۔[3]

امام بخاری کی اخطاء واوہام پر تنقید:

امام ابوزرعہ الرازی نے امام بخاری کی التاریخ الکبیر کے اوہام واخطا کا تعاقب کیا جیسا کہ ان کے شاگرد امام ابن ابی حاتم نے "بیان خطاء البخاری" میں ان اوہام واخطاء کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح کئی ایک باتیں میں بھی ملتی ہیں۔ لیکن اس میں حق کس کے ساتھ ہے؟ یہ الگ مسئلہ ہے۔

[1]نقض قواعد علوم الحدیث ص: ۲۱۴. [2] دیکھئے: الکامل فی الضعفاء (رقم: ۵۴، ۱۲۷۴، ۲۸۵-۱۲۶۱، ۱). [3] الکامل فی الضعفاء رقم: ۱۲۶۱.

امام ابن عدی کی خاص اصطلاحات:

فلان حسن الحدیث: جو ایک یا دو بار غلطی کرے۔ مثلاً ایک راوی کے بارے کہتے ہیں: مع لینہ وہو حسن الحدیث۔[1]

فلان صدوق: راوی سے اگر کچھ حافظے کی خرابی کی وجہ سے غلطیاں واقع ہو جائیں تو اس کے لیے یہ حکم صادر فرماتے ہیں۔ مثلاً لکھتے ہیں: وانما اتی هذا من سوء حفظه فیغلط و یخطیء، وهو فی الاصل کما قال ابن معین: صدوق و لیس بحجة۔[2]

فلان لابأس به: ایسا راوی جس کی اکثر روایات صحیح ہوں لیکن اس کی احادیث میں غلطیاں پائی جائیں لیکن اس کی کوئی روایت منکر نہ ہو تو اس کو لاباس بہ کہتے ہیں۔[3]

فائدہ: اس سے واضح ہوا کہ امام ابن عدی کے نزدیک فلان صدوق، فلان حسن الحدیث اور فلان لابأس به اصطلاحات ایک دوسرے کے قریب ہیں۔[4]

فلان تقبل بفلان: یہ اصطلاح ایسے راوی کے بارے میں استعمال کرتے ہیں جس کو محدثین اس کے مشہور شیخ سے بیان کرنے کی وجہ سے قبول کیا ہے۔ مثلاً ایک راوی کے بارے لکھتے ہیں: و موسی قد یقبل بأخیه۔[5

] روی حدیثا معضلا: امام ابن عدی نے اس اصطلاح کو کئی ایک تراجم میں استعمال کیا ہے اور ان کا اس سے مقصود اصطلاحی معضل نہیں ہے۔ بلکہ یہاں ضاد کے کسر کے ساتھ ہے۔ جس سے مراد المستغلق الشدید ہے۔[6]

{1} الکامل: ۱۳۲۶. [2] الکامل: ۷۵۰. [3] مثلا دیکھیے الکامل (۱۸۵۸، ۱۸۳۷). [4] نیز دیکھیے: مقدمہ لسان المیزان (۱۱۷). [5] الکامل: ۲۸۱. [6] النکت لابن حجر ص: 221.

تیسرا باب: ائمہ جرح وتعدیل کے حالات اور کتب جرح وتعدیل کا منہج

امام ذہبی نے اپنی کتاب ''ذکر من یعتمد قوله فی الجرح والتعدیل" میں ان محدثین کے ناموں کو نقل کیا ہے جنھوں نے رواۃ پر جرح وتعدیل کے لحاظ سے کلام کیا ہے، کلام کم ہو یا زیادہ۔ اس کتاب میں انہوں نے بائیس طبقات بنائے ہیں آخری طبقہ اپنے شیوخ کا بنایا ہے۔ اس کتاب میں کل ائمہ جرح وتعدیل ۷۱۵ ہیں۔ اس کتاب کے شروع میں مختصر مقدمہ بھی ہے جس میں ائمہ جرح وتعدیل کی اقسام متشدد، معتدل اور متساہل ہونے کے اعتبار سے لکھی گئی ہیں۔ اس باب میں چند ایک مشہور ائمہ جرح وتعدیل کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

۱:امام یحیی بن معین:

آپ کا مکمل نام: اَبوز کریایحیی بن معین بن عون بن زیاد بن بِسْطام بن عبد الرحمن المری الغَطَفانی، البغدادی ہے۔ ولادت: آپ ابو جعفر منصور کی خلافت میں ۱۵۸ھ میں بغداد کی نقیانامی بستی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم عبد اللہ بن مالک کے کاتب تھے انہوں نے دس لاکھ پچاس ہزار درہم چھوڑا آپ نے تمام کا تمام طلبِ حدیث پر لگادیا۔(وفیات الاعیان:۶/۱۴۰،۳۹)

شیوخ: آپ نے بہت زیادہ شیوخ سے علم حاصل کیا آپ کے مشہور اساتذہ امام سفیان بن عیینہ، امام وکیع،امام ابن المبارک، امام یحیی القطان، امام ابن مہدی وغیرہ ہیں۔

تلامذہ: امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داود سجستانی، امام ابوزرعہ، امام ابو حاتم، امام ابوزرعہ دمشقی، امام ابویعلی الموصلی، امام ابن ابی خیثمہ، امام عبد اللہ بن احمد بن حنبل۔ وغیرہ

لقب: الامام، الحافظ، الحجۃ الثبت، شیخ الاسلام، امیر المؤمنین فی الحدیث کے القاب سے پکارے گئے۔

عقیدہ: آپ عقیدہ اہل السنہ پر قائم تھے۔ آپ خلق قرآن کے مسئلے میں ناپسندیدگی اور مجبوری کی بناپر قائل ہوئے تھے، دل آپ کا قرآن کے کلام اللہ ہونے پر ہی مطمئن تھا۔ آپ کے شاگرد دوری فرماتے ہیں کہ آپ نے کہا:القرآن کلام اللہ و لیس بمخلوق۔[1] اور آپ نے کہا:الایمان یزید و ینقص قول وعمل[2]

حق گو تھے: آپ نے ہمیشہ حق کہاخواہ وہ بات اپنے شیخ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ آپ بہت سخت تھے لیکن سختی بلاوجہ نہیں تھی بلکہ کسی سبب کے پیش نظر سخت تھے۔ آپ نے یوسف بن خالد السمتی کے بارے میں کہا:زندیق کذاب لایکتب عنہ شیء۔"ابو حاتم رازی نے کہا کہ میں نے ابن معین کا ان کو زندیق کہنے کا انکار کیا یہاں تک کہ وہ میرے پاس ایک کتاب لائے جو اس نے ایک ایک باب کر کے تجہم کے بارے میں وضع کی تھی۔ وہ روز قیامت میزان کا انکار کرتا تھا۔ تو میں نے جان لیا کہ بے شک ابن معین بصیرت اور فہم پر ہی کسی راوی پر جرح کرتے ہیں اور سمتی واقعتا''ذاهب الحدیث"تھا۔[3]

امام ابن معین نے من گھڑت صحیفۂ معمر زبانی یاد کیا تھا وجہ یہ بتاتے کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ جھوٹا صحیفہ ہے لیکن کوئی جب اس سے روایت بیان کرے گا میں فوراً اس کا انکار کر سکوں گا۔[4]

مقام و مرتبہ: امام ابن معین جرح و تعدیل اور علل میں اپنے زمانے کے بے مثال محدث تھے۔ان کے بارے میں امام احمد بن حنبل نے کہا: یہاں ایک آدمی ہے جس کو اللہ تعالی نے اس شان کے لیے پیدا کیا ہے وہ کذاب راویوں کے جھوٹ کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ ابن

[1]تاریخ الدوری:۱۶۱۹. [2] ایضا:۴۹۳۷،۲۲۸۰. [3] الجرح والتعدیل: ۹(۹۲۵)،تہذیب الکمال:۳(۷۱۳۴ [4] تہذیب الکمال:۶۹۲۶.

معین مراد لیتے تھے۔[1] اور یہ بھی کہا کہ جس حدیث کو ابن معین نہیں جانتا وہ حدیث نہیں ہے ایک روایت میں ہے وہ روایت ثابت نہیں ہے۔(ایضا) صالح الجزرہ نے کہا: ابن معین رجال اور کنیتوں کو اچھی طرح جانتے ہیں۔[2]

تصانیف:

امام ابن معین کے دل میں کتابتِ حدیث کی محبت ڈال دی گئی، آپ حدیث کے طرق کو جمع کرنا اور اس کی علل پر اطلاع پانا پسند کرتے تھے۔ آپ کا مشغلہ رجال پر نقد تھا چونکہ ان کے پاس لکھنے کا وقت بھی نہیں ہوتا تھا اسی لیے آپ کے کئی ایک شاگردوں نے رواۃ اور عللِ حدیث کے بارے میں سؤالات کیے جو کتابی شکل میں مطبوع ہیں۔ آگے ان کتب کے منہج پر بحث آ رہی ہے۔

وفات: آپ مدینہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ذوالقعدہ ۲۳۳ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کی میت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چارپائی پر رکھا گیا۔[3] امام ابوحاتم الرازی فرماتے ہیں: ابن معین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں فوت ہوئے اور انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چارپائی پر رکھا گیا اور بہت سارے لوگ ان کے جنازے میں شریک ہوئے اور ایک آدمی کہہ رہا تھا: **هذه جنازة يحيى بن معين الذاب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم الكذب والناس يبكون۔** ''لوگو! یہ یحیی بن معین کا جنازہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بولے جانے والے جھوٹ کا دفاع کرنے والا تھا۔ اور لوگ رو رہے تھے۔[4] تاریخ بغداد کے مذکورہ صفحے کو غور سے پڑھا جائے۔ سبحان اللہ اس میں ایمان تازہ کرنے والی باتیں ذکر ہیں۔

امام ابن معین رحمہ اللہ کی کتبِ جرح وتعدیل کا منہج

امام ابن معین کا مشغلہ رجال پر نقد تھا چونکہ ان کے پاس لکھنے کا وقت بھی نہیں ہوتا تھا اسی

[1]تاریخ بغداد:۱۴۱۸۰۔ [2] تاریخ بغداد:۱۴۱۷۹۔ [3] التاریخ الاوسط للبخاری:۲۲۵۴۔ [4] تقدمة المعرفة:۳۱۷، مقدمة المجروجين لابن حبان:۱۵۶، تاريخ بغداد:۱۴۱۸۶۔

لیے آپ کے کئی ایک شاگردوں نے رواۃ اور علل حدیث کے بارے میں سوالات کیے جو کتابی شکل میں مطبوع ہیں۔ مشہور شاگردوں میں سے جنہوں نے آپ سے سؤالات کیے وہ درج ذیل ہیں۔ یہ اکثر سؤالات رجال کے متعلق ہیں۔

۱: روایۃ العباس بن محمد الدوری

۲: روایۃ عثمان بن سعید الدارمی

۳: روایۃ یزید بن ہیثم بن طہمان الدقاق

۴: روایۃ ابراہیم بن عبد اللہ الجنید الختلی

۵:روایۃ ابی العباس احمد بن محمد بن قاسم بن محرز

۶:روایۃ ابی بکر بن ابی خیثمہ احمد بن زہیر بن حرب

۷:روایۃ عثمان بن طالوت الصیرفی البصری

۸:روایۃ اسحاق بن منصور الکوسج

۹:روایۃ عبد اللہ بن احمد الدورقی

۱۰:روایۃ المفضل بن غسان الغلابی

۱۱:روایۃ احمد بن سعد بن ابی مریم

۱۲:روایۃ معاویۃ بن صالح

۱۳:روایۃ محمد بن عبد اللہ البرقی

۱۴:روایۃ ابی داود سلیمان بن اشعث السجستانی

۱۵:روایۃ عبد اللہ بن احمد بن حنبل

دکتور شادی نعمان حفظہ اللہ کے سامنے امام ابن معین سے کیے گئے سؤالات پر مشتمل سات کتب تھیں۔ جو انہوں نے دیگر کتبِ سؤالات کے ساتھ ''جامع السؤلات الحدیثیہ'' میں جمع کر دی ہیں یہ نو جلدوں میں کتاب ہے تمام کتبِ سؤالات کو حروفِ تہجی کے اعتبار سے جمع کر دیا ہے۔فجزاہ اللہ خیرا

ہمارے سامنے امام ابن معین کے شاگردوں کی ترتیب کردہ سؤالات و جوابات پر مشتمل چھ کتب ہیں۔ یہاں ان کا منہج پیشِ خدمت ہے۔

۱:التاریخ لیحیی بن معین روایۃ الدوری

یہ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے۔اس میں کل رواۃ جن پر بحث کی گئی ہے ان کی تعداد ۵۴۱۴ ہے۔امام ابن معین کے ساتھ سب سے زیادہ عرصہ امام دوری ہی رہے۔ جب بھی کسی راوی کے بارے میں امام ابن معین کی آراء مختلف ہو جائیں تو امام دوری کی روایت معتبر ہوتی ہے۔

اس کتاب کی ترتیب درج ذیل ہے۔ پہلے صحابۂ کرام کے بارے میں امام ابن معین کی آراء ذکر کی ہیں مثلاً اس کتاب کی پہلی روایت ہی یہ ہے کہ دوری فرماتے ہیں میں نے ابن معین سے سناوہ کہہ رہے تھے:ابو بکر صدیق کا نام عبد اللہ بن عثمان ہے۔

پھر تابعیوں کے بارے میں آراء

پھر اہل مکہ، اہل طائف اور اہل یمن کے بارے میں امام ابن معین کی آراء نقل کی گئی ہیں۔

پھر اہل کوفہ کے بارے

پھر اہل بصرہ

پھر اہل خراسان

پھر اہل واسط، بغداد وغیرہ۔

پھر واسط پھر اہل شام، اہل مصر اور اہل جزیرہ کے بارے میں

اور آخر میں رسالۃ اللیث بن سعد الی مالک بن انس

رسالۃ مالک الی اللیث بن سعد

اس کتاب میں امام دوری نے نہ ابواب قائم کیے اور نہ فصول۔ انہوں نے ہماری پیش کردہ ترتیب کے مطابق ہی رواۃ کو جمع کیا ہے اس کتاب کے محقق شیخ ابو عمر محمد بن علی الازھری حفظہ اللہ نے اپنی طرف سے عناوین قائم کیے ہیں۔ فجزاہ اللہ خیرا۔

امام دوری نے ہر اس بات کو نقل کیا جو خود سنی ہے اور امام ابن معین سے سب سے زیادہ اقوال جرح وتعدیل کو نقل کرنے والے امام دوری ہی ہیں۔

۲: معرفۃ الرجال لابن معین روایۃ ابی العباس ابن محرز البغدادی

یہ کتاب ایک جلد پر مشتمل ہے اس میں کل روایات ۱۸۰۲ ہیں اس کتاب کا منہج درج ذیل ہے۔

ابن محرز البغدادی نے اس کتاب میں ابواب اور فصول قائم نہیں کیں لیکن جس ترتیب سے رواۃ کو جمع کیا ہے وہ درج ذیل ہے

کذابین، متروکین اور ضعفاء کا تذکرہ صفحہ: ۳۷ تا ۱۰۹

جن کو ابن معین نے نہیں پہچانا ان کا تذکرہ صفحہ: ۱۰۹۔ ۱۳۳

جن کو امام ابن معین نے ثقہ کہا ہے ان کا تذکرہ صفحہ: ۱۳۳ تا ۱۶۴

جن کو اوثق الناس یا فلان اوثق من فلان کہا ہے۔ صفحہ: ۱۶۴ تا ۱۷۷

فصل فی المراسیل صفحہ: ۱۷۷ تا ۱۹۲۔ آگے جا کر فصل فی الکنی فصل فی الوفیات وغیرہ کا ذکر ہے۔

۳: سؤالات ابی اسحاق ابراہیم بن الجنید لابن معین

اس کتاب میں کل روایات ۹۳۶ ہیں۔ اس میں متفرق بحوث ہیں۔ کئی رواۃ پر بحث ہے اور کئی احادیث پر علل کے سوالات وجوابات موجود ہیں۔

۴: من کلام ابی زکریا یحیی بن معین فی الرجال روایۃ ابی خالد الدقاق یزید بن الہیثم بن طہمان

اس کتاب میں کل روایات ۴۰۷ ہیں اور منہج کوئی معین نہیں ہے۔

۵: سؤالات عثمان بن طالوت البصری لابن معین

۶۷ روایات پر مشتمل یہ رسالہ ہے۔ یہ مختلف غیر معین سوالات کے جوابات ہیں۔

۶: تاریخ عثمان بن سعید الدارمی عن ابن معین فی تخریج الرواۃ وتعدیلھم

اس میں کل ۹۷۵ روایات ہیں۔ یہ سؤالات کے جوابات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا منہج خاص ہے مثلا:

اصحاب الزہری

اصحاب قتادہ

اصحاب الاعمش

اصحاب ایوب السختیانی

اصحاب عمرو بن دینار

اصحاب الشعبی

اصحاب ابراہیم النخعی

اصحاب ابی اسحاق السبیعی

اصحاب منصور بن المعتمر

اصحاب شعبہ بن الحجاج

پھر حروف تہجی کے اعتبار سے رواۃ پر جرح وتعدیل کے لحاظ سے لمبی فہرست ہے۔

کتب سؤالات کی اہمیت:

امام ابن معین کے کئی ایک اقوال توثیق یا تضعیف سے متعلق کتب سؤالات میں موجود ہیں لیکن وہ اقوال علامہ مزی، علامہ ذہبی اور علامہ ابن حجر کے سامنے نہیں تھے۔ یہ اقوال سامنے نہ ہونے کی وجہ سے ان محدثین سے بعض رواۃ پر راجح قول لکھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ ذیل میں ہم اس کی دس مثالیں پیش کر رہے ہیں۔ ۱: شميسة بنت عزيز بن عامر العتكية البصرية، ابن معين نے کہا: ثقه۔[1] علامہ مزی اور ابن حجر کے سامنے یہ توثیق نہیں تھی اسی وجہ سے ابن حجر نے کہا: مقبول۔[2] اگر ابن حجر کے سامنے امام ابن معین کی توثیق ہوتی تو وہ کبھی شمیسہ راویہ کو مقبول نہ کہتے۔

۲: عبدالرحمن الجرمی، ابن معین نے کہا: ثقۃ۔[3] ابن حجر نے کہا: مقبول۔[4]

۳: عبداللہ بن ابی سلیمان، ابن معین نے کہا: ثقۃ۔[5] ابن حجر نے کہا: صدوق۔[6] تہذیب میں صرف ابو حاتم کا قول شیخ لکھا ہے اور یہ کہ اس کو ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔ ابن معین کی توثیق سامنے ہوتی تو اس راوی کو صدوق کی بجائے ثقہ کہتے۔

۴: مرّی بن قطری، ابن معین نے کہا: ثقۃ۔[7] ابن حجر نے کہا: مقبول۔[8]

۵: ابو العدَبَّس، ابن معین نے کہا: ثقۃ۔[9] ابن حجر نے کہا: مجہول۔[10]

۶: ابو العنبس۔ ابن معین نے کہا: ثقۃ۔[11] ابن حجر نے کہا: مقبول۔[12]

۷: صلت بن طریف، ابن معین نے کہا: لیس بہ بأس[13] ابن حجر نے کہا: مستور۔[14] ذہبی نے کہا: مجہول۔[15]

[1] تاریخ الدارمی عن ابن معین رقم الترجمة:۴۱۸. [2] التقریب ص:۴۶۹. [3] تاریخ الدارمی رقم الترجمه:۱۱۴. [4] التقریب:۴۰۵۰. [5] ـــــــ. [6] التقریب:۳۳۷۳. [7] تاریخ الدارمی رقم الترجمة:۷۶۶. [8] التقریب:۶۵۷۸. [9] تاریخ الدارامی رقم الترجمة:۹۱۶. [10] التقریب:۸۲۴۹. [11] تاریخ الدارمی رقم الترجمة:۹۱۶. [12] التقریب:۷۵۳۵. [13] سؤالات ابی اسحاق رقم الترجمة:۶۵۱. [14] لسان المیزان:۴۲۵۷. [15] میزان الاعتدال:۹۳۰۹.

۸: سالم بن عبيد البصری، ابن معین نے کہا: ضعيف أو لا بأس به۔[1]

۹: محمد بن یحیی بن سعید القطان، ابن معین نے کہا: ثقۃ۔[2] ابن حجر نے ان کے حالات میں سوائے ابن حبان کے کسی کی توثیق نقل نہیں کی۔[3]
۱۰: يحيى بن المختار الصنعاني، ابن معین نے کہا: لیس بہ بأس۔[4] ابن حجر نے کہا: مستور۔[5]

قاعدہ: جب ایک معتبر امام کسی راوی کو ثقہ کہہ دے تو راوی مجہول، مستور یا مقبول نہیں بلکہ ثقہ بن جاتا ہے۔ امام ابن معین متشددین میں سے تھے جن کا کسی راوی کو ثقہ کہنا بہت اہمیت کا حامل ہے۔ ہمیں کتب سؤالات سے بہت فائدہ اٹھانا چاہیے کہیں ہم بھی انہیں غلطیوں میں واقع نہ ہو جائیں

۲: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے حالات

نام ونسب:

آپ کا نام أحمد، کنیت ابو عبد اللہ، لقب امامِ اہلسنت وجماعت اور سلسلہ نسب یہ ہے: أحمد بن محمد بن حنبل شیبانی بغدادی۔ آپ شیبان کے خالص عربی النسل قبیلے سے تعلق رکھتے تھے، عہد صدیقی کے نامور اسلامی سپہ سالار حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ بن حارثہ کا تعلق اسی قبیلے سے تھا۔

تاریخ پیدائش:

آپ بغداد میں 164ھ میں پیدا ہوئے، تین سال کے تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا اور آپ مکمل طور پر والدہ کی زیر تربیت آگئے۔ انہوں نے شروع سے ہی تعلیم وتربیت کی طرف خاص توجہ کی۔

[1] سؤالات ابی اسحاق رقم الترجمة: ۲۲۱. [2] سؤالات ابی اسحاق رقم الترجمة: ۶۷۶. [3] تهذيب التهذيب: ۶۳۳۰. [4] سؤالات ابی اسحاق رقم الترجمة: ۶۷۸. [5] التقريب: ۷۶۴۲.

اللہ تعالیٰ کا امت مسلمہ پر احسان عظیم:

جس دور میں اللہ تعالیٰ نے امام احمد بن حنبل کو پیدا فرمایا، یہ دور تاریخ اسلام کا انتہائی خطرناک اور نازک دور تھا۔ اس زمانے میں خلیفہ مامون نے فلسفیوں کی گمراہ کن کتب کے عربی تراجم کروائے جس سے گمراہ فرقوں جہمیہ، معتزلہ، کرامیہ، قدریہ، اشعریہ، خوارج، رافضہ، قرامطہ، باطنیہ کو بہت تقویت ملی۔ ان سے زمین بھر چکی تھی۔ ہر طرف ان کا ہی اثر ورسوخ تھا۔ ہر طرف قرآن وحدیث کے خلاف ایک محاذ برپا تھا جسے حکومتی سرپرستی حاصل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی حفاظت کی خاطر اور ان گمراہ فرقوں کی سرکوبی کے لئے امام احمد بن حنبل کو پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے اس بندے نے ساری زندگی تدریسی، تصنیفی خدمات سرانجام دیں اور باطل فرقوں کے سامنے کلمہ حق بلند کیا۔ امام احمد بن حنبل اور ان کے شاگردوں کے کارنامے امت مسلمہ کے لیے اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ثابت ہوئے۔ والحمد للہ، یہ داستان ایک مستقل تاریخ کی حامل ہے۔

ابتدائی تعلیم:

آپ نے بچپن میں قرآن مجید حفظ کر لینے کے بعد زبان وادب کی تعلیم حاصل کی۔ تقوی۔ نفاست، شرافت، دیانت، نجابت اور صلاحیت کے آثار ابتداء سے نمایاں تھے، انہیں نیک آثار کو دیکھ کر ایک صاحب نظر نے کہا تھا: کہ اگر یہ نوجوان زندہ رہا تو اہل زمانہ پر حجت اور دلیل ہو گا۔ **علم حدیث کی ابتداء:**

ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے علم حدیث کی طرف توجہ کی اور چار برس تک بغداد میں محدّث ہشیم بن بشیر الواسطی سے استفادہ کیا۔ اسی عرصے میں بغداد کے دیگر محدثین سے بھی استفادہ کیا۔ وہاں سے فارغ ہو کر کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ، یمن، شام اور جزیرہ کا سفر کیا اور ہر جگہ کے نامور محد ثین سے علم حدیث وفقہ وغیرہ حاصل کیا۔

شیوخ:

علامہ ابن جوزی نے آپ کے اساتذہ کی تعداد سو سے زائد بتائی ہے، ان میں ہشیم بن بشیر، امام وکیع، یحیی بن سعید قطان، سفیان بن عیینہ اور امام شافعی نمایاں نام ہیں۔ امام شافعی سے دو مرتبہ ملاقات ہوئی اور ان سے حد درجہ متاثر ہوئے اور بھرپور استفادہ کیا۔ امام شافعی سے پہلی ملاقات حجاز میں آپ خود فرماتے ہیں: ہم کو مجمل و مفسر اور ناسخ و منسوخ کا پتا اس وقت چلا جب ہم امام شافعی کی مجلس میں بیٹھے۔ ایک مرتبہ آپ کے صاحبزادے عبداللہ نے پوچھا کہ شافعی کون تھے؟ میں دیکھتا ہوں کہ آپ ان کے لئے بہت زیادہ دعا کرتے ہیں۔ امام صاحب نے بتایا کہ بیٹا! امام شافعی دنیا کے لئے آفتاب اور بدن کے لئے صحت کی مانند تھے، کیا ان دونوں چیزوں کا کوئی بدل ہو سکتا ہے؟ میں تیس سال سے امام شافعی کے حق میں دعا اور استغفار کر رہا ہوں۔ ہر وہ شخص جس کے ہاتھ میں دوات اور کاغذ ہے اس کی گردن پر امام شافعی کا احسان ہے۔ آپ نے حدیث وفقہ کی تحصیل شروع کی تو اپنی پوری توانائیاں اور توجہ اسی کی طرف مبذول کر دیں، یہاں تک کہ اصحابِ حدیث آپ کو اپنا امام وفقیہ اور مجتہد قرار دینے لگے۔

تلامذہ:

اکابر محدّثین مثلاً امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داود اور امام ابو زرعہ نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ہے۔ امام ابو داود طویل عرصے تک امام احمد کے ساتھ رہے، یہی وجہ ہے کہ اپنی کتاب سنن ابی داود میں امام احمد سے ۲۲۰ احادیث لائے ہیں۔

علمی پختگی:

علمی پختگی، معلومات کا استحضار اور قوتِ حافظہ اس قدر مضبوط تھا کہ آپ کے اساتذہ بھی بلا جھجک آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ امام شافعی حدیث و فقہ میں مہارت کے باوجود احادیث کی تصحیح وتضعیف اور نقد وجرح میں آپ پر اعتماد فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ان سے کہا: اے ابو عبداللہ! جب کسی حدیث کی صحت آپ کے نزدیک ثابت ہو جائے تو مجھے بتا دیا کریں تا کہ میں اس پر عمل کروں۔ آپ کی جلالتِ قدر اور امامتِ فن کا تمام معاصر اہل علم نے اعتراف کیا ہے۔

مقام و مرتبہ:

امام شافعی نے فرمایا: جب میں عراق سے نکلا تو اپنے پیچھے احمد بن حنبل سے بڑھ کر کوئی صاحبِ علم و فضل اور عابد و زاہد شخص نہیں چھوڑا۔ محدث اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں: احمد بن حنبل کائنات میں اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان حجت ہیں۔

امام یحیی بن معین فرماتے ہیں: احمد بن حنبل میں جو اوصاف تھے، وہ میں نے کسی عالم میں نہیں دیکھے، آپ ایک عظیم محدث، نہایت عابد و زاہد اور اعلیٰ درجے کے عالم و دانا تھے۔ قتیبہ بن سعید نے کہا اگر امام احمد نہ ہوتے تو لوگ دین میں بدعت جاری کرتے، احمد دنیا کے امام تھے۔[1]

ابراہیم حربی نے کہا کہ میں نے ابوعبداللہ کو دیکھا وہ اس طرح تھے جیسے اللہ تعالی نے ان کے لیے اگلے اور پچھلے لوگوں کا علم جمع کر دیا ہے۔[2] امام شافعی فرماتے ہیں کہ آپ آٹھ علوم میں امام تھے فقہ، لغت، قرآن، غریب الفاظ، سادگی، تقوی اور سنت۔ امام احمد بن حنبل نے چالیس سال تحصیل و تکمیل علم میں بسر کرنے کے بعد باقاعدہ مجلس درس قائم کی اور حدیث و فقہ کا درس دینا شروع کیا، ابتداء ہی سے ان کے درس میں سامعین و طلبائے حدیث کا جم غفیر ہو تا تھا۔ امام ابوعمرو ہلال بن العلاء الباہلی کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے امت پر چار آدمیوں کے ذریعے احسان کیا۔ اگر یہ نہ ہوتے تو امت ہلاک ہو جاتی۔ اللہ تعالی نے امت مسلمہ پر امام احمد بن حنبل کے ذریعے احسان فرمایا، وہ آزمائش اور مار کے وقت صبر و تحمل سے ثابت قدم رہے تو دوسرے لوگ بھی انھیں دیکھ کر ثابت قدم بن گئے اور قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار نہیں کیا۔ اگر وہ نہ ہوتے تو لوگ ہلاک ہو جاتے۔[3]

امام خطیب بغدادی نے کہا: امام المحدثین، الناصر للدین، والمناضل عن السنۃ والصابر فی المحنۃ۔ آپ محدثین کے امام، دین کی مدد کرنے والے، سنت کا دفاع کرنے والے اور آزمائش میں صبر کرنے والے تھے۔[4]

امام علی بن مدینی نے کہا: "احمد بن حنبل سیدنا" احمد بن حنبل ہمارے سردار ہیں۔[5]

[1] سیر اعلام النبلاء: ۱۱۱۷۹. [2] سیر اعلام النبلاء: ۱۱۱۷۷. [3] الکامل لابن عدی ج ۱ ص ۱۲۸. [4] تاریخ بغداد ج ۴ ص ۴۱۲ ت ۲۳۱۷. [5] تاریخ بغداد ج ۴ ص ۴۱۷.

امام احمد جوانی کی حالت سے ہی امام تھے، امام ابوزرعہ رازی (۲۶۴ھ) نے کہا: " ما أعلم فی أصحابنا اسود الراس افقہ من أحمد بن حنبل۔ "میں اپنے ساتھیوں میں جن کے سر کے بال کالے (نوجوان) ہیں، احمد بن حنبل سے زیادہ فقیہ کسی کو نہیں جانتا۔[1]

امام قتیبہ بن سعید نے کہا: "اذا رأیت الرجل یحب احمد بن حنبل فاعلم انہ صاحب سنۃ و جماعۃ۔ "جب آپ کسی آدمی کو دیکھیں کہ وہ احمد بن حنبل سے محبت کرتا ہے تو جان لو کہ وہ سنت اور جماعت کے منہج پر ہے۔[2]

فتنہ خلق قرآن کی تفصیل درج ذیل کتب میں دیکھی جا سکتی ہے: رسالۃ الامام احمد بن حنبل الی الخلیفۃ المتوکل فی مسالۃ القرآن، الحیدۃ والاعتذار فی الرد علی من قال بخلق القرآن لابی الحسن عبدالعزیز بن یحیی الکنانی المکی، شرح عقیدہ طحاویہ لابن ابی العز الحنفی، کتاب الرد علی من یقول القرآن مخلوق لاحمد بن سلمان

النجاد ابی بکر ،الابانۃ الکبری لابن بطۃ ،عقیدۃ السلفیۃ فی کلام رب البریۃ ، وکشف اباطیل المبتدعۃ الردیۃ لعبداللہ بن یوسف الجدیع۔ [3]

بِشر بن حارث نے امام احمد کے بارے میں کہا: امام احمد کو بھٹی میں ڈالا گیا اور آپ کندن بن کر نکلے۔[4]

امام علی بن مدینی نے کہا کہ دین اسلام میں امام احمد جیسی استقامت کسی نے نہیں دکھائی۔ نیز کہا کہ اللہ تعالی نے دین کے غلبے کا کام دو بندوں سے لیا، تیسرا کوئی ان کا ہمسر نہیں ہے، فتنہ ارتداد پر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے اور فتنہ خلق قرآن کے موقع پر امام احمد رحمہ اللہ سے۔[5]

[1] الجرح والتعدیل ج۱ص۲۹۴. [2] الجرح والتعدیل ج۱ص۳۰۸. [3] تاریخ دعوت و عزیمت حصہ اول ص۸۴تا۱۰۲. [4] تہذیب التہذیب: ۱۶۴. [5] تذکرۃ الحفاظ: ۱۱۶-۱۷.

بطور تنبیہ عرض ہے کہ امین اوکاڑوی صاحب لکھتے ہیں کہ امام احمد مزاجاً معتدل تھے مگر فتنہ خلق قرآن کی آزمائش میں آپ اور آپ کے ساتھیوں پر جن قاضیوں نے تشدد کیا وہ عقیدتاً معتزلی اور فروعاً حنفی تھے۔[1]

امام احمد امام الجرح والتعدیل تھے:

اس پر کتب رجال، بحر الدم فیمن تکلم فیہ الامام أحمد بمدح او ذم لابن عبدالھادی اور موسوعۃ اقوال الامام أحمد بہت بڑی دلیل ہیں۔

وفات:

آپ ۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ کو جمعہ کے دن خالقِ حقیقی سے جا ملے اس وقت آپ کی عمر ۷۷ سال تھی۔ آپ کے جنازے میں خلق کثیر حاضر ہوئی۔ حافظ ابن حجر نے جنازہ میں آٹھ لاکھ مردوں اور ساٹھ ہزار عورتوں کی شرکت کا تذکرہ کیا ہے۔[2]

امام ابو زرعہ رازی نے کہا کہ خلیفہ متوکل نے حکم دیا کہ امام احمد کی نماز جنازہ پر کھڑے ہونے والے لوگوں کی جگہ کی پیمائش کی جائے، وہ جگہ اندازے میں اتنی تھی کہ اس میں بیس لاکھ افراد سما سکتے تھے۔[3]

اسلمی نے کہا کہ میں امام دار قطنی کے ساتھ ابو الفتح القواس کے جنازے پر تھا، جب انہوں نے بندوں کو دیکھا تو کہا میں نے ابو صالح بن زیاد کو کہتے ہوئے سنا انہوں نے عبد اللہ بن احمد سے سنا اور انہوں نے اپنے والد سے سنا کہ اہل بدعت سے کہو کہ تمہارے اور ہمارے درمیان جنازے کے دن ہیں۔[4]

امام احمد بن حنبل کی کتبِ جرح وتعدیل کا منہج

۱: الأسامی والکنٰی اس کتاب میں کئی سے مشہور رواۃ کے نام اور بعض ناموں کی کنیتوں کا ذکر ہے۔ امام احمد

[1] تجلیات صفدر ج۲ص۶۸. [2] تھذیب التھذیب:۱۷۵. [3] الجرح والتعدیل:۱۲۱۲. [4] سیر اعلام النبلاء:۱۱۳۵۸.

نے اپنی اس کتاب میں ۴۳۸ رواۃ کا تذکرہ کیا ہے۔ کئی ایک محدثین نے الکنی پر مستقل کتب لکھی ہیں تاکہ رواۃ آپس میں خلط ملط نہ ہوں۔

۲:العلل و معرفۃ الرجال روایۃ عبداللہ بن احمد بن حنبل

یہ کتاب تین جلدوں میں مطبوع ہے۔اس میں کل ۶۱۶۱ اقوال امام احمد کے موجود ہیں جو علل حدیث اور رواۃ کے متعلق ہیں۔

اس کتاب میں اکثر سؤالات عبد اللہ نے جو خود کیے وہی جمع ہیں یا پھر جو امام احمد نے فرمایا وہ جمع کیا ہے۔ یہ کتاب خزانہ ہے۔ لیکن حروف تہجی کے علاوہ ہے،۔کاش کوئی اس کو حروف تہجی پر ترتیب دے دے تاکہ اس سے فائدہ حاصل کرنا آسان ہو جائے۔

اس کتاب میں بعض تفصیلی بحوث بھی موجود ہیں مثلا:

جلد ا ص ۲۴۵ ہؤلاء الرجال من روی عنہ مسعر من اہل الکوفۃ و غیرہم ولم یسمع منھم شعبۃ:اس بحث میں امام احمد فرماتے ہیں کہ جواب التیمی رآہ سفیان ولم یسمع منہ شیئا۔[1] یہ فن رجال کی کئی ایک اہم ترین کتاب ہے جس سے تمام ائمہ رجال نے فائدہ اٹھایا ہے۔

۳:العلل ومعرفۃ الرجال لامام احمد روایۃ المروذی و صالح بن احمد و المیمونی وفیہ احادیث و حکایات و غیرِذلک۔

اس میں کل اقوال ۵۸۳ ہیں۔

۴:سؤالات ابی داود لامام احمد بن حنبل فی جرح الرواۃ و تعدیلھم

اس میں کل ۵۶۴،اقوال ہیں۔اس کتاب کا منہج دیگر کتب سے مختلف ہے۔اس کتاب میں امام ابو داود نے ابواب قائم کیے ہیں مثلا باب فی علل الحدیث، باب

[1]العلل ومعرفۃ الرجال:۲۴۶-۱.

التاریخ، باب فی الاسماء، باب فی ذکر ثقات المدنیین وغیرہم، باب ذکر ثقات اہل مکۃ، باب اہل الطائف، باب اہل دمشق وغیرہ مختلف شہروں کے اعتبار سے الگ الگ شہروں کے رواۃ جمع کیے ہیں۔ نیز اس کتاب کے آخر میں کچھ سقطات تھے وہ دکتور زیاد منصور نے تاریخ بغداد سے استدراک کرکے پورے کیے فجزاہ اللہ خیرا۔ یہ کتاب کے آخری میں ملحق ہیں۔

۵:سؤالات ابی بکر الاثرم لامام احمد فی الجرح و التعدیل

اس کتاب کے شروع میں امام ابو بکر الاثرم نے امام احمد بن حنبل سے کیے گئے سوال و جواب نقل کیے۔ یہ صفحہ ۹۶ تک ہیں اس کے بعد دیگر کتبِ رجال سے محقق کتاب ابو عمر محمد بن علی الازہری حفظہ اللہ نے امام اثرم کے سوال اور امام احمد کے جوابات نقل کیے ہیں جو ۲۹۷ سوال و جواب ہیں۔

۶:مسائل الامام ابی عبداللہ احمد بن حنبل روایۃ ابنہ ابی الفضل صالح

اس میں ۱۴۰۳ روایات ہیں جو رواۃ، عللِ حدیث اور فقہی مسائل پر سوال و جواب ہیں۔

۷:مسائل الامام احمد روایۃ ابی القاسم

اس میں ۱۰۳ روایات موجود ہیں کچھ رواۃ پر اور کچھ فقہی مسائل پر۔

۸:موسوعۃ اقوال الامام احمد بن حنبل

اس کتاب میں امام احمد بن حنبل کے رواۃ کے بارے میں تمام اقوال کو جمع کر دیا گیا ہے۔ کل رواۃ کی تعداد ۴۳۳۶ ہے اس کتاب میں درج ذیل کتب کو جمع کیا گیا ہے۔ کتاب العلل و معرفۃ الرجال، سؤالات ابن ھانی لاحمد بن حنبل، روایات المروذی وغیرہ لامام احمد، سؤالات ابی داود لاحمد، التاریخ الکبیر للبخاری اور دیگر کتب رجال سے بھی امام احمد کے اقوال جمع کیے گئے ہیں۔

۹:بحر الدم فیمن تکلم فیہ الامام احمد بمدح او ذم لابن عبدالھادی

اس میں ۱۳۲۴ رواۃ جمع ہیں۔

۳:امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ

مکمل نام محمد بن اسماعیل بن ابراہیم۔ آپ ۱۹۴ھ کو پیدا ہوئے اور ۲۵۶ھ میں فوت ہوئے۔ آپ نے طلب علم کے لیے اس قدر زیادہ سفر کیے کہ خود فرماتے ہیں میں نے ایک ہزار اسی شیوخ سے حدیث لکھی۔ ان میں صرف محدثین شامل تھے اور سب کہتے تھے ایمان قول اور عمل کا نام ہے جو زیادہ اور کم ہوتا ہے۔۔ صحیح بخاری میں ۲۸۹ شیوخ کی روایات لائے ہیں۔[1]

تصانیف: التاریخ الکبیر التاریخ الاوسط التاریخ الصغیر کتاب الضعفاء الصغیر کتاب الوحدان اسامی الصحابہ کتاب العلل کتاب الکنی کتاب الفوائد جزء رفع الیدین جزء القراء ۃ قضایا الصحابہ وا لتابعین

الضعفاء الکبیر الکنی المجرده التاریخ فی معرفة رواة الحدیث و نقلة الآثار والسنن و تمییز ثقاتهم من ضعفائهم و تاریخ وفاتهم التواریخ والانساب

نیز امام ترمذی نے بہت زیادہ اقوال سنن الترمذی اور العلل الکبیر میں امام بخاری سے نقل کیے ہیں امام بخاری کی بعض کتب جرح وتعدیل کا منہج آگے آرہا ہے۔

۴: اماابوزرعہ رازی رحمہ اللہ

مکمل نام عبید اللہ بن عبد الکریم بن یزید بن فروخ القرشی الرازی آپ ۲۰۰ھ کو پیدا ہوئے اور ۲۶۴ھ میں فوت ہوئے

مقام ومرتبہ: ذہبی نے کہا: وہ حفظ، ذہانت، دینداری، اخلاص اور علم وعمل میں

[1]وفیا ت الاعیان:۱۸۸-۴، سیر اعلام النبلاء:۳۹۱-۱۲.

یکتا تھے۔[1]

امام ابوزرعہ جرح وتعدیل کے بہت بڑے امام تھے۔ امام ابوحاتم نے کہا: جو لوگ صحیح اور ضعیف حدیث کا علم، ان کا فرق اور علل حدیث کو اچھی طرح جانتے ہیں، ان میں احمد بن حنبل، ابن معین، اور علی بن مدینی شامل ہیں اور ان کے بعد ابوزرعہ اس فن میں یکتا تھے۔[2]

حافظ ذہبی فرماتے ہیں: جرح وتعدیل میں مجھے ابوزرعہ کا کلام بہت پسند ہے۔ اس سے تقوی اور معرفت کا اظہار ہوتا ہے، ان کے برخلاف ان کے ساتھی ابوحاتم واقعی جراح اور متشدد تھے۔[3]

سحری کے وقت شیوخ کے پاس پہنچ جاتے: اپنے بارے خود فرماتے ہیں: کنا نبکر بالاسحار الی مجلس الحدیث نسمع من الشیوخ۔[4]

تصانیف: فن رجال پر ان کی درج ذیل کتب ہیں: ا۔ کتاب الضعفاء والکذابین والمتروکین

۲۔ کتاب أسامی الضعفاء ۳۔ الاجوبة علی اسئلة البرزعی فی الثقات ۴۔ کتاب الافراد

آپ کے بکثرت اقوال امام ابن ابی حاتم نے اپنی کتب میں نقل کیے ہیں، مثلا تقدمۃ المعرفۃ لکتاب الجرح والتعدیل، الجرح والتعدیل، علل الحدیث، المراسیل، بیان خطأ البخاری فی تاریخہ الکبیر۔ امام ابوزرعہ نے کہا کہ میرے گھر میں پچاس سال سے لکھی ہوئی کتابیں ہیں اور وہ چیزیں جب سے لکھی ہیں میں نے انھیں دوبارہ نہیں دیکھا لیکن میں جانتا ہوں کہ فلاں چیز کس کتاب میں،، کس ورقے پر، کس صفحے اور کس سطر پر ہے۔[5]
وفات کا واقعہ: نزع کے وقت ان کے پاس بیٹھے ہوئے علماء ومحدثین نے تلقین والی

[1]تذکرة الحفاظ:۲۵۵۷. [2] تقدمة الجرح و التعدیل ص:۳۵۶. [3] سیر اعلام النبلاء:۱۳۸۱. [4] سیر أعلام النبلاء:۱۳۷۸. [5] تاریخ بغداد:۱۰۳۳۲.

حدیث یاد کروانے میں شرم محسوس کی تو اس حدیث پر مذاکرہ شروع کر دیا۔اتنے میں امام ابوزرعہ بولے: حدثنا بندار قال حدثنا ابو عاصم قال حدثنا عبدالحمید بن جعفر عن صالح بن ابی عریب عن کثیر بن مرۃ الحضرمی عن معاذ بن جبل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من کان آخر کلامہ لا الہ الااللہ دخل الجنۃ۔[1]

۵:امام ابن شاہین

مکمل نام یہ ہے: عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن ایوب بن ازداز بن سراح بن عبدالرحمن۔ان کی والدہ کے دادے کا نام احمد بن محمد بن یوسف بن شاہین الشیبانی تھا۔[2] اس وجہ سے ابن شاہین کے نام سے مشہور ہوئے۔انہیں واعظ بھی کہا جاتا تھا۔

یہ خراسان کے رہنے والے تھے۔پھر انہوں نے بغداد میں قیام کیا جس سے بغدادی مشہور ہوئے۔آپ ۲۹۷ھ کو پیدا ہوئے اور گیارہ سال کی عمر میں حدیث لکھنی شروع کی۔

رحلہ علمیہ: آپ نے پہلے بغداد کے شیوخ سے علم حاصل کرنا شروع کیا جن میں ابوالقاسم البغوی سے آٹھ سو اجزاء حاصل کیے، نیز یحیی بن صاعد، عبداللہ بن سلیمان الاشعث کے بارے میں امام ابن شاہین خود کہتے ہیں کہ میں نے ان تینوں شیوخ سے بہت علم حاصل کیا اور امید کرتا تھا کہ اللہ تعالی مجھے ان جیسا بنائے گا۔ان کے علاوہ اور بھی کئی ایک بغداد کے محدثین سے علم حاصل کیا۔پہلے بغداد کے محدثین سے علم حاصل کیا پھر بصرہ گئے پھر کوفہ پھر دمشق گئے۔[3] پھر حمص، واسط، عسکر، رقۃ، اَیلۃ، کے محدثین سے علم حاصل کیا، پھر مصر منتقل ہوئے۔

[1]تاریخ بغداد:۱۰۳۳۵-۳۳۶،طبقات الحنابلہ:۱۲۰۳،تاریخ دمشق:۳۸۳۸،تقدمۃ الجرح والتعدیل ص:۳۳۵-۳۳۶. [2] تاریخ بغداد:۱۱۲۶۵ رقم:۶۰۱۸. [3] تذکرۃ الحفاظ:۳۹۸۸.

مقام ومرتبہ: امام ذہبی نے کہا: الامام المفید المکثر محدث العراق۔[1] امام دارقطنی نے کہا: ہو ثقۃ۔[2]

تنبیہ: امام ابن شاہین میں یہ کوتاہی تھی کہ کتاب لکھتے تھے لیکن اصل کے ساتھ مقابلہ نہیں کرتے تھے، بعض نے اس وجہ سے ان پر جرح کی ہے۔
تصانیف: آپ نے تین سو کتب لکھیں۔اپنے بارے میں خود فرماتے ہیں کہ میں نے تین سو درہم کی سیاہی خریدی ہے۔ہم یہاں صرف ان کتب کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو انہوں نے فن رجال پر لکھیں:

۱: کتاب الاصاغر عن الاکابر

۲: کتاب تاریخ اسماء الثقات ممن نقل عنہم العلم (المعروف تاریخ اسماء الثقات)

۳: کتاب تاریخ اسماء الضعفاء والکذابین ممن نقل عنہم العلم (المعروف کتاب الضعفاء)

۴: کتاب معجم الشیوخ

وفات: آپ بروز اتوار بارہ ذوالحجہ تین سو پچاسی ہجری کو فوت ہوئے۔[3]

ان کے علاوہ اور بھی کئی ایک علماء جرح وتعدیل ہیں۔[1]

تذکرة الحفاظ:۹۸۷-۳. [2] سؤالات حمزه السهمی للدارقطنی:۳۸۶. [3] تاریخ بغداد:۲۶۸-۱۱،سیر اعلام النبلاء:۴۳۴-۱۶.

التاریخ الکبیر للبخاری اور الجرح و التعدیل لابن ابی حاتم کا منہج

التاریخ الکبیر للبخاری کا منہج

امام بخاری کا مکمل نام: ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری امیر المومنین فی الحدیث ہے۔ آپ ۱۹۴ھ کو پیدا ہوئے اور ۲۵۶ھ کو فوت ہوئے۔[1] **التاریخ الکبیر کیسے لکھی**؟ امام خطیب بغدادی تاریخِ بغداد میں لکھتے ہیں کہ امام بخاری خود فرماتے ہیں کہ جب میں ۱۸ سال کا ہوا تو میں قضایا الصحابۃ والتابعین واقوالھم لکھنی شروع کی اور یہ عبیداللہ بن موسی کے دن تھے۔ اور میں نے التاریخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کے پاس بیٹھ کر (مسجد نبوی میں) چاندنی راتوں میں تصنیف کی اور کم ہی کوئی نام تاریخ میں ہے مگر اس کے لیے ایک قصہ میرے پاس ہے لیکن کتاب کا لمبا ہونا میں ناپسند کرتا ہوں۔ پھر کہا کہ ان لوگوں کو علم نہیں کہ میں نے تاریخ کیسے لکھی ہے۔ میں نے اس کو تین بار لکھا ہے اور میں نے اپنی تمام کتب کو تین بار ہی لکھا ہے۔[2]

علامہ عبدالرحمن بن یحیی معلمی یمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ تین دفعہ سے مراد یہ ہے کہ پہلے انہوں نے بغیر ترتیب کے تراجم لکھے، پھر دوبارہ انہیں ترتیب سے لکھا، پھر سہ بارہ انہوں نے تراجم پر ابواب قائم کیے۔[3]

[1] مفصل حالات دیکھنے کے لیے: تاریخ بغداد: (۲۴-۳۴) سیر اعلام النبلاء (۱۲۳۹۱-۷۱) ملاحظہ کریں. [2] تاریخ بغداد: ۲۷، سیر اعلام النبلاء: ۱۲۴۰۳. [3] مقدمہ الموضح لاوھام الجمع والتفریق: ۱۱۰-۱۱

.التاریخ الکبیر کا منہج: جو ہم نے استقراء اور تتبع سے سمجھا، وہ پیش خدمت ہے:

ا: ہر راوی کا مکمل نام باپ، دادا کنیت اور نسبت لکھتے ہیں۔ حروف تہجی کے اعتبار سے مکمل کتاب لکھی ہے تاکہ راوی تلاش کرنا آسان ہو لیکن محمد نام کو مقدم کیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے شرف کی وجہ سے۔ پھر ہر حرف میں صحابہ کا تذکرہ پہلے کیا خواہ باپوں کے ناموں کی ترتیب مشترک اسماء میں مخالف ہی ہو جائے۔[1]

۲: ہر راوی کی ایک مرفوع روایت ذکر کرتے ہیں۔ اس پر ایک مستقل کتاب ''الاحادیث المرفوعہ من التاریخ الکبیر'' کے نام سے مرتب کی گئی ہے جس میں ۸۵۱ روایات جمع ہیں۔

۳: کئی ایک ضعیف روایات بھی نقل کرتے ہیں اور ان پر ضعف کا حکم بھی لگاتے ہیں۔ میں نے اپنے پہلے سفر حرمین میں جولائی ۲۰۱۱ء کو مکہ مکرمہ میں عائشہ ہوٹل جو کبوتر چوک کے بالکل ساتھ ہے، میں بیٹھ کر مکمل التاریخ الکبیر کا مطالعہ کیا اور اس سے'' الاحادیث الضعیفہ عندالامام البخاری ''ترتیب دی۔ والحمدللہ میری یہ کتاب نیٹ پر ملتقی لاھل الحدیث یا اردو مجلس فورم میں دیکھی جا سکتی ہے۔ بطور مثال التاریخ الکبیر کے درج ذیل ارقام الترجمہ کا مطالعہ کریں، مثلا: ۱۰۰۷، ۹۲۴، ۵۸۰، ۲۷۹۔

۴: حدیث اور راوی پر جرح و تعدیل کے کس امام کا حکم باسند نقل کیا ہے۔

۵: بعض راویوں کا صرف نام لکھتے ہیں، کچھ بھی تفصیل نہیں لکھتے۔

٦: تاریخ کبیر میں امام بخاری کا یہ بھی منہج ہے کہ امام بخاری کسی راوی کی کسی روایت کی بنیاد پر سماع کا تذکرہ کرتے ہیں اور امام بخاری کا مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ بعض روایات میں فلاں راوی سے فلاں راوی کے سماع کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن یہ سماع واقعۃ ثابت ہے یا نہیں؟ یہ الگ مسئلہ ہے۔ علامہ عبدالرحمن معلمی یمانی رحمہ اللہ جنہیں "ذہبی عصر" کا کماحقہ خطاب دیا گیا، فرماتے

[1] امثلہ دیکھنے کے لیے التاریخ الکبیر تراجم رقم (۱۹۲۷، ۱۹۰۸، ۱۷۵۳، ۱۷۵۲) دیکھیں.

ہیں: قول البخاری فی التراجم: سمع فلانا۔ لیس حکما منہ بالسماع وانما ہو اخبار بان الراوی ذکر انہ سمع۔ کسی راوی کے ترجمہ میں امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ فرمانا کہ اس نے فلاں سے سنا ہے، اس سے امام بخاری سماع کا فیصلہ نہیں کرتے ہیں، بلکہ صرف یہ خبر دیتے ہیں کہ اس راوی سے سماع کا ذکر کیا گیا ہے۔[1]

علامہ عمرو عبدالمنعم سلیم فرماتے ہیں کہ یاد رہے کہ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں رواۃ کے ترجمہ میں جو بعض رواۃ سے بعض ان رواۃ کا سماع ذکر کیا ہے، جنہوں نے ان سے روایت کی ہے یا محض بعض رواۃ کی بعض رواۃ سے مرویات کا تذکرہ کیا ہے بغیر سماع کے اثبات کے ساتھ تو یہ محض سند کی کیفیت کا بیان ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے جیسا کہ کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ جب اپنی تاریخ میں کہیں کہ فلاں نے فلاں سے سنا ہے تو یہ کہہ کر امام بخاری رحمہ اللہ اس راوی کے لیے سماع کا اثبات کر رہے ہیں۔[2]

۷: اسی طرح رواۃ کا اپنے شیوخ سے ملاقات کا وقت اور جگہ کا بھی بہت ذکر کرتے ہیں۔ پھر بعد میں امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں اس سے بہت مدد لی کہ راوی اور استاد میں صرف معاصرت کافی نہیں بلکہ ملاقات بھی ضروری ہے۔

۸: رواۃ پر مختصر مگر جامع تبصرہ فرماتے ہیں۔ تاریخ وفات کا بھی اکثر اہتمام کرتے ہیں۔

۹: الفاظِ جرح و تعدیل استعمال کرنے میں کمال تقوی و ورع اور احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ سبحان اللہ۔ اکثر یہی کہتے تھے: فیہ نظر، سکتوا عنہ، ترکوہ، منکر الحدیث۔ یہی وجہ ہے کہ امام ذہبی علیہ الرحمۃ نے سیر اعلام النبلاء (۴۳۹ / ۱۲۔۴۱۱) میں امام بخاری کے رواۃ حدیث پر کلام میں انصاف اور ورع کی شہادت دی ہے۔

سوال: کیا امام بخاری نے کسی راوی کو کذاب کہا ہے، کیونکہ بعض نے اس کا انکار کیا ہے؟

[1] تعلیق علی الموضح للخطیب: ۱۳۲۳۔ [2] حاشیۃ علی نزہۃ النظر ص: ۵۷) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: یزید بن معاویہ پر الزامات کی حقیقت از فضیلۃ الشیخ کفایت اللہ سنابلی حفظہ اللہ (ص: ۱۱۷۔۱۱۹)

جواب: امام بخاری بہت قلیل رواۃ پر کذاب لفظ استعمال کرتے ہیں، یا تو وہ کسی کا قول نقل کرتے ہیں یا اپنی طرف سے لفظ کذاب سے حکم لگاتے ہیں، اور یہ بہت شاذ و نادر ہے۔ التاریخ الکبیر میں صرف ۱۳ بار لفظ کذاب استعمال ہوا ہے اور الضعفاء للبخاری میں دو بار۔ لفظ دجال صرف ایک بار مذکور ہے۔ وہ بھی کسی کا قول نقل کیا ہے اور لفظ یضع الحدیث بھی ایک بار لکھا ہے۔

فائدہ: الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم میں ۱۱۲ بار کذاب لفظ استعمال ہوا ہے۔ **تنبیہ:** حافظ ابن حجر نے کہا کہ امام بخاری کسی راوی کو کذاب یا وضاع کی بجائے **کذبہ فلان یا رماہ فلان** کہتے ہیں۔[1] جب ہم نے المکتبۃ الشاملۃ سے سرچ کیا تو التاریخ الکبیر میں ایک دفعہ بھی کذبہ فلان یا رماہ فلان نہیں ملا۔

رواۃ کی التاریخ الکبیر میں کل تعداد: مطبوعہ نسخے کے مطابق ۱۳۳۰۸ ہے۔

علامہ معلمی یمانی نے کہا ہے کہ دس ہزار سے کچھ زائد ہیں۔ امام ذہبی نے کہا: چالیس ہزار رواۃ سے زیادہ ہیں۔[2] امام حاکم نے بھی چالیس ہزار کے قریب نقل کیے ہیں۔[3] یہی بات علامہ کتانی نے **المستطرف** میں کہی ہے اور ساتھ یہ بھی کہا ہے: **فما ادری ما مستند فی ھذا التقدیر۔**

سوال: امام بخاری جس راوی پر خاموشی اختیار کریں، کیا وہ توثیق ہے جس طرح ڈاکٹر محمود طحان حنفی نے کہا ہے۔[4]

جواب: یہ بات غلط ہے محمود طحان غالی حنفی ہے اور محدثین پر تبرا کرنا اس کی عادت ہے۔ تیسیر مصطلح الحدیث، اصول التخریج اور ان کی دیگر کتب میں کئی ایک غلطیاں ہیں۔ سکوتِ

[1] مقدمہ فتح الباری: ۴۸۰. [2] سیر اعلام النبلاء: ۱۲/۴۷۰. [3] المدخل الی الصحیحین: ۱۱۱. [4] اصول التخریج ودراسۃ الاسانید ص: ۱۵۵.

امام بخاری پر مفصل بحث ما قبل گزر چکی ہے۔

امام بخاری کے جرح و تعدیل کے بعض حکموں پر تنقید:

امام ابن ابی حاتم کے سامنے امام بخاری کی کتب التاریخ الکبیر، الضعفاء وغیرہ تھیں، ان کتب سے وہ استفادہ بھی کرتے تھے اور کہیں ان سے اختلاف ہوتا تو امام بخاری کی باتوں کا رد بھی کرتے۔ مثلاً عباءۃ بن کلیب کو امام بخاری نے اپنی کتاب الضعفاء میں لکھا ہے اس کے بارے میں امام ابو حاتم نے کہا کہ یحول من ھناک۔ اس کتاب سے تبدیل کیا جائے۔ (الجرح والتعدیل: ۷/۶۱) یعنی یہ راوی صدوق ہے اس کو ضعفاء میں کیوں نقل کیا گیا، اس کو وہاں سے تبدیل کیا جائے۔ تنبیہ: یہ راوی مجھے نہ الضعفاء للبخاری میں ملا اور نہ ہی التاریخ الکبیر میں، جس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ امام بخاری نے اسے وہاں سے نکال دیا ہو۔ واللہ اعلم۔

یاد رہے کہ امام بخاری پر بعض اعتراضات کیے گئے۔ رواۃ کی تعیین میں ان اعتراضات پر زبردست نقد علامہ معلمی یمانی نے دو مقامات پر کیا ہے۔ **بیان خطاء البخاری فی تاریخہ** کے مقدمہ اور **مقدمہ الموضح لأوھام الجمع والتفریق** میں یہ دونوں مقدمے اس

لائق ہیں کہ انھیں اردو میں ترجمہ کر کے اکٹھا شائع کیا جائے جس کا نام "التاریخ الکبیر کا دفاع" رکھا جائے۔ نوٹ: الضعفاء للبخاری کے تمام رواۃ التاریخ الکبیر میں بھی ہیں۔

الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم کا منہج

مصنف کا مکمل نام ابو محمد عبد الرحمن بن المحدث ابی حاتم محمد بن ادریس بن المنذر التمیمی الرازی ہے۔ آپ ۲۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۲۷ھ میں فوت ہوئے۔[1]

ابو حاتم اور ابوزرعہ کے اقوال جمع کیے ہیں اور پھر خطوط لکھے جن سے بھی کافی مواد ملا۔ **رواۃ کی تعداد:** مطبوعہ نسخے کے مطابق ۱۸۰۴۰ ہے

[1]تذکرۃ الحفاظ:۲۹-۳، سیر اعلام النبلاء:۲۶۳-۱۳.

اس کتاب کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ امام بخاری نے صحابہ سے لے کر اپنے اساتذہ تک ہزاروں کی تعداد میں رواۃ جمع کر دیے اور فنِ جرح وتعدیل میں سب سے پہلی مفصل تاریخ مرتب کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔ ان کے معاصرین میں سے امام ابو حاتم اور امام ابوزرعہ بھی فن جرح وتعدیل کے ائمہ تھے۔ امام ابو حاتم کے بیٹے عبد الرحمن نے امام بخاری کی التاریخ الکبیر کو سامنے رکھ کر اسی ترتیب سے رواۃ پر اپنے والد محترم اور ان کے ساتھی امام ابوزرعہ سے سوالات کرنے شروع کر دیے، وہ ہر راوی کے بارے میں ان دونوں سے سوال کرتے، وہ ان کے جواب لکھتے جاتے، اس طرح ابن ابی حاتم کے ہاتھ میں تین ائمہ جرح وتعدیل کی آرا آ گئیں۔ امام بخاری، امام ابوزرعہ اور امام ابوحاتم۔ پھر ابن ابی حاتم نے دیگر محدثین کی طرف خطوط لکھے اور ان کی آراء بھی جمع کیں اور ہر ہر قول کی سند لکھی۔ اس کتاب کے دو مقدمے ہیں، پہلی مستقل جلد مقدمہ ہے اور دوسرا مختصر مقدمہ دوسری جلد کے شروع میں ہے۔ یہ اسماء الرجال کی ایک نہایت اہم اور مرجع کی کتاب ہے۔ کوئی بھی طالب علم اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ اس کتاب کا منہج جاننا بہت ضروری ہے۔ ہمارے سامنے الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم کا دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان کا مطبوعہ دس جلدوں کا والا نسخہ ہے، جس کی پہلی جلد تقدمۃ المعرفۃ لکتاب الجرح والتعدیل ہے اور دسویں جلد فہارس پر مشتمل ہے۔

پہلی جلد تقدمۃ المعرفۃ لکتاب الجرح والتعدیل کا تعارف:

یہ جلد ۳۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں صرف فن رجال کے تعارف و اہمیت اور اہم قوانینِ جرح وتعدیل پر بحث کی گئی ہے۔ امام ابن ابی حاتم نے فنِ جرح وتعدیل کے ۱۸ نقاد محدثین کے مفصل حالات لکھے ہیں، پھر مصنف نے مقدمۃ المصنف کے تحت سنت اور جرح وتعدیل کے اہمیت کے لیے چھے ابواب قائم کیے ہیں۔

الجرح والتعدیل کی جلد ۲تا۹ تک کا منہج

اس میں حروف تہجی کے اعتبار سے رواۃ کو جمع کیا ہے۔ رواۃ پر بحث کا طریقہ یہ ہے کہ

سب سے پہلے راوی کا مکمل نام، پھر "روی عن" لکھ کر ایک یا دو شیوخ کا تذکرہ، اور "روی عنہ" کے بعد ایک یا دو شاگردوں کا تذکرہ۔ پھر اپنے والد امام ابوحاتم اور امام ابوزرعہ دونوں یا کسی ایک کی رائے بیان کرتے ہیں۔ بعض دفعہ دیگر محدثین کی آرا بھی ذکر کرتے ہیں۔ امام عبد الرحمن بن

ابی حاتم نے جب یہ کتاب لکھنا شروع کی تو انہوں نے مختلف محدثین کی طرف خطوط لکھے تھے کہ جرح وتعدیل کے متعلق جو کچھ بھی کسی کے پاس ہے وہ مجھے بھیج دیں، کئی ایک محدثین نے ان کی طرف محدثین کے رواۃ پر جرح وتعدیل کے اقوال لکھ کر بھیجے۔

مثلا امام ابن ابی خیثمہ (۸/۷، ۱۱) ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی (۱۳/۷) امام علی بن ابی طاہر: (۱۷/۷) امام عبداللہ بن امام احمد (۷/۲، ۳، ۴، ۶، ۱۰، ۱۵، ۱۷) یعقوب بن اسحاق (۹/۷) وغیرہ۔ ۱۵۵۲ دفعہ امام ابن ابی حاتم نے فیما کتب الی لکھ کر خطوط سے جرح وتعدیل کے اقوال باسند لکھے ہیں۔ جس طرح ہمیں یہ بات مکتبہ شاملہ سے معلوم ہوئی۔ امام ابن ابی حاتم جب کسی خط سے معلومات ذکر کرتے ہیں تو ساتھ یہ صراحت کرتے ہیں: فیما کتب الی۔ ہر ہر بات باسند لائی گئی ہے تاکہ قاری سند کی تحقیق بھی کر سکے۔ انہوں نے کئی ایک رواۃ کے صرف نام لکھے ہیں جرح وتعدیل کے لحاظ سے حکم نہیں لگایا گیا۔ وہ ہمیں دیگر کتب میں تلاش کرنا ہوگا۔ امام ابن ابی حاتم نے مقدمہ جلد اول کے آخر میں تقریبا آدھے صفحے میں الجرح والتعدیل کا منہج بیان کیا ہے، نیز مقدمے کے آخری دو صفحات میں رواۃ کے درجات پر بھی بحث کی ہے۔

امام دار قطنی رحمہ اللہ کے حالات اور ان کی کتب کا منہج

نام ونسب: ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن النعمان بن دینار بن عبداللہ البغدادی الدار قطنی رحمہ اللہ

تاریخ پیدائش: ۳۰۶ھ (تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۰، ۳۹، ترجمہ نمبر: ۶۴۰۴)

دار قطنی کی وجہ تسمیہ: بغداد میں ایک محلہ تھا جس کا نام دارالقطن تھا، آوہاں کے رہائشی تھی اسی وجہ سے اس طرف منسوب ہوئے۔

اساتذہ: آپ نے اس قدر زیادہ شیوخ سے استفادہ کیا جن کا شمار ناممکن ہے، ان کے چند مشہور اساتذہ درج ذیل ہیں: ابوالقاسم بغوی، ابو بکر بن ابی داود، یحیی بن صاعد، ابن قانع صاحب معجم الصحابہ اور اسماعیل بن محمد الصفار وغیرھم

تلامذہ: ابونعیم الاصبھانی، ابو بکر البرقانی، امام حاکم صاحب المستدرک، ازہری، خلال جوہری، تنوخی، عتیقی، قاضی ابوالطیب الطبری، اور حافظ عبدالغنی المقدسی وغیرھم۔

علمی سفر: آپ نو سال کے تھے کہ آپ نے علم حدیث حاصل کرنا شروع کر دیا تھا۔ آپ کے ساتھی یوسف القواس کہتے ہیں کہ ہم جب امام بغوی رحمہ اللہ کے پاس جاتے تو دار قطنی ہمارے پیچھے پیچھے ہوتے، ان کے ہاتھ میں روٹی ہوتی جس پر سالن رکھا ہوا ہوتا تھا۔۔۔ اگر ان کو کلاس میں نہ بیٹھنے دیا جاتا تو یہ باہر بیٹھ کر روتے۔[1]

آپ نے فقہ شافعی اپنے استاد ابوسعید اصطخری سے پڑھی، اور آپ نے منظم طریقے سے امام بغوی سے پڑھا، لوگوں کی آپ سے امیدیں وابستہ تھیں کہ آپ دارالقطن کے قاری بنیں گے لیکن اللہ تعالی نے انھیں محدث بنا دیا۔ آپ نے علم کے حصول کے لئے تمام علمی مراکز کا سفر کیا خصوصا کوفہ، بصرہ، واسط، تنیس، شام، مصر، خوزستان، مکہ اور مدینہ۔

تصانیف: آپ نے بہت علوم حدیث پر مشتمل قابل قدر تصانیف لکھیں جن میں چند ایک یہ ہیں: سنن الدارقطنی، کتاب العلل، الموتلف والمختلف، فضائل الصحابه، المستجاد من فعلات الاجواد، تعلیقات الدارقطنی علی المجروحین لابن حبان، الضعفاء والمتروکون، الافراد والغرائب، ذکر اسماء التابعین وغیرهم

علمی مقام ومرتبہ: آپ کی امامت وثقاہت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ والحمد للہ۔

آپ کے شاگرد شیخ الاسلام ابو الطیب طاہر بن عبد اللہ الطبری رحمہ اللہ نے آپ کو "

[1]تذكرة الحفاظ ج٣ص٩٨٩،تاريخ دمشق:ج ١-٢٤١-٢-١٢.

امیر المومنین فی الحدیث" کہا ہے۔[1]

خطیب بغدادی آپ کے متعلق لکھتے ہیں: وكان فريد عصره، و قريع دهره و نسيج وحده وامام وقته انتهى اليه علم الاثر والمعرفة بعلل الحديث واسماء الرجال واحوال الرواة مع الصدق والامانة والفقه والعدالة وقبول الشهادة وصحة الاعتقاد وسلامة المذهب و الاضطلاح بعلوم سوى علم الحديث۔ [2]

حافظ ذہبی نے کہا: الامام الحافظ المجود شيخ الاسلام علم الجهابذة۔۔۔المقرىء المحدث "[3] ایک جگہ لکھتے ہیں: بل كان سلفيا۔ [4]

حافظ سخاوی نے کہا: وبه ختم معرفة العلل"[5] آپ کے ساتھ علل کی معرفت ختم ہو گئی۔

امام دارقطنی امام الجرح والتعدیل تھے:

امام دار قطنی رحمہ اللہ کو اللہ تعالی نے بہت ہی زیادہ حافظہ عطا فرمایا تھا۔ آپ اس بات کا صرف ایک واقعہ سے اندازہ لگالیں۔ امام دار قطنی رحمہ اللہ کی سب سے بڑی کتاب علل الدار قطنی ہے، جو سولہ جلدوں میں مطبوع ہے، اس کتاب میں احادیث پر جرح وتعدیل کے اعتبار سے کلام ہے، یہ ساری کتاب آپ نے زبانی لکھوائی۔ خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ میں نے امام برقانی سے پوچھا: کیا ابو الحسن الدار قطنی اپنی کتاب " العلل" آپ کو زبانی لکھواتے تھے ؟ تو انہوں نے جواب دیا: جی ہاں۔[6]

وفات: آپ ۸ ذوالحجہ ۳۸۵ھ کو بدھ کے دن فوت ہوئے اور باب الدیر کے مقبرہ

[1]تاریخ بغداد: ج۱۲ص۳۶. [2] تاریخ بغداد: ج ۱۲ص۳۴. [3] سیر اعلام النبلاء: ج۱۶ص۴۴۹. [4] السیر: ج۱۶ص۴۵۷. [5] الاعلان بالتوبیخ:۱۶۵. [6] تاریخ بغداد: ج۱۲ص۳۷.

میں دفن ہوئے۔[1] آپ کی نماز جنازہ ابو حامد الاسفرائینی الفقیہ نے پڑھائی۔[2]

امام دار قطنی کے تفصیلی حالات معلوم کرنے کے لئے درج ذیل کتب کا مطالعہ کریں: تاریخ لابن ماکولا (ج۱۲ص۴۰)تاریخ بغداد (ج ۱۲ص۳۴)الانساب للسمعانی (ج۲ص۴۳۸)وفیات الاعیان(ج۳ص۲۹۷)تذکرۃ الحفاظ (ج۳ص۹۹۱)البدایۃ والنھایۃ(ج۱۱ص۳۱۷)سیراعلام النبلاء (ج۱۶ص۴۴۹)

امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنے استاد محترم امام دار قطنی رحمہ اللہ سے عراقی راویوں کے متعلق لکھ کر سوالات کیے جن کے حالات انھیں بذات خود معلوم نہیں ہو رہے تھے،امام دار قطنی نے ان پر جرح وتعدیل کے لحاظ سے لکھ کر کلام کیا پھر بعد میں امام حاکم نے بالمشافہ بھی سوال کئے اور ان میں بعض وہ سوال وجواب بھی ہیں جو امام دار قطنی سے کسی اور نے کئے لیکن امام حاکم اس وقت موجود تھے ان کو بھی اس کتاب میں درج کیا ہے،ان تمام سوال وجواب کو امام حاکم نے ترتیب دیا ہے پہلے ان سوال وجواب کو لکھا ہے جو لکھ کر امام صاحب نے جواب دیئے، پھر کتاب کے آخر میں ان سوالات وجوابات کو درج کیا جو بالمشافہ کئے۔ یہ کتاب مطبوع ہے ''سؤالات الحاکم '' کے نام سے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ امام دار قطنی جرح وتعدیل کے کس قدر بلند مقام امام تھے۔

اسی طرح امام ابوعبدالرحمن السلمی نے اپنے شیخ امام دار قطنی سے سوالات کئے وہ بھی مطبوع ہیں اسی طرح برقانی کے سوالات بھی مطبوع ہیں۔ سوالات حمزہ السھمی بھی عام متداول ہیں۔ ان کتب سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام دار قطنی مرجع خلائق تھے اور ان کے جوابات کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ یہاں بطور فائدہ عرض ہے کہ جس طرح پہلے محدثین کے شاگرد اپنے شیوخ کو بہت ہی اہمیت دیتے تھے،ان سے جو سوالات کرتے ان کو کتابی صورت میں جمع کرتے بالکل اسی

[1]تاریخ بغداد:ج۱۲ص۴۰. [2] السیر:ج۱۱ص۴۳

. طرح ہمارے زمانے میں امام العصر مجدد ملت محدث البانی رحمہ اللہ کے شاگردوں نے بھی شیخ محترم کا بہت احترام کیا،جو ان سے سوالات کئے ان کو کتابی شکل میں محفوظ کیاوالحمدللہ۔راقم کے ناقص مطالعہ کے مطابق ابواسحاق الحوینی، علی حسن الحلبی اور ابن ابی العینین حفظھم اللہ کے سوالات مطبوع ہیں اور عقیدہ ومنہج میں توکئی جلدوں پر مشتمل شیخ ناصر الدین کی کتب شائع ہو چکی ہیں ان میں بھی بے شمار سوالات کے جوابات محفوظ ہیں، لیکن افسوس کہ برصغیر میں اساتذہ کے جوابات کو کتابی شکل میں جمع نہیں کیا جاتا،شاید ادھر علم کو ضائع کرنے والے بہت ہیں اور قدر دان کم ہیں۔راقم نے اپنے تمام شیوخ سے اب تک جو کچھ سوال کئے وہ ''سؤالات ابن بشیر الحسینوی لشیوخنا الکرام '' کے نام سے کتابی شکل میں میرے مخطوطات میں محفوظ ہیں اور مزید اضافہ جاری ہے۔یسر اللہ لنا طبعہ

تصانیف:

آپ نے ساری زندگی علوم حدیث پر کتب تصنیف فرمائیں ان کی تعداد ۵۳ بنتی ہے ان میں سے بعض مطبوع ہیں اور بعض مخطوط ہیں ان کی ضروری تفصیل پیش خدمت ہے:

۱:أحاديث الصفات ۲:أحاديث النزول ۳:الأفرادوالغرائب ۴:الالزامات ۵:التتبع ۶:الرؤية ۷سؤالات البرقانی للدارقطنی ۸:سؤالات الحاكم له ۹:سؤالات السهمی له ۱۰:السنن ۱۱:الضعفاء والمتروكون ۱۲:العلل الواردة فی الأحاديث النبوية ۱۳:غرائب مالک ۱۴:المؤتلف والمختلف فی أسماء الرجال

وفات: آپ ۳۵۸ھ کو فوت ہوئے۔ آپ کی نماز جنازہ امام ابو حامد الاسفرائینی الفقیہ نے پڑھائی۔[1]

[1]سیر اعلام النبلاء:۴۳-۱۱.

۱:سنن الدارقطنی:

امام دارقطنی کی یہ مشہورِ زمانہ کتاب ہے جس میں احادیث کی تعداد ۴۸۳۵ ہے۔ اس میں صحیح احادیث بھی ہیں اور ضعیف بھی۔ اس کتاب میں امام صاحب نے درج ذیل منہج اپنایا ہے: ۱: فقہی ترتیب: اس کتاب میں تمام احادیث فقہی ترتیب کے مطابق لکھی گئی ہیں مثلاً پہلے، کتاب الطھارۃ پھر کتاب الصلاۃ۔۔۔الی آخرہ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو فقہ میں خوب مہارت تھی، بلکہ فقہ کی جزئیات تک نظر تھی، اس لئے تو احکام کے متعلق احادیث کو سنن الدارقطنی میں جمع کیا ہے اور جن ضعیف اور موضوع روایات سے بعض فقہاء استدلال کرتے تھے ان کے ضعف کو واضح کیا ہے۔

۲: جو حدیث جتنے شیوخ سے سنی ہوئی ہیں ان تمام کا نام لیتے ہیں اور سند کی تبدیلی کے وقت "ح" لکھتے ہیں مثلاً حدیث نمبر ا چار شیوخ اور حدیث نمبر ۲ چھ شیوخ سے بیان کرتے ہیں۔

۳: امام دارقطنی کا کوئی استاد اپنے کئی شیوخ سے حدیث بیان کرے تو امام دارقطنی ان تمام کے نام لکھتے ہیں۔ مثلاً دیکھیں حدیث نمبر (۱۱)

۴: امام دارقطنی غریب الحدیث کا بھی اہتمام کرتے ہیں مثلاً قلتین کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ابن عرفۃ نے کہا ہے کہ میں نے ھشیم سے سنا کہ قلتین سے مراد "الجرتین الکبار" ہے۔

۵: امام دارقطنی کی یہ کتاب اصل میں علل کی کتاب ہے۔ ہر حدیث کی زیادہ سے زیادہ سندیں بیان کرتے ہیں، پھر ان میں اختلاف نقل کرتے ہیں اور بعض دفعہ راجح بھی لکھتے ہیں، مثلاً حدیث نمبر: ۲۰ میں لکھتے ہیں: والمحفوظ عن ابن عیاش۔

۶: اگر کسی روایت کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہو تو امام دارقطنی رحمہ اللہ اس اختلاف کو بیان کر کے راجح کی تعیین کرتے ہیں مثلاً دیکھیں (حدیث نمبر: ۷۷،۲۹)

۷: اگر کوئی کثیر الخطا راوی حدیث بیان کرنے میں غلطی کرے تو امام دارقطنی رحمہ اللہ اس غلطی کو بیان کرتے ہیں مثلاً دیکھئے (حدیث نمبر: ۳۸)
۸: امام دارقطنی جرح و تعدیل کے امام تھے یہی وجہ ہے کہ وہ ہر ہر باب میں جو ضعیف روایات ہوں ان کی نشان دہی ضرور کرتے ہیں اور ضعیف روایت کی علت بیان کرتے ہیں مثلاً حدیث نمبر: ۷۴ میں لکھتے ہیں کہ رشدین بن سعد لیس بالقوی ہے۔ حدیث نمبر ۷۰ میں لکھتے ہیں ابن ابی ثابت

لیس بالقوی۔ حدیث نمبر ۷۵ میں لکھتے ہین ابان بن عیاش متروک۔ حدیث نمبر ۸۴ میں لکھتے ہیں سعید بن ابی سعید ضعیف، حدیث نمبر ۸۶ پر تبصرہ کرتے ہیں غریب جدا خالد بن اسمٰعیل متروک، اسی طرح اگر کوئی روایت مرسل ہو تو اس کی وضاحت کر دیتے ہیں مثلا دیکھئے حدیث نمبر:۴۹
۹:امام دارقطنی اپنی اس کتاب میں مرفوع کے علاوہ صحابہ (ح:٦٦) تابعین کے اقوال بھی باسند لائے ہیں مثلا دیکھئے (حدیث نمبر:۵۳)

۱۰:بعض احادیث کا صحیح ہونے کا حکم لگاتے ہیں مثلا حدیث نمبر:۸۷ پر لکھتے ہیں اسنادہ حسن۔ حدیث نمبر ۸۵ پر لکھتے ہیں ھذا اسناد صحیح۔ نیز دیکھیں ح ۹٦ بعض دفعہ کئی احادیث پر اکٹھا ہی حکم لگا دیتے ہیں مثلا حدیث نمبر ۱۰۱ سے ۱۰۳ تک کی احادیث کو ان الفاظ میں حکم لگاتے ہیں:ھذہ اسانید صحاح۔

۱۱:امام دارقطنی رحمہ اللہ اپنی خاص سند کا لحاظ کرتے ہوئے الگ الگ سند پر حکم لگاتے ہیں اس لئے سنن الدارقطنی کے مطالعہ کے دوران کئی ایک متون صحیح بخاری سے ملتے جلتے نظر آئیں گے لیکن ان کی سند جو امام دارقطنی رحمہ اللہ کو ملی اس میں ضعیف یا متروک راوی ہو تو اس کی وضاحت کر دیتے ہیں حالانکہ اس متن کے کئی اور طرق بھی ہوتے ہیں امام دارقطنی ان کا لحاظ کرتے ہوئے متن حدیث کو صحیح یا حسن قرار نہیں دیتے بلکہ اپنی خاص سند کا لحاظ کرتے ہوئے حکم لگاتے ہیں۔ یہی تحقیق سنن الدارقطنی کے محقق شیخ مجدی بن منصور حفظہ اللہ نے پیش کی ہے۔[1]

[1]مقدمہ تحقیق سنن الدارمی ج۱ص۴.

۲:رؤیۃ اللّٰہ:

امام دارقطنی عقیدے کا ایک اہم مسئلہ کہ " قیامت کو مومن اللہ تعالی کا دیدار کریں گے" کے موضوع پر اپنی اس کتاب میں ۲۸۷ مرفوع باسند احادیث لائے ہیں۔ جن میں اسی ایک مسئلے کا اثبات کیا گیا ہے۔ اصول حدیث کی اصطلاحات میں اس کو " **جزء فی رؤیۃ اللّٰہ**" کا نام دینا چاہئے۔

۲:بعض احادیث پر صحت وضعف کے اعتبار سے حکم بھی لگائے ہیں۔ مثلا پہلی حدیث کے آخر میں لکھتے ہیں: قال الدارقطنی:"ہذا حدیث صحیح أخرجہ البخاری فی صحیحہ"

۳:بعض احادیث کے آخر میں اسناد کا اختلاف نقل کرتے ہیں، مثلا دس نمبر حدیث کے آخر میں سند کا اختلاف نقل کیا ہے۔

۴:فی کتابہ کی وضاحت۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ اپنی کتاب میں اس روایت کی" **فی کتابہ** "کہہ کر وضاحت کرتے ہیں جو شیخ نے اپنی کتاب سے بیان کی ہو گی۔ مثلا دیکھیں حدیث نمبر:۴۸ ۵: کبھی سند کے شروع میں اپنے شیخ کا نام تفصیل سے لکھتے ہیں۔مثلا: **حدثنا أبو بکر أحمد بن محمد بن اسماعیل الآدمی المقریء الشیخ الصالح** (حدیث نمبر:۴۹)

٦:بعض راویوں پر جرح وتعدیل کے لحاظ سے حکم لگاتے ہیں مثلا **حدثنا ابو بکر احمد بن محمد بن اسماعیل الآدمی المقری الشیخ الصالح** (حدیث نمبر:۴۹)

۷:امام دار قطنی مسانید کے طرز پر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے نام سے روایت بیان کرتے ہیں پھر اس کی مختلف سندوں کو بیان کرتے ہیں اور ہر ہر سند کے ساتھ اس کا متن بھی بیان کر دیتے ہیں۔مثلا حديث أبي سعيد الخدری رضی الله عنه بحث کرتے ہیں۔۔۔ آج بھی جو انسان اپنے آپ کو خدمتِ حدیث کے لئے وقف کرلے اللہ تعالی اس کو بہت کچھ عطافرمادیتاہے لیکن افسوس کہ ڈگریوں کے چکر اور فکرِ معاش نے محدثین کی فکر رکھنے والے کھو دیئے!! [1]

۴:جزء ابی طاہر

اس جزء میں ۱۶۲ احادیث ہیں جن کو امام دار قطنی نے ابو طاہر کی سند سے روایت کیا ہے اس میں مختلف موضوعات کے متعلق احادیث ہیں۔

۵:الالزامات

اس کتاب میں ان احادیث کو جمع کیا گیاہے جو امام دار قطنی رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں ہونی چاہئے تھیں، کیونکہ انھیں کی مثل احادیث بخاری یا مسلم میں ہیں تو یہ کیوں نہیں،اس کتاب کی وجہ تسمیہ خود امام دار قطنی رحمہ اللہ یہی لکھی ہے۔[2]

یہ گویا ایک طرح کے الزام ہیں کہ امام بخاری یا امام مسلم فلاں روایت اپنی اپنی صحیح میں کیوں نہیں لائے،حالانکہ وہ بھی ان کی شروط پر تھی۔

۶:التتبع:

امام دار قطنی رحمہ اللہ نے اس کتاب میں ان روایات کو موردِ الزام ٹھہرایاہے جو صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہیں۔امام دار قطنی کی تحقیق میں ان میں کوئی نہ کوئی علت ہے۔

فائدہ: امام دار قطنی رحمہ اللہ کے یہ دو الگ الگ رسالے ہیں الالزامات الگ ہے اور التتبع الگ ہے لیکن ان دونوں کا تعلق صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے ہے اس لئے اہل علم نے ان دونوں کو ایک جگہ جمع کر دیاہے۔۲۱۸ صحیح بخاری اور صحیح مسلم یا صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی روایات کو معلول قرار دیاہے۔یادرہے امام دار قطنی کے ان اعتراضات کے جوابات محدثین

[1]ہم نے اپنی دو حصوں پر مشتمل کتاب''نصیحتیں میرے اسلاف کی''شائع کی ہے یہ کتاب طالب علم کو بہت اونچا منہج دیتی ہے۔جو بھی طالب علم ہماری اس کتاب کو دل لگا کر پڑھے گا اس کے اندر محدثین جیسی تڑپ اور فکر پیدا ہو گی۔ان شاء اللہ (الحسینوی). [2] دیکھئے: الالزامات والتتبع(ص:۶۴)

نے دے دیئے ہیں مثلا حافظ ابن حجر العسقلانی نے هدی الساری میں اور شیخ مقبل نے الالزامات والتتبع کے حاشیے میں فجزاھما اللہ خیرا، امام دار قطنی کے اعتراضات مرجوح ہیں اور ان میں حق مام بخاری اور امام مسلم کے ساتھ ہے،یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی تمام مسند احادیث صحیح ہیں اور اس پر امت کا اتفاق ہے۔

۷:کتاب الصفات

اس کتاب میں امام دار قطنی نے ان احادیث کو جمع کیا ہے جن کا تعلق اللہ تعالی کی صفات کے ساتھ ہے مثلا اللہ تعالی کے قدم ہیں، اللہ تعالی کے ہاتھ ہیں اور دونوں ہاتھ دائیں ہیں،اللہ تعالی کی انگلیاں ہیں وغیرہ۔ اس میں ہر ہر صفت کو باسند مرفوع احادیث سے ثابت کیا ہے۔ والحمدللہ

۸:غرائب مالک

اس کتاب میں امام دار قطنی رحمہ اللہ نے موطاامام مالک سے ان روایات کو جمع کیا ہے جو منفرد اور غرائب ہیں اور ان روایات پر جرح وتعدیل کے لحاظ سے بحث کی ہے

۹:فضائل الصحابۃ

فضائل صحابہ رضی اللہ عنھم اجمعین پر ایک عجیب وغریب انداز میں لکھی ہوئی کتاب ہے۔اس انداز میں امام دار قطنی کو سبقت حاصل ہے۔اس کتاب میں امام دار قطنی کے منہج کی ضروری تفصیل درج ذیل ہے۔ امام دار قطنی نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ کی تعریف سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد سے ثابت کی ہے۔ یہ کتاب ان گم راہ لوگوں پر زبردست رد ہے جو فضیلت علی رضی اللہ عنہ کے قائل ہیں، لیکن صدیق اکبر کے نہیں۔امام دار قطنی سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ۲۱۰ احادیث وآثار لائے ہیں۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف میں سیدنا علی رضی اللہ کے بیٹوں اور ان کے اہل وعیال سے مروی، ۶۰ احادیث و آثار لائے ہیں بس یہ کتاب اسی پر مکمل ہو جاتی ہے۔

۱۰:النزول

اس کتاب میں امام دار قطنی رحمہ اللہ نے اس مسئلے کو(۷۸) احادیث سے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالی آسمانِ دنیا کی طرف رات کے آخری تہائی حصے میں اترتے ہیں۔ سبحان اللہ، محدثین کی زندگیاں دینِ اسلام کی خدمت کے لئے وقف تھیں کہ انہوں نے کس قدر محنت سے ہر ہر مسئلے پر کتب تصنیف کیں۔ یہاں تک کہ صرف اللہ تعالی کی صفات پر کئی ایک کتب تالیف فرمائیں۔**فجزاھم اللہ خیرا**

اس کتاب میں مسانید کے انداز سے احادیث جمع کی گئی ہیں۔سب سے پہلے وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی احادیث لائے ہیں پھر سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی پھر دیگر صحابہ کرام کی۔

امام دار قطنی کی کتبِ جرح وتعدیل کا منہج

سؤالات ابی بکر البرقانی للامام الدارقطنی فی الجرح والتعدیل

۸۴۳ رواۃ پر جرح وتعدیل کے لحاظ سے سؤال وجواب ہیں۔ حروف تہجی کے اعتبار سے یہ کتاب مرتب ہے۔ اس کتاب میں اکثر امام دار قطنی کے شیوخ یا شیوخ کے شیوخ کا تذکرہ ہے۔

سؤالات ابی عبدالرحمن السلمی للامام الدارقطنی فی الجرح والتعدیل وعلل الحدیث

۵۱۸ رواۃ پر بحث ہے۔ حروف تہجی کے اعتبار سے یہ کتاب مرتب ہے۔

سؤالات ابی عبداللہ الحاکم النیشابوری للامام الدار قطنی فی الجرح والتعدیل وعلل الحدیث

۵۳۵ رواۃ پر بحث ہے ہے۔ حروف تہجی کے لحاظ سے رواۃ مرتب ہیں۔ امام حاکم نے اہل عراق کے رواۃ جن کا انہیں علم نہیں تھا، ان کے نام لکھے اور امام دار قطنی پر پیش کر دیئے۔ انہوں نے ان تمام پر حکم لگا دیا۔

سؤالات حمزۃ بن یوسف السَہمی للامام ابی الحسن الدارقطنی فی الجرح والتعدیل وعلل الحدیث

امام حمزہ السہمی نے سؤالات صرف امام دار قطنی سے نہیں کیے بلکہ اس دور کے اور بھی محدثین پر کیے تھے مثلاً ابو بکر الاسماعیلی، ابن غلام الزہری، ابو زرعہ الکشی، ابو مسعود الدمشقی وغیرہ۔ اس لحاظ سے یہ کتاب دیگر کتبِ سؤالات سے منفرد ہے۔ نیز اس کتاب میں کئی ایک متقدمین ائمہ جرح و تعدیل کے اقوال بھی موجود ہیں۔ کل رواۃ ۴۶۰ ہیں۔

سؤالات ابی عبداللہ بن بکیر البغدادی للامام الدارقطنی فی الجرح والتعدیل وعلل الحدیث

امام ابن بکیر بغدادی نے امام دار قطنی سے صرف ان رواۃ کے بارے میں سؤالات کیے جو صحیح بخاری، صحیح مسلم اور الضعفاء للنسائی کے راوی تھے۔ کل تعداد ۵۶ ہے۔ شروع میں ۳۱ رواۃ حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب ہیں پھر "الباب الثانی ذکر ما ورد فی اثبت اصحاب الشیوخ الذین دار علیھم الاسناد" قائم ہے۔ اس میں ۳۷ سے لے کر ۵۶ تک روات ہیں۔ کتاب کی ترتیب مشہور محدثین کے شاگردوں پر الگ الگ فصول کی شکل میں ہے، مثلاً اصحاب ابن جریج وغیرہ

موسوعۃ اقوال الدار قطنی

اس کتاب کو السید ابو المعاطی النوری نے جمع کیا ہے۔ اس کتاب میں امام دار قطنی کی تمام کتب اور دیگر کتبِ جرح وتعدیل سے امام دار قطنی کے اقوال جمع کیے ہیں۔ یہ کتاب مختلف ابواب پر مشتمل ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

الباب الاول: اسماء الرجال

الباب الثانی: کنی الرجال

الباب الثالث: الابناء

الباب الرابع: الانساب

الباب الخامس: الالقاب

الباب السادس: المبهمات من الرجال

الباب السابع: اسماء النساء

الباب الثامن: الکنی من النساء

الباب التاسع: فی مصطلح الحدیث

الباب العاشر: فی مصطلح الحدیث

الباب الحادی عشر: فی العقیدہ

الباب الثانی عشر: فی العلل

الباب الثالث عشر: فی الانساب

امام دارقطنی کی دیگر کتبِ جرح وتعدیل

اسماء التابعین

تعلیق و استدراکات الدارقطنی علی کتاب المجروحین لابن حبان

الذیل علی التاریخ الکبیر

کتاب الرواۃ عن مالک

کتاب الضعفاء والمتروکین

کتاب العلل الواردۃ فی الاحادیث النبویۃ

امام ابن حبان رحمہ اللہ کی کتبِ رجال کا منہج

مکمل نام: ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ بن معبد بن شہید البستی الخراسانی رحمہ اللہ نسبتیں: التمیمی، الدارمی، البستی

پیدائش اور وفات: آپ ۲۷۱ھ میں پیدا ہوئے اور سجستان میں شوال ۳۵۴ھ کو

وفات پائی۔

مقام ومرتبہ: امام حاکم نے کہا: کان من أوعیۃ العلم۔۔۔ومن عقلاء الرجال۔ [1]

امام ذہبی نے کہا: الامام العلامۃ الحافظ المجود شیخ خراسان۔[2]

امام خطیب بغدادی نے کہا: کان ابن حبان ثقۃ نبیلا فہِما۔ [3]

امام ابن حجر نے کہا: کان من ائمۃ زمانہ۔ [4]

امام ابن الاثیر نے کہا: امام عصرہ۔ [5]

فن رجال پر کتب:

التاریخ الکبیر

تاریخ الثقات

کتاب المجروحین

علل اوہام المؤرخین

علل مناقب الزہری عشرون جزءا

علل حدیث مالک عشرۃ اجزاء

علل ما اسند ابو حنیفة عشرة اجزاء

ماخالف فیه سفیان شعبة ثلاثة اجزاء

ما خالف فیه شعبة سفیان جزء ان الکنی

کل کتب ۲٦ تصنیف کیں، لیکن اکثر کتب ضائع ہو گئیں۔ ہمارے پیش نظر ان کی دو کتب ہیں جن کا منہج پیش خدمت ہے۔ یہ دونوں کتب انہوں نے اپنی کتاب التاریخ الکبیر

[1]لسان المیزان:۵۱۱۴. [2] سیر اعلام النبلاء:۱٦۹۲. [3] طبقات الحفاظ ص:۳۷٦. [4] لسان المیزان:۵۱۱۲. [5] اللباب فی تهذیب الانساب:۱۱۵۱.

سے اخذ کیں۔

الثقات لابن حبان کا منہج:

امام ابن حبان جلیل القدر امام تھے، ان کی خدماتِ حدیث بہت زیادہ ہیں۔ ایک طرف انہوں نے حدیث کی ایک بہت قیمتی کتاب جو "صحیح ابن حبان" کے نام سے مشہور ہے، لکھی تو دوسری طرف فنِ رجال پر دو معتبر کتب "الثقات" اور" المجروحین "بھی لکھیں۔ بعض متاخرین نے انہیں مطلقا متساہل قرار دیا ہے جو بالکل غلط ہے۔ تاہم امام ابن حبان مجہولین کو ثقہ کہنے میں متساہل ہیں۔ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

ل ہے کہ راوی سے روایت لینے والا ثقہ ہو اور کسی نے اس پر جرح نہ کی ہو، اس کی روایت منکر نہ ہو، تو وہ راوی ثقہ ہوتا ہے۔ اس موقف پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ یہ عجیب مذہب ہے جمہور اس کے خلاف ہیں۔ یہی ابن حبان کا اسلوب ان کی کتاب الثقات میں ہے، چنانچہ اس میں انہوں نے بہت سے راویوں کا ذکر کیا ہے، جنھیں امام ابو حاتم وغیرہ نے مجہول کہا ہے۔[1]

امام ابن حبان نے الثقات کے مقدمہ میں یہ اصول بیان کیا ہے کہ جس راوی سے کوئی ثقہ راوی روایت کرنے والا ہو اور اس پر کوئی جرح نہ ہو اور اس کی روایت منکر بھی نہ ہو تو وہ راوی ثقہ ہے۔ علامہ ابن عبد الهادی نے اس اصول پر تفصیل سے رد کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ امام ابن حبان ایسے رواۃ بھی الثقات میں لے آئے ہیں جن سے خود بھی واقف نہیں۔ مثلا سہل یروی عن شداد بن الهاد کے بارے میں امام ابن حبان لکھتے ہیں کہ ولست اعرفه، ولا ادری من ابوه؟ اس طرح کی کافی مثالیں ابن عبد الهادی نے اپنی کتاب الصارم المنکی (۳۷۴-۳۷٦) میں بیان کی ہیں۔[2]

[1]لسان المیزان: ۱۴-۱)نیز دیکھیے:اعلاء السنن فی المیزان(ص: ۲۹۵-۲۹۹. [2] نیز دیکھیں: لسان المیزان (۹۳-۱-۹۴.(

حافظ ابن حجر نے کہا: اگر مجہول الحال راوی جرح وتعدیل سے خالی ہو اور اس کا شیخ اور شاگرد دونوں ہی ثقہ ہوں اور اس نے کوئی منکر خبر بیان نہ کی ہو تو وہ ابن حبان کے نزدیک ثقہ ہے۔ اس قسم کے رواۃ کی تعداد الثقات لابن حبان میں کافی ہے۔[1]

حافظ ذہبی موقظہ (ص:۷۸) میں لکھتے ہیں: متاخرین میں کئی جماعتوں کے ہاں ثقہ کا اطلاق مجہول الحال راوی پر مشہور ہے۔ اسے مستور بھی کہتے ہیں اور "محلہ الصدق "اور "شیخ" کے لفظ سے بھی ذکر کرتے ہیں۔ ان اقوال پر تبصرہ کرتے ہوئے فاضل بھائی ابو المحبوب انور شاہ الراشدی حفظہ اللہ

لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ یہ اس صورت میں ہے کہ اگر اس نے کوئی منکر حدیث بیان نہ کی ہو، یہی بات خود حافظ ذہبی نے بھی دوسری جگہ کہی ہے، یعنی "عدم نکارت" کی شرط لگائی ہے۔ آپ میزان الاعتدال میں مالک بن الخیر کے ترجمے میں فرماتے ہیں: **والجمهور على ان من كان من المشائخ قد روى عنه جماعة، ولم يأت منكر بما ينكر عليه ان حديثه صحيح۔**

علامہ معلمی یمانی رحمہ اللہ نے الثقات کے راویوں کو پانچ درجوں میں تقسیم کیا ہے۔[2] [1

[فتح المغیث:۳۷-۱. [2] التنکیل:۴۳۵-۱-۴۳۴،،علم حدیث کو کھلواڑ اور بازیچہ اطفال بنانے کی مذموم کوشش--قسط:۱۹.

کیاامام ابنِ حبان جرح میں متشدد اور توثیق میں متساہل ہیں؟

یہ بات علامہ عبدالحیء لکھنوی حنفی رحمہ اللہ نے لکھی ہے کہ امام ابن حبان جرح میں متشدد اور توثیق میں متساہل ہیں۔[2]

امام ذہبی نے ایک جگہ کہا: **فأما ابن حبان فأسرف واجترأ**۔[3] **ایک جگہ لکھتے ہیں: وأما ابن حبان فانه خساف قصاب**۔[4]

اسی طرح حافظ ابن حجر نے بھی بعض مقامات پر امام ابن حبان کی سختی کا ذکر کیا ہے۔

[1] الثقات: ۶۲۰۴ نیز دیگر مثالیں دیکھنے کے لیے رجوع کریں۔ الثقات: ۹۱۸۷، ۸۳۶۴، ۸۴۵، ۷۳۴۵. [2] الرفع والتکمیل ص: ۲۶۴. [3] میزان: ۳۳۵۰. [4] میزان: ۵۵۹.

سے مخاصمہ کیا جائے۔[1]

شیخ معلمی یمانی نے (التنکیل: 1 / 435 436)) امام ابن حبان کی توثیق کو پانچ اقسام میں تقسیم کیا ہے، ان کے ہاں پہلی چار قسمیں اپنے اپنے درجات کے اعتبار سے قبولیت کے درجے پر ہیں اور آخری قسم میں خلل کا اندیشہ ذکر کیا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **"وإن مما يجب التنبيه عليه أيضاً ؛ أنه ينبغي أن يضم إلى ما ذكره المعلمي أمر آخر هام، عرفته بالممارسة لهذا العلم، قلَّ من نبه عليه، وغفل عنه جماهير الطلاب، وهو أن من وثقه ابن حبان وقد روى عنه جمع من الثقات، ولم يأت بما ينكر عليه ؛ فهو صدوق يحتج به"**

یعنی جس کی ابن حبان نے توثیق کی ہو، پھر ثقات کی ایک جماعت اس سے روایت کرتی ہو اور اس نے کوئی منکر روایت بیان نہ کی ہو تو وہ صدوق ہے، اس سے حجت پکڑی جائیگی۔[2]

اگر قارئین پوری "المجروحین" کو دیکھیں تو اندازہ ہو گا کہ امام صاحب رواۃ کی احادیث کا سبر وتتبع کیا کرتے تھے۔ لیکن بات یہ ہے کہ حقائق یہ بتاتے ھیں کہ امام صاحب سے بہر حال "کتاب الثقات" میں بتقاضائے بشریت رواۃ کے حوالے سے تساھل ہو گیا ہے اور اس میں انہوں نے ایسے رواۃ کو بھی ذکر کر دیا ہے جنکی مناکیر واضح ھیں۔ اگر "کتاب الثقات" میں مذکور رواۃ کی مناکیر دیکھنا چاہتے ہیں تو "التاریخ الکبیر "

للامام البخاری" میزان الاعتدال" للذھبی، "لسان المیزان" لابن حجر، اور "سلسلہ صحیحہ" سلسلہ ضعیفہ" اور "الارواء" للعلامہ البانی رحمہم اللہ کو ملاحظہ کیا جائے جن سے معلوم ہو جائے گا کہ ان روایات میں بظاہر کوئی بھی علت معلوم نہیں ہوتی ماسوائے "کتاب الثقات"

میں مذکور رواۃ کے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بہرحال "کتاب الثقات" میں مذکور تمام رواۃ ثقہ نہیں، بلکہ خود امام ابن حبان کے نزدیک بھی وہ ثقہ نہیں۔

[1]فتح المغيث:(: 37/1. [2] تمام المنة: 25.

رواۃ کی ولادت، وفیات رحلات کا علم

علم رجال کی معرفت کے حوالے سے ایک مرحلہ یہ بھی آتا ہے کہ یہ دیکھنا چاہئے کہ راوی کی پیدائش کب ہے اور وفات کب ہے؟ روایتیں بھی آتی ہیں، حکایتیں بھی آتی ہیں اور اس کے بیان کرنے والے بھی اچھے خاصے راوی ہوتے ہیں، لیکن جس وقت تقابل کیا جاتا ہے، اس وقت پریشانی ہوتی ہے کہ یہ بات سچی اور درست معلوم نہیں ہوتی۔ بلکہ محدثین رحمۃ اللہ علیہم نے یہ جو وفیات کے علم کو جاننے کا ایک مستقل عنوان رکھا ہے۔ کیونکہ کچھ ایسے راوی ہیں جو کہتے ہیں کہ میں نے فلاں سے سماع کیا ہے، فلاں سے سماع کیا ہے، اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے لئے، اور بڑا بنانے کے لئے، لیکن جب پوچھا جائے کہ آپ پیدا کب ہوئے؟ تو کہتے ہیں جی فلاں سن میں۔ جب پیدائش کی بات بتلاتے ہیں تو عُقدہ کھل جاتا ہے کہ یہ تو پیدا ہی حضرت صاحب کی پیدائش کے بعد ہوئے ہیں۔ تو اس طرح اس کا جھوٹ واضح ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر دیکھئے کہ اسماعیل بن عیاش نے ایک راوی سے پوچھا کہ "**في اى سنة كتبت من خالد بن معدان**"، خالد بن معدان سے کب سماع کیا ہے۔ تو وہ کہنے لگے کہ ۱۱۳ھ میں، میں نے خالد بن معدان سے سماع کیا ہے۔ تو وہ کہنے لگے: "**انت تزعم انک سمعت منه بعد موته بسبع سنين**" کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے ان کے مرنے کے بعد قبر میں جا کے سات سال بعد ان سے سماع کیا ہے۔[1]

وہ تو سات سال پہلے فوت ہو چکے تھے، تو اس راوی کا جھوٹ ثابت ہو گیا، یعنی راویوں کے پرکھنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ راویوں کا سماع دیکھا جائے، ان کی ولادت و وفات دیکھی جائے۔ اسی طرح معلی بن عرفان[2] کہتے ہیں کہ **حدثني ابو وائل خرج علينا ابن مسعود بصفين**،[3] آپ جیسا ہوشیار آدمی بیٹھا تھا، وہ کہنے لگا کہ دیکھو! معلی کیا کہہ رہا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہمارے پاس صفین میں آئے، حالانکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو فوت ہو گئے تھے عثمان غنی کے دور میں، تو صفین میں کب آئے؟ اس قسم کے راویوں کو پہچاننے کے لئے ایک ذریعہ یہ وفیات کا بھی ہے۔

[1]الجامع لاخلاق الراوی :۱/۱۳۲، نمبر : ۱۳۵، امتحان الراوی بالسوال عن وقت سماعه ، فتح المغيث:۳/۳۶۶، تدريب الراوی:۲/۳۶۶، النوع الستون،التواريخ والوفيات، الكفاية : ۱۹۳۔ مختلف کتب میں یہ واقعہ موجود ہے لیکن اس میں تھوڑا اختلاف بھی ہے۔ جیسا کہ تدریب اور الجامع میں جو واقعہ ہے وہ وہی ہے جس طرف شیخ محترم اشارہ کر رہے ہیں، جبکہ الكفاية ، ابن ابی حاتم کی الجرح والتعديل ،حافظ ذہبی کی میزان میں بھی یہ واقعہ ہے ۔ عمر بن موسی بن وجيه الحمصی کے حوالے سے ہے، اس میں تواریخ مختلف ہیں۔ ۱۱۳ھ کی جگہ ۱۰۸ ہے ،خالد بن معدان کی وفات یہاں ۱۰۴ھ بیان کی گئی ہے ،اس لحاظ سے درمیانی وقفہ ستر کی بجائے چار سال کا ہوا۔ فتح المغیث میں یہ دونوں واقعے موجود ہیں ،اور ان کی وفات کے حوالے سے اختلاف کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ دیکھئے : ۳/۳۶۶، دارالمنہاج [2] معلی بن عرفان الاسدی الکوفی ، ابن معین نے اسے ليس بشيء ، امام بخاری نے اسے منكر الحديث امام نسائی نے اسے متروك الحديث کہا ہے۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں غالی شیعوں میں سے ہے، ابو حاتم نے ضعيف الحديث ، ابو وائل کہتے ہیں ابو وائل سے مناکیر بیان کرتا ہے، دیکھئے : لسان المیزان : ۱۲۴/۷۔ نیز امام دارقطنی نے الضعفاء

والمتروکین میں ذکر کیا ہے، ابن عدی نے الکامل فی الضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ امام ذہبی نے دیوان الضعفاء میں ذکر کیا۔ [3] مقدمہ صحیح مسلم ، فتح المغیث : ۴/۳۶۷، الجرح والتعدیل :۸/۳۳۰ ، اس پر تبصرہ کے طور پر ابن ابی حاتم نے ابو نعیم کا قول نقل کیا : ''فیا سبحان اللہ قبر ثم بعث بعد الموت''

ایک بہت بڑے قاضی اصبغ بن خلیل القاضی[1] نے ایک روایت بیان کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہی اپنی سند بیان کر کے کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کے پیچھے نمازیں پڑھی، میں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے بھی نمازیں پڑھیں، عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے بھی نمازیں پڑھیں اور عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے بھی۔ اور کوفہ میں علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے بھی نمازیں پڑھیں، اور نبی ﷺ بھی اور خلفاء راشدین بھی نماز میں رفع الیدین نہیں کرتے تھے[2] یہ بات اصبغ بن خلیل بیان کرتا ہے جو مالکی فقیہ ہے اور قاضی ہے، پچاس سال تک عہدہ قضاء پر فائز رہا ہے۔ مگر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو فوت ہوئے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں اور علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں نمازیں پڑھانے لگے جب وہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ چھوڑ کر چلے گئے، تو کیا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قبر سے نکل کر انہوں نے نمازیں پڑھی تھیں؟؟ تو اصبغ بن خلیل کا یہ جھوٹ نتر گیا، اس کا جھوٹا ہونا ثابت ہو گیا۔ اسی قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ جو کہ ایک بڑے امام ہیں، انہوں

[1]اصبغ بن خلیل القرطبی الاندلسی المالکی حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ بڑے عبادت گزار اور صاحب ورع تھے۔ اسے ابن الفرضی نے متہم بالکذب کہا بلکہ اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ ''كان أصبغ بن خليل حافظًا للرأي على مذهب مالك فقيهًا في الشروط بصيرًا بالعقود ودارت عليه الفُتيا ولم يكن له علم بالحديث، وَلا معرفة بطرقه بل كان يعاديه ويعادي أصحابه''(لسان المیزان : ۲/۱۵۲)قاسم بن اصبغ نے اصبغ بن خلیل سے مصنف ابن ابی شیبہ کی توہین پر مبنی سخت کلمات سنے تو اس کو بددعا کی (سیر اعلام النبلاء : ۱۳/۲۰۲، مؤسسة الرسالة) [2] حافظ ذہبی یہ روایت نقل کرنے کے بعد قاضی عیاض کا اس پر تبصرہ نقل کیا : ''فوقع في خطأ عظيم بين، منها أن سلمة بن وردان لم يرو عن الزهري، ومنها أن الزهري لم يرو عن الربيع بن خثيم ولا رآه. ومنها قوله عن ابن مسعود: صليت خلف على بالكوفة خمس سنين، وقد مات ابن مسعود في خلافة عثمان بالإجماع'' اور پھر خود تبصرہ کیا کہ ''قلت: ومنها أنه ما صلى خلف عمر وعثمان إلا قليلا، لأنه كان في غالب دولتهما بالكوفة. فهذا من وضع أصبغ'' (میزان الاعتدال)

نے تفسیر میں بھی اور تاریخ میں بھی، تفسیر میں سورۃ العصر کی تفسیر میں اور البدایۃ والنھایۃ کی چھٹی جلد میں ذکر کیا ہے کہ جناب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مسیلمہ کذاب کے پاس گئے، کب؟ ''فی الجاھلیۃ'' جاہلیت کے دور میں۔ جب صنعاء میں مسیلمہ کذاب کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ مسیلمہ نے کہا کہ آج کل آپ کے صاحب پر کیا نازل ہوا؟ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ آج کل ایک سورت نازل ہوئی [وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝]، وہ کہنے لگا اچھا مجھ پر بھی وحی نازل ہوئی ہے۔ مسیلمہ نے اپنے بنائے ہوئے الفاظ عمرو کے سامنے نقل کر دیئے۔ اب یہ واقعہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں۔[1] اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ پہلے تو سورت جس طرح کہ سیوطی رحمہ اللہ نے الاتقان میں کہا ہے کہ یہ وہ سورت ہے جو نزول کے اعتبار سے تقریباً بارھویں یا تیرھویں نمبر پر ہے۔[2] یعنی اوائل میں یہ سورت نازل ہوئی ہے۔ اس وقت عمرو بن عاص مسلمان نہیں تھے، مسیلمہ نے دعوی نبوت عام الوفود کے بعد ۹ ہجری کے بعد کیا ہے، بلکہ عام الوفود میں یہ نبی ﷺ

[1]تفسیر ابن کثیر : ۸/۴۴۹، دار الحدیث القاهرة، تفسیر سورة العصر ،اور سورۃ یونس کی آیت نمبر :17 کے تحت، البداية والنهاية :۹/۴۷۴، مقتل مسيلمة كذاب لعنه الله، طبع دار عالم الكتب [2] عکرمہ اور حسن بن ابی الحسن کا قول نقل کیا ،اس کے مطابق بارھواں نمبر ہے: ''ما أنزل الله من القرآن بمكة: اقرأ باسم ربك ون والمزمل والمدثر وتبت يدا أبي لهب وإذا الشمس كورت وسبح اسم ربك الأعلى والليل إذا يغشى والفجر والضحى وألم نشرح والعصر ''(الاتقان: ۱/۵۰)ایک قول ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا اس میں بھی سورۃ العصر کا نمبر بارھواں ہے چنانچہ اس کی عبارت یہ ہے : '' وكان أول ما أنزل من القرآن: اقرأ باسم ربك ثم ن ثم يا أيها المزمل ثم يا أيها المدثر ثم تبت يدا أبي لهب ثم إذا الشمس كورت ثم سبح اسم ربك الأعلى ثم والليل إذا يغشى ثم والفجر ثم والضحى ثم ألم نشرح ثم والعصر '' (الاتقان: ۱/۵۴) اور جو ترتیب جابر بن زید رحمہ اللہ سے بیان کی ہے اس میں اس کا تیرھواں نمبر بنتا ہے اس کی عبارت یہ ہے : '' عن جابر بن زيد قال: أول ما أنزل الله من القرآن بمكة: {اقرأ باسم ربك} ثم: {ن والقلم} ثم: {يا أيها المزمل} ثم: {يا أيها المدثر} ثم: {الفاتحة} ثم: {تبت يدا أبي لهب وتب} ثم: {إذا الشمس كورت} ثم: {سبح اسم ربك الأعلى} ثم: {سبح اسم ربك الأعلى} ثم: {والفجر} ثم: {والضحى} ثم: {ألم نشرح} ثم: {والعصر}'' (الاتقان: ۱/۱۶۸) جابر بن زید والی رروایت کو علامہ سیوطی نے سیاق غریب اور اس کی ترتیب کو محل نظر قرار دیا۔ (الاتقان: ۱/۱۶۹)

کے پاس حاضر ہوا ہے، مسیلمہ کا نبی ﷺ کے پاس حاضر ہونا منقول ہے۔ بدایہ ہی میں ہے[1] کہ یہاں سے جانے کے بعد دعوی نبوت کیا ہے، اور یہ خود حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔ اور یہ واقعہ بتلاتا ہے کہ جب اس نے دعوی نبوت کیا تو ابھی نبی ﷺ مکہ میں تھے۔ لہذا تاریخی اعتبار سے یہ حکایت درست ثابت نہیں ہوتی۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ احادیث ہوں یا واقعات ہوں ان کو پرکھنے کے لئے یہ سنین کا علم ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ یہاں ایک اور لطیفے کی بات سنئے! السیر الکبیر امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب ہے، اس کے بارے میں علامہ السرخسی نے اور انہی کے حوالے سے عقود رسم المفتی میں ابن عابدین رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ السیر الکبیر جب امام محمد نے لکھی تو امام اوزاعی رحمہ اللہ نے اس کو دیکھا اور کہا کہ یہ سیر کا علم اہل کوفہ کا علم نہیں یہ اہل شام کا علم ہے، امام محمد رحمہ اللہ کو پتہ چلا تو انہوں نے السیر الکبیر لکھی، اور اس سے امام اوزاعی رحمہ اللہ مبہوت ہوگئے، اور ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ "**هو آخر تصنيف صنفه في الفقه**" یہ امام محمد کی فقہ میں آخری کتاب ہے۔[2]

اب سنین کے دائرے میں اس حکایت کو دیکھتے ہیں تو امام محمد ۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۹ھ میں فوت ہوئے ہیں، جبکہ امام اوزاعی ۱۵۸ھ میں فوت ہوئے ہیں۔ گویا کہ یہ امام اوزاعی کی وفات کے بعد امام محمد بن حسن شیبانی ۳۱سال زندہ رہتے ہیں، اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ ۳۱سالوں میں السیر الکبیر کے بعد کچھ نہیں لکھا حالانکہ یہ امر واقع کے خلاف ہے امام محمد رحمہ اللہ نے تو

[1]البداية والنهاية :۷/۲۵۲، قصة ثمامة و وفد بنى خليفة و معهم مسيلمة الكذاب لعنه الله ، طبع دار عالم الكتب، حافظ نے صحیح بخاری سے مسیلمہ کا قدوم ثابت کیا ہے، جو کہ صحیح بخاری کی حدیث نمبر ۴۳۷۸، ۴۳۷۵، ۴۳۷۴، ۴۳۷۳، ۴۳۷۹ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کی حدیث نمبر ۴۳۷۳ کے تحت ابن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ مسیلمہ کا دعوی نبوت دسویں ہجری میں ہوا تھا۔ [2] رسم المفتی:۷

بہت کچھ لکھا ہے، بہت سی کتابیں لکھی ہیں، اب یہ کہنا کہ السیر الکبیر آخری کتاب ہے اور امام اوزاعی رحمہ اللہ نے دیکھی ہے۔ اگر آخری ہے تو اوزاعی نے کیسے دیکھ لی؟؟ حالانکہ وہ ۱۵۸ھ میں انتقال کر چکے ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس قسم کے واقعات کتابوں میں موجود ہیں لیکن اس قسم کے واقعات کا دائرہ معلوم کرنے کا ایک ذریعہ اس کی توثیق وتعدیل سے ہٹ کر اس کی ولادت ووفات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے تاکہ پتہ چلے کہ اس کی اصل حقیقت کیا ہے یہ ثابت بھی ہے یا کسی بنانے والے نے بنالی ہے۔ بہت سی باتیں اس طرح بنائی ہوئی ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں :امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی رحمہ اللہ کا آپس میں سماع نہیں ہے،[1] مگر کذابوں نے دونوں بزرگوں کے مابین ایک مناظرہ گھڑ لیا۔[2] بہرحال امر واقع میں یہ چیز صحیح محسوس نہیں ہوتی، یہ چیزیں ہمیں ملحوظ رکھنی چاہیئں، جرح وتعدیل سے ہٹ کر بھی ان سنین، ولادت، وفیات وغیرہ کا ہمیں علم ہونا چاہئے۔

[1]دیکھئے : العلل و معرفة الرجال:۴۸۴۲، عبارت: ''لم يسمع الاوزاعى من ابى حنيفة شيئا ،انما عابه به'' [2] استاذ محترم جس واقعے کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں وہ رفع الیدین کے حوالے سے مسند ابی حنیفہ میں موجود ہے: جس کی عبارت یہ ہے [اجتمع أبو حنيفة والأوزاعي في دار الحناطين بمكة، فقال الأوزاعي لأبي حنيفة: ما بالكم لا ترفعون أيديكم في الصلاة عند الركوع وعند الرفع منه؟ فقال أبو حنيفة: لأجل أنه لم يصح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فيه شيء، فقال: كيف لم يصح وقد حدثني الزهري، عن سالم، عن أبيه، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه كان يرفع يديه إذا افتتح الصلاة، وعند الركوع، وعند الرفع منه، فقال له أبو حنيفة: وحدثنا حماد، عن إبراهيم، عن علقمة، والأسود، عن عبد الله بن مسعود، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان لا يرفع يديه إلا عند افتتاح الصلاة، ولا يعود لشيء من ذلك، فقال الأوزاعي: أحدثك عن الزهري، عن سالم، عن أبيه، عن النبي صلى الله عليه وسلم، وتقول: حدثني حماد، عن إبراهيم، فقال له أبو حنيفة: كان حماد أفقه من الزهري، وكان إبراهيم أفقه من سالم، وعلقمة ليس بدون ابن عمر في الفقه، وإن كانت لابن عمر صحبة، فله فضل صحبة، والأسود له فضل كثير، وعبد الله عبد الله، فسكت الأوزاعي] یعنی : امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی رحمہ اللہ مکہ میں دار حناطین میں اکٹھے ہوئے تو امام اوزاعی رحمہ اللہ نے ابوحنیفہ سے کہا: تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے تم لوگ رکوع جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کیوں نہیں کرتے؟ تو ابوحنیفہ نے جواب دیا: اس لئے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے اس سلسلے میں

کچھ بھی ثابت نہیں ہے ۔ تو امام اوزاعی رحمہ اللہ نے کہا: کیوں نہیں ثابت ہے جبکہ مجھ سے امام زہری نے بیان کیا ، انھوں نے سالم سے نقل کیا انھوں نے اپنے والد سے نقل کیا انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے روایت کیا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے وقت ، رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کرتے تھے ۔ تو امام ابوحنیفہ نے کہا: اور ہم سے حماد نے بیان کیا ، انھوں نے ابراہیم سے روایت کیا ،انھوں نے علقمہ اور اسود سے نقل کیا ، انھوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ صرف نماز شروع کرتے وقت ہی رفع الیدین کرتے تھے ، اور اس کے بعد ایسا کچھ بھی نہیں کرتے تھے ۔ تو امام اوزاعی a نے کہا: میں جو حدیث پیش کررہا ہوں وہ '' زہری عن سالم عن ابیہ عن النبی ﷺ '' کی سند سے ہے اور اس کے مقابلے میں آپ '' حماد عن ابراہیم '' کی سند سے حدیث پیش کررہے ہیں ؟ امام ابوحنیفہ a نے اس کے جواب میں ان سے کہا: حماد زہری سے زیادہ بڑے فقیہ تھے اور ابراہیم سالم سے زیادہ بڑے فقیہ تھے اور علقمہ بھی ابن عمر رضی اللہ عنہ سے فقہ میں کم نہیں ہیں گو کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور انہیں یہ شرفِ صحبت حاصل ہے ، اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس کے بعد امام اوزاعی رحمہ اللہ خاموش ہوگئے۔ یہ پورا واقعہ ہی جھوٹا ہے اس کتاب مسند کا جامع عبد اللہ بن محمد بن یعقوب بن الحارث الحارثی ہی امام ابوحنیفہ کے ڈیڑھ سو سال بعد کا ہے اور جھوٹا راوی ہے۔ پھر مزید اس میں محمد بن ابراھیم بن زیاد الرازي کذاب ہے۔ اسی طرح اس میں ایک راوی سلیمان بن داؤد شاذکونی ہے جس کے بارے میں کلام گزر چکی ہے اور اس مناظرے کے تفصیلی جائزے کے لئے دیکھئے: مقالات راشدیہ کی جلد نمبر ۵ صفحہ نمبر ۲۵۳ تا ۳۴۸، جس میں سید بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ کے مقالہ '' کحل العینین لمن یرید تحقیق مناظرۃ الامام ابی حنیفۃ مع الاوزاعي فی رفع الیدین '' میں تفصیلی رد موجود ہے ، جو کہ اصلاً عربی میں ہے۔ مقالات راشدیہ میں اس کا ترجمہ کیا گیا ہے ۔

سوالات

سوال نمبر: ۱۔

شیطان کی روایت رسول اللہ ﷺ کی موافقت کی وجہ سے قبول کی گئی حالانکہ وہ کذاب تھا اور اس کا کذب زیادہ افسر تھا، جھوٹ سے؟؟ ایسا کیوں؟

جواب:

میں یہ جواب دے چکا ہوں کہ کذاب کی بات قابل قبول نہیں ہے، ہم نے شیطان کی بات کو شیطان کے تناظر میں نہیں لیا ہے، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کے تناظر میں لیا ہے، باقی یہ بات ٹھیک ہے کہ کذاب کبھی کبھی سچ بھی بولتا ہے لیکن کذب کی تہمت اس پر ایسی لگی ہے کہ اب اس کی کسی بات کا اعتماد نہیں رہتا۔ اسی طرح فاحش الغلط کی بھی کثرت خطا کی وجہ سے روایت مردود ہو جاتی ہے، جس طرح کذاب کی ہے، حالانکہ اس کی سب روایتیں غلط نہیں ہو تیں، لیکن اکثر ہوتی ہیں۔

سوال نمبر: ۲۔

جرح و تعدیل دونوں ہوں تو کس کو مقدم کیا جائے؟

جواب:

عرض کر چکا ہوں کہ جرح اگر مفسر ہو تو مقدم ہے ورنہ تعدیل، اور یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ جرح کرنے والا متشدد ہے، معتدل ہے یا متساہل۔[1]

سوال نمبر:۳۔

بعض نے جرح کو تعدیل پر مقدم کیا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:

ہاں! لیکن یہ تب صحیح ہے جب جرح مفسر ہو۔ جب جرح مفسر نہ ہو تو علی الاطلاق مقدم نہ ہو گی۔

سوال: نمبر: ۴۔

جرح وتعدیل کو سمجھنے کے لئے کون سا طریقہ اختیار کیا جائے اور کون سی کتب مفید ہیں ان کا کیسے مطالعہ کیا جائے؟

جواب:

جرح وتعدیل کے فن کو سمجھنے کے لئے بنیادی کتابیں، ایک کتاب تو میں نے آپ کے سامنے ذکر کی ہے، علامہ عبدالحئی رحمہ اللہ کی الرفع والتکمیل، جو اس فن میں بہت اچھی

کتاب ہے، اس کی تحقیق کی ہے، شیخ ابو غدۃ نے، اس کتاب کو سہہ چند مفید بنادیا ہے، سوائے بعض ان باتوں کہ جو علامہ کوثری کی بعض باتیں جو ان سے منقول ہے ان سے ہٹ کر۔ اس فن کو سمجھنے کے لئے التنکیل کی پہلی جلد کا مقدمہ اس سے بھی کسی صورت غفلت اختیار نہ کریں، یہ بھی ضروری ہے۔ اسی طرح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا مقدمہ جس میں انہوں نے صحیح بخاری کے راویوں پر اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں، جرح والتعدیل کی تطبیقی صورتوں کو معلوم کرنے کے لئے فتح الباری کے مقدمے کے ان رجال کو پیش نظر رکھنا چاہئے، بلکہ انہاء السکن کو بھی دیکھنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ میزان الاعتدال، تہذیب، اب تو سیر اعلام النبلاء، چھپ کر آگئی ہے، بلکہ اب تو بہت سا ذخیرہ آگیا ہے کہ جنہیں دیکھنے کے لئے ہمارے اکابر کی آنکھیں ترستی تھیں، تلاش کرتے تھے، یہ کتابیں موجود بھی ہیں یا نہیں؟ ہیں تو کہاں ہیں؟ لیکن اب موجود ہیں ہمیں ان کی بھی مراجعت کرنی چاہئے۔

سوال نمبر:۵۔ صدوق ربما یھم کی روایت کے بارے میں آپ نے بتایا ہے کہ قبول ہو گی لیکن ایسے راوی کی روایت کہ جس کے بارے میں معلوم نہ ہو سکا کہ وہ وہم والی ہے یا نہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:

میں نے عرض کیا ہے وہم کا پتہ تقابل سے ہوتا ہے کہ اس سے وہم ہوا ہے یا اس میں کوئی نکارت ہے۔

سوال نمبر:٦۔

خلط علیہ الاحادیث اور اختلاط میں کیا فرق ہے؟

جواب: خلط علیہ الاحادیث تو فحش الغلط کے زمرے میں آتا ہے اور مختلط جس کا ذہن خلط ملط ہو گیا ہو۔

سوال نمبر: ٧۔

واقعہ افک کے معاملے میں بعض صحابہ کے نام آئے ہیں کہ ان سے خطا ہوئی ہے؟

جواب:

الصحابۃ کلھم عدول، اگر ان کے نام آئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا ہے۔لہذا اللہ تعالیٰ کے معاف کرنے کے بعد اب ہمارے لئے اس میں کسی قسم کے شک وغیرہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

سوال نمبر:٨۔

مروان بن حکم سے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت لی ہے بعض لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں، اس کا جواب عنایت فرمادیں۔

جواب: اس حوالے سے دو باتیں ہیں۔١۔ امام بخاری نے مروان بن حکم سے روایت اصالۃ لی ہے یا متابعت میں۔ اگر متابعتاً لی ہے، تو پھر تو اعتراض ہی نہیں رہتا۔

٢۔ امام عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کان مروان لا یتھم فی الحدیث، کہ مروان حدیث روایت کرنے میں متہم نہیں ہے پھر مروان سے سیدنا سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ نے روایت لی ہے، لہذا روایت میں اس پر اعتراض درست نہیں ہے۔

پہلا باب

اصول تخریج

اصول تخریج تخریج کا لغوی معنی:

لفظِ ''تخریج ''یہ '' خَرَّجَ. یُخَرِّجُ'' سے مصدر ہے، جس کا معنی نکالنا ظاہر کرنا ہے۔

اصطلاحی تعریف:

حدیث کے اصل ماخذ کا بیان اور اس کے مختلف طرق پر بحث کرتے ہوئے اس پر صحت وضعف کے اعتبار سے حکم لگانا۔ یاد رہے کسی حدیث کا صرف اصل ماخذ بیان کر دینا یہ صرف حدیث کی نسبت بتانا ہے، یہ تخریج نہیں کہلائے گا۔ گویا تعریف میں تخریج کے تین ارکان ہیں:

۱: حدیث کا اصل ماخذ تلاش کرنا۔

۲: سندوں کو جمع کر کے ان کی اور متن حدیث کی تحقیق کرنا۔

۳: حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کا حکم لگانا۔

علم تخریج کی نسبت تمام علوم کی طرف:

شرعی مسئلے کے حل کے لیے جانچ پڑتال کرنا ضروری ہے کہ جس حدیث پر مسئلے کی بنیاد رکھنی ہے، وہ ثابت بھی ہے کہ نہیں؟ کسی حدیث کو بیان کرنے کے لیے حدیث کی سند پر اطلاع پانے کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ جب سند سامنے ہو گی، تب رواۃ پر بحث ہو گی۔ ان مراحل سے گزرنے کے بعد ہی کوئی محدث یا محقق مطلوبہ حدیث کی تحقیق تک پہنچ سکتا ہے، جس حدیث کی بھی تحقیق کرنی ہو اس میں یہی انداز اپنایا جائے گا۔ **علمِ تخریج سے مدد طلب کرنا:** کسی چیز کے رد یا قبول کرنے سے پہلے اس کی جانچ پڑتال کرنا ضروری ہے، یہ تب ہی ممکن ہے جب علم تخریج سے واقفیت ہو گی، ورنہ انسان اصل حقیقت سے نا آشنا ہی رہے گا، بلکہ جو کچھ پڑھے گا، اسے حقیقت خیال کرے گا، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

علم تخریج کا واضع:

اس کو وضع کرنے والا کوئی معین شخص نہیں ہے، اس پر مختلف ادوار گزرے ہیں جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔ زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ صحابہ کرام نے قران و حدیث کو براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا اور صحابہ کرام تمام کے تمام ثقہ اور عادل تھے۔ اس وقت تخریج کا وجود ہی نہیں تھا، جب بعد میں کتبِ احادیث لکھی گئیں، تب حدیث کی اصل کتاب کی طرف نسبت کرنا ضروری ہو گیا اور سند کے وجود سے تخریج کا وجود بھی شروع ہوا۔

حکم:

علمِ تخریج کا سیکھنا فرض کفایہ ہے اور ہر اس شخص پر فرض عین ہے جس کا تعلق حدیث، تفسیر، فقہ، اصول یا کسی بھی فن سے ہے، کیونکہ ہر کوئی حدیث کا محتاج ہے خواہ وہ تھوڑا محتاج ہو یا زیادہ، مثلاً ایک شخص نحوی ہے، اس کو بھی حدیث کی ضرورت پڑتی ہے، اسی طرح فقیہ اور مفسر بھی حدیث کا محتاج ہوتا ہے چونکہ حدیث ایسا فن ہے جس کی طرف ہر اہل علم محتاج ہوتا ہے، لہذا ایک نحوی کی بھی فن تخریج اور جرح وتعدیل میں وسعتِ نظر ہونی چاہیے، ورنہ وہ نحو میں جو مثالیں پیش کرے گا تو ان میں ضعیف اور موضوع روایات کو بھی ترویج دے گا۔ افسوس کہ آج کل علمِ حدیث کی طرف بہت کم توجہ دی جا رہی ہے۔

تخریج کی اقسام

تخریج کی تین قسمیں ہیں:

۱: مفصل تخریج

حدیث کی تمام اسانید، تمام حوالہ جات، تمام توابع اور تمام شواہد اور تمام رواۃ پر سیر حاصل بحث کرنا اور صحت وضعف کے اعتبار سے حکم لگانا، جیسے امام البانی کی کتب" **الصحیحة، الضعیفة، ارواء الغلیل**" اور شیخ ابو اسحاق الحوینی کی کتب، مثلا" **بذل الاحسان**" وغیرہ ہیں، اس سے مکمل تشفی ہوتی ہے۔

۲: مختصر تخریج

حدیث کی مختصر تخریج کرنا، اس میں چند حوالے لکھے جاتے ہیں اور سند پر مختصر حکم لکھا جاتا ہے یہ طریقہ بھی درست ہے لیکن اس میں نقص کافی ہیں، لیکن بعض دفعہ کافی مجبوریاں سامنے ہوتی ہیں جن کی بنا پر یہی طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ یہ طریقہ اس وقت بہتر ہے جب مفصل تخریج کی طرف رہنمائی کر دی جائے مثلاً **أخرجه أبو داود، وهو حديث صحيح، وانظر تفصيله في الارواء**۔

۳: قاصر تخریج

اس سے مراد تخریج کا وہ طریقہ ہے جس میں اس حدیث پر چند کتب کا حوالہ لکھ دیا جاتا ہے، مثلا: **أخرجه أبو داود والترمذي**۔

اگرچہ فائدے سے یہ طریقہ بھی خالی نہیں لیکن صحت وضعف کے فرق کی وضاحت نہ ہونے کی وجہ سے اصطلاحی اعتبار سے اس کو تخریج کہنا درست نہیں۔

بعض تجارت پیشہ مکتبوں نے آج کل اسی طریقے کو اختیار کیا ہوا ہے۔ ایسے لوگوں کو

صحت وضعف کا اہتمام ماہر فن جرح وتعدیل سے کروانا چاہیے، تاکہ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت سالم رہے، ورنہ وہ لوگ تخریج کرتے نظر آتے ہیں جن کو علوم حدیث کی ابجد کا بھی علم نہیں، بس اللہ تعالی تمام ناشرین کو خدمتِ حدیث اور محبتِ حدیث کے جزبے سے سرشار فرمائے۔ آمین

تخریج کے فوائد:

تخریج کے فوائد بہت زیادہ ہیں، کیونکہ سنت کے خزانے کی طرف رسائی اس کے بغیر ممکن نہیں۔ خوش قسمت ہے وہ اہل علم جو تخریج وتحقیق کو اپنا مشغلہ بنالیتا ہے، اس سے وہ دیگر ہم عصر اہل علم پر فائق ہوتا ہے اور ایک عرصے کے بعد وہ محدثین کے زمرے میں شمار کیا جانے لگتا ہے۔ تخریج اہم ترین فن ہے، افسوس کہ اس فن میں اہل علم نہ ہونے کے برابر ہیں، اس فن پر توجہ کی ضرورت ہے، تاکہ ماہر رجالِ تخریج وتحقیق کثرت سے پیدا ہوں۔

عرب علماء میں تو بہت کام ہو رہا ہے، لیکن برصغیر پاک وہند میں اس فن میں کام نہ ہونے کے برابر ہے، اللہ تعالیٰ اس کمی کو پورا فرمائے۔ آمین۔

تخریج کے مشہور فوائد درج ذیل ہیں:

۱۔ حدیث کے اصل مصدر کی معرفت۔

۲۔ ایک حدیث کی کئی ایک سندوں کا جمع ہونا۔

۳۔ صحیح اور ضعیف ہونے کے اعتبار سے سند کی حالت کی معرفت۔

۴۔ بعض دفعہ ایک سند میں ضعف ہوتا ہے، لیکن تتبع طرق سے اس کی کوئی صحیح سند مل جاتی ہے۔

۵۔ حدیث پر محدثین کے حکم کی معرفت۔

۶۔ رواۃ میں سے مہمل کی تمییز ہونا، جب ایک سند میں مہمل راوی ہو مثلاً ''عن محمد'' تو دوسری سند میں اس کی وضاحت مل جاتی ہے۔

۷۔ مبہم کی تعیین، بسااوقات سند میں ایک راوی مبہم ہوتا ہے مثلاً '' عن رجل'' تو دوسری سند میں اس کی وضاحت مل جاتی ہے۔

۸۔ مدلس راوی کے سماع کی صراحت کا ملنا۔

۹۔ مختلط راوی کے اختلاط کی وضاحت کا ملنا، ایک سند میں مختلط راوی ہے تو کسی دوسری سند میں اس کی وضاحت مل جاتی ہے کہ فلاں راوی نے اس کے اختلاط میں مبتلا ہونے سے پہلے سنا ہے یا بعد میں، اگر اختلاط سے پہلے سنا ہے تو حدیث صحیح اور اگر بعد میں سنا ہے تو ضعیف۔

۱۰۔ حدیث میں نقص اور زیادتی کی وضاحت۔

۱۱: بعض دفعہ جس لفظ کو تلاش کیا جارہا ہے، وہ کئی احادیث میں موجود ہے تو اس حالت میں تمام حوالہ جات کو اصل ماخذوں سے تلاش کیا جائے، تب اس اصل مقصود تک پہنچا جا سکتا ہے۔

۱۲: جو شخص اپنا وقت حدیث کو تلاش کرنے اور اس کی تحقیق و تخریج و تشریح میں گزارتا ہے، وہ لوگوں میں ممتاز ہو جاتا ہے اور مستقبل میں "محدث" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

۱۳: مشہور محقق و محدث فضیلۃ الشیخ عبد الرؤف بن عبد الحنان بن حکیم اشرف سندھو حفظہ اللہ لکھتے ہیں: "تخریج کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ کسی حدیث پر غلط حکم لگانے سے بچا جا سکتا ہے، مثال کے طور پر ابو داود یا دوسری سنن میں ایک حدیث ایسی آجاتی ہے کہ جس کی سند میں کسی راوی کے ضعیف ہونے کا حکم لگا دیا جائے تو یہ درست نہ ہو گا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ سنن بیہقی یا مسند احمد وغیرہ میں اس ضعیف یا مدلس راوی کی کسی دوسرے راوی نے متابعت کی ہو، یا اس مدلس نے وہاں تحدیث یا سماع کی صراحت کی ہو۔ یا ان کتب میں یہ حدیث دوسرے طرق سے مروی ہو، یا اس کے شواہد ہوں جن کی بنا پر یہ حدیث صحیح، حسن یا قوی ہو جاتی ہے۔ اسی لیے بعض محققین نے کہا ہے کہ جب کوئی ایسی حدیث سامنے آئے جس کی سند ضعیف ہو تو اس حدیث کے بارے میں یہ کہنا درست نہیں ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، بلکہ کہا جائے کہ یہ حدیث اس سند سے ضعیف ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ یہ حدیث دوسری سند سے مروی ہو یا اس کے شواہد ہوں۔ مگر جب تتبع اور بحث کے بعد ظن غالب یہ ہو کہ اس حدیث کی دوسری سند، یا شواہد نہیں ہیں تو پھر اس حدیث پر مطلقاً ضعف کا حکم لگایا جا سکتا ہے[1]

اگر ابو داود یا دوسری سنن میں ایک حدیث صحیح سند سے بھی مروی ہو تو اس صورت میں بھی اس کی تخریج خالی از فائدہ نہ ہو گی۔ کیونکہ ممکن ہے کہ دوسری کتب میں اس حدیث کی دوسری سندیں یا اس کے شواہد ہوں اور اس صورت میں فائدہ یہ ہو گا کہ اس حدیث کی صحت پر مزید اطمینان ہو جائے گا۔[2]

کتبِ تخریج کا ذکر:

کتبِ تخریج بہت زیادہ ہیں، جن سے طالب علم یا محقق مستغنی نہیں ہو سکتا۔ جب بھی کسی حدیث کی تخریج کرنی ہے تو کتبِ تخریج کی طرف مراجعت از حد ضروری ہے، تاکہ اپنے سے پہلے علماء کی محنت اور تخریج و تحقیق سے بھرپور استفادہ اٹھایا جائے، ان میں سے بعض کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

نصب الراية للزيلعي

البدر المنير لابن الملقن

[1]الباعث الحثيث لاحمد شاكر ص:۹۰). [2] (القول المقبول ص:۲۰-۲۱)

المغني عن حمل الاسفار للعراقي

الدراية لابن حجر

التلخيص الحبير لابن حجر

مناہل الصفا في تخريج احاديث الشفاء للسيوطي

ارواء الغليل للالباني

سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني اور سلسلة الأحاديث الضعيفة للألباني

شیخ البانی رحمہ اللہ کی تمام کتب کا موضوع تحقیق و تخریج ہے۔ جو طالب علم اپنے اوپر شیخ کی کتب کا مطالعہ لازم کر لے، وہ تخریج و تحقیق میں پختہ ہو جائے گا۔ اللهم أدخله الجنة الفردوس۔

تخریج کے طریقے

مندرجہ ذیل طریقوں سے تخریج کی جا سکتی ہے: **پہلا طریقہ:** حدیث کے کسی لفظ سے تخریج کرنا۔ اس میں متنِ حدیث کے کسی ایک لفظ کا یاد ہونا ضروری ہے۔ اس طریقے سے تخریج کرنے کے لیے مندرجہ ذیل کتب سے حدیث تلاش کی جائے گی:

(۱) **المعجم المفهرس لألفاظ الحديث النبوي**

اس کتاب میں حدیث کی ۹ مشہور کتب کے الفاظ کی فہارس بنائی گی ہیں، موطا امام مالک، مسند احمد، صحیح البخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داود، سنن نسائی، سنن الترمذی، سنن ابن ماجہ اور سنن الدارمی۔

اگر کسی حدیث کا وجود ان نو کتب میں ہے اور اس کا کوئی لفظ یاد ہے تو مذکورہ کتاب "المعجم المفهرس۔ کی مدد سے تخریج ممکن ہے۔(۲) اگر سنن الدارقطنی میں موجود کسی حدیث کا کوئی لفظ یاد ہے تو اس کو "**المعجم المفهرس لألفاظ سنن الدارقطني ليوسف المرعشلي**" میں تلاش کیا جائے، تب سنن الدارقطنی کی حدیث تک پہنچنا ممکن ہے۔ وہ فوائد جن کا تعلق کسی لفظ کے ساتھ تخریج کرنے سے ہے درج ذیل ہیں:

پہلا فائدہ:

اس طریقہ تخریج کے لیے مکتبہ شاملہ، مکتبہ ذہبیہ وغیرہ بھی بہت اہم ہیں، ان سے بھی مدد لی جا سکتی ہے، لیکن اس میں یہ احتیاط کرنا ضروری ہے کہ مطلوبہ حدیث ملنے کے بعد اصل کتاب سے مراجعت ضرور کر لی جائے، صرف مکتبہ شاملہ وغیرہ پر انحصار کر کے حوالے لکھ دینا درست نہیں ہے۔

دوسرا فائدہ:

مذکورہ کتب میں الفاظ کی ترتیب حروفِ تہجی کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ جس طرح لغت سے کوئی لفظ تلاش کیا جاتا ہے، بالکل اسی طریقے سے حدیث بھی تلاش کی جاتی ہے۔

تیسرا فائدہ:

''**المعجم المفهرس لألفاظ الحديث النبوي**'' میں مسند احمد کی حدیث کے ساتھ جلد اور صفحہ نمبر لکھا جاتا ہے اور نسخہ میمنیۃ کا حوالہ ہوتا ہے۔ باقی کتبِ حدیث میں پائی جانے والی حدیث کے ساتھ کتاب کا رمز مثلاً خ، صحیح بخاری کے لئے، پھر اس میں کتاب کا نام مثلاً الطہارۃ، پھر باب کا نمبر مثلاً ۱۰۱۔ اکٹھا حوالہ اس طرح ہوگا: خ، الطھارۃ: ۱۰۱۔ باقی کتب بھی اسی طریقے پر قیاس کر لیں۔

دوسرا طریقہ: موضوعی اعتبار سے تخریج کرنا:

حدیث کے موضوع کے اعتبار سے حدیث کی تخریج کرنا۔ جس حدیث کی تخریج کرنی ہے، اس کے موضوع کا علم ہو، مثلا: فلاں حدیث وضو کے متعلق ہے تو اس حدیث کو وضو کے متعلق احادیث میں تلاش کیا جائے گا۔ اب وضو کے متعلق حدیث کو کتاب الجہاد میں تو تلاش کرنا درست نہیں، بلکہ کتاب الطھارۃ ہی میں تلاش کرنا ہوگی، اس طریقے سے تلاش کرنے کے لئے فقہی ترتیب پر لکھی گئی کتب میں حدیث تلاش کرنا ہوگی، اس ایک مثال پر باقی کو قیاس کر لیں۔ اگر کسی حدیث کا تعلق قرآن مجید کی کسی آیت کی تفسیر سے ہے تو اس حدیث کو کتب تفاسیر میں تلاش کرنا ہوگا، مثلاً تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن ابی حاتم، تفسیر الثوری، تفسیر عبد الرزاق، تفسیر مجاہد، تفسیر ابن کثیر وغیر ہم۔ اگر کسی حدیث کا تعلق کسی آیت کے سبب نزول سے ہے تو اس حدیث کو سببِ نزول پر لکھی گئی مستند کتب میں تلاش کیا جائے گا، مثلاً **أسباب النزول للواحدي، العجاب في أسباب النزول لابن حجر۔** وغیرہ

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ موضوعی اعتبار سے کس طرح حدیث کی تخریج کرنی ہے۔ اگر کسی حدیث کا تعلق غریب الحدیث سے ہے تو اس کی تخریج کتب غریب الحدیث سے ہی کی جائے گی۔ کتب غریب الحدیث درج ذیل ہیں، **غريب الحديث لأبي عبيد القاسم بن سلام، غريب الحديث للحربي، غريب الحديث لابن قتيبه**، اور ان کی دوسری کتاب **غلط أبي عبيد، غريب الحديث للخطابي، الغريبين لابي عبيد الهروي، المجموع المغيث في غريب الحديث لأبي موسى المديني، النهاية في غريب الحديث لابن الأثير** وغیرہ۔ تیسرا طریقہ: صحابی کے واسطے سے تخریج کرنا، اس طریقے میں مطلوبہ حدیث کے سب سے اوپر والے راوی یعنی صحابی کا علم ہو مرفوع ہونے کی صورت میں یا تابعی کے نام کا علم ہو مرسل ہونے کی صورت میں۔

محدثین نے اس طرز پر بھی کتب تصنیف کی ہیں، مثلاً جس صحابی کی روایت تلاش کرنی ہے، اس صحابی کا نام تلاش کر کے اس میں وہ مطلوبہ حدیث تلاش کی جائے گی۔ یہ طریقہ اس وقت ممکن ہے جب صحابی کے نام کا علم ہو۔ اس طریقے پر بے شمار کتب لکھی گئی ہیں، مثلا **كتب الأطراف، أطراف الصحيحين لأبي مسعود الدمشقي، أطراف الكتب الستة لأبي الفضل محمد بن طاہر بن أحمد المقدسي، الاشراف على الأطراف لابن عساكر، تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف لأبي الحجاج المزي، اتحاف المهرة بأطراف العشرة لابن حجر العسقلاني۔**

اس طریقے کے فوائد:

ا: حدیث کے طرق ایک ہی جگہ جمع ملتے ہیں، اس سے حدیث کے متواتر، مشہور، عزیز یا غریب ہونے کا علم ہو جاتا ہے۔ پہچانا جاتا ہے۔ اگر ایک حدیث کو کئی کتب اطراف میں دیکھا جائے تو اس طرح بہت زیادہ طرق پر اطلاع ممکن ہوتی ہے۔

۲: سندوں کا آپس میں موازنہ کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ کون کس کی متابعت کر رہا ہے یا فلاں کے کتنے تلامذہ یا شیوخ ہیں۔

۳: حدیث کو کس کس نے نکالا ہے اور وہ کتبِ حدیث میں کہاں کہاں پائی جاتی ہے؟

چوتھا طریقہ:

شروع ہو رہی ہے، ان کے ذریعے تخریج کرنا، مثلا '' إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ''اسحدیث کو تلاش کرنے کے لئے '' إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ '' کو مطلوبہ کتب سے تلاش کرنا ہو گا۔ یہ طریقہ اختیار کرنے کے لیے حدیث کے ابتدائی حصے پر مطلع ہونا ضروری ہے، پھر ابتدائی حصے کے پہلے حرف کو مطلوبہ کتب میں تلاش کرنا ہو گا جب وہ مل جائے گا تب اگلے حرف کو پھر اس کے ساتھ والے کو، اس طرح اصل مقصود تک انسان پہنچ جاتا ہے۔

فائدہ:

اس طریقے سے انسان بڑی جلدی اصل مقصود تک پہنچ جاتا ہے لیکن اس میں یہ نقص بھی ہے کہ شروع حصے میں معمولی سی تبدیلی واقع ہو جائے تب انسان اصل مقصود تک پہنچے میں ناکام رہتا ہے۔

اس طریقے پر لکھی گئی کتب:

الجامع الصغير من حديث البشير النذير للسيوطی، الفتح الكبير في ضم الزيادة الی الجامع الصغير للسيوطی، الجامع الأزهر من حديث النبی الأنور للمناوی، تمام کتبِ فہارس مثلاً فہرس مسند احمد، فہرس صحیح البخاری وغیرہ

پانچواں طریقہ:

حدیث میں موجود کسی صفت کی بنا پر تخریج کرنا، یعنی کسی حدیث کی تخریج کرنی ہے لیکن پہلے چاروں طریقوں سے اس پر اطلاع ممکن نہیں لیکن اس مطلوب حدیث میں کوئی ایسی صفت ہے جو آپ کو یاد ہے مثلاً وہ حدیث قدسی ہے یا متواتر ہے یا مشہور ہے یا مرسل تو ایسی صورت میں اس صفت پر لکھی گئی کتب میں وہ حدیث تلاش کی جائے گی۔

فائدہ:

اس طریقے سے اگر صفت یاد ہے تو بغیر مشقت کے مطلوبہ حدیث تک پہنچا جا سکتا ہے۔ اس طریقہ پر لکھی گئی کتب:

(۱) المراسیل لأبی داود (۲) الأزھار المتناثرۃ فی الاخبار المتواترۃ للسیوطی (۳) المقاصد الحسنۃ للسخاوی

(۴) الاتحافات السنیۃ فی الأحادیث القدسیۃ للمدنی (۵) تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الأخبار الشنیعۃ الموضوعۃ لابن عراق مکتبہ شاملہ اور انٹرنیٹ سے تحقیق کرنا یہ جدید آلات ہیں جن سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے لیکن اصل سے مراجعت ضرور کر لینی چاہئے۔

افسوس کہ بعض لوگ اس کو مطعون گردانتے ہیں، حالانکہ یہ ان کی غلطی ہے، کیونکہ پہلے کتب قلمی ہوا، کرتی تھیں اہل علم انھیں سے فائدہ اٹھاتے تھے، پھر کتب پرنٹ ہونے لگیں، اہل علم پرنٹ کی ہوئی کتب سے فائدہ اٹھانے لگے، بس اسی طرح اب یہ کتب مکتبہ شاملہ میں یونی کوڈ یا پی ڈی ایف وغیرہ کی صورت میں آرہی ہیں، ان سے بھی فائدہ اٹھانا ویسے ہی ہے جیسے پرنٹڈ کتب سے فائدہ اٹھانا ہے **والحمدللہ**۔

اللہ تعالی ان لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے، جو اپنا سرمایہ دینی علوم کو جدید سے جدید انداز میں نشر کرنے پر صرف کررہے ہیں اور پوری دنیا کو گھر بیٹھے فری دینی کتب مہیا کررہے ہیں، اور جن آلات کو آل شیطان یہود وہنود گمراہیوں کے لئے استعمال کررہے ہیں، اہل علم انھیں آلات کو دین کی سربلندی لئے کیوں نہ استعمال کریں؟ یاد رہے پرنٹ کتب پر کوئی بھی انگلی نہیں اٹھاتا، اسی طرح پی ڈی ایف اور یونیکوڈ کتب پر بھی انگلی نہیں اٹھانی چاہئے۔ جس طرح پرنٹڈ کتب سے فائدہ اٹھانے والے بہت کم ہیں، اسی طرح شاملہ اور نیٹ سے فائدہ اٹھانے والے بھی نہایت کم لوگ ہیں، دونوں طرز کی کتب سے فائدہ اٹھانے میں محنت، جستجو، دلچسپی اور لگن چاہئے، ورنہ اکثر لوگ نہ پرنٹڈ کتب سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ شاملہ اور نیٹ۔ **فافھم** **تخریج لکھنے کے اصول:**

تخریج مختلف طریقوں سے لکھی جاتی ہے اور اس کو لکھتے وقت درج ذیل قواعد کو سامنے رکھنا نہایت ضروری ہے: ۱: سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ جس کتاب سے حدیث ملی ہے، پہلے کتاب کا نام لکھا جائے، مثلا صحیح البخاری، پھر لکھا جائے کہ صحیح بخاری کی کس کتاب میں حدیث ہے، مثلا کتاب الایمان، پھر لکھا جائے کہ کتاب الایمان کے کس باب میں حدیث ہے، مثلا باب فلان۔۔ پھر کتاب کا جزو نمبر اور صفحہ لکھا جائے، مثلا ج ۱ ص ۲۲، اور پھر اس حدیث کا نمبر لکھا جائے اگر میسر ہو اور کتاب کا طبع لکھا جائے مثلا ط: دارالسلام الریاض۔ تخریج میں یہ سب سے اہم طریقہ ہے، اس سے قاری بڑی جلدی اصل کتاب میں موجود حدیث تک پہنچ سکتا ہے۔ اس طریقے میں تخریج کو اکٹھا اس طرح لکھا جائے گا: صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب فلان، ج ۱ ص ۲۲، ح: ۳۳، ط: دارالسلام الریاض)

۲: مختصر اندازِ تخریج یہ ہے کہ حدیث جس کتاب میں ہے، اس کا نام لکھ کر حدیث کا نمبر یا صفحہ اور جلد لکھ دی جائے، مثلا: [1]

۳: تخریج لکھتے وقت کتب حدیث کے مراتب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، مثلا کتبِ ستہ کے مراتب یہ ہیں: صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داود، سنن النسائی، سنن الترمذی، سنن ابن ماجہ۔ تخریج لکھتے وقت کتاب کے مرتبے کے مطابق لکھا جائے گا۔

۴: اگر کوئی حدیث مسند احمد اور کتبِ ستہ میں ہے تو اصول کی پیروی کرتے ہوئے پہلے مسند احمد کا نام لکھا جائے۔ البتہ کتبِ ستہ کے تداول اور شہرت کے اعتبار سے کتب ستہ کے بعد بھی مسند کا حوالہ لکھا جا سکتا ہے۔

۵: اگر ایک حدیث بخاری اور مسلم دونوں میں ہے تو لکھتے وقت دونوں کا حوالہ دینا ضروری ہے، کیونکہ جو حدیث دونوں میں ہے، وہ صحیح حدیث کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز ہے، جس کو متفق علیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بعض مخرجین اس اہم اصول سے ناواقف ہیں اور متفق علیہ حدیث پر صرف بخاری یا صرف مسلم کا نام لکھتے ہیں، حالانکہ یہ فحش غلطی ہے۔ مثلا ''**عذاب القبر حق**'' پر صحیح بخاری لکھنا غلط ہے، کیونکہ یہ حدیث بخاری اور مسلم دونوں میں ہے، اس پر حوالہ متفق علیہ لکھنا چاہئے۔

٦: تخریج کرتے وقت سب سے پہلے حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں دیکھنی چاہئے، اگر حدیث ان دونوں کتب یا کسی ایک میں ہے تو ہمیں یقین حاصل ہو گیا کہ یہ حدیث صحیح ہے، پھر تفصیلی تخریج کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ۷: صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی حدیث کی تخریج کے وقت ''**اسنادہ صحیح**'' یا'' **حدیث**

[1]صحیح البخاری ح:۳۳.

صحیح'' لکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس حدیث کا صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں ہونا ہی اس کے صحیح ہونے کو مستلزم ہے۔ لیکن اگر کوئی صحتِ حدیث کے درجے کی تعیین کی خاطر لکھ دیتا ہے تو اس میں بھی کوئی قباحت نہیں جس طرح امام ناصر الدین نے بعض کتب میں اور استاد محترم شیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے مسند سراج کی تحقیق میں یہ انداز اپنایا ہے۔

۸: صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ جتنی بھی کتب کے مصنفین نے اپنی کتب میں صحیح احادیث کا اہتمام کیا ہے، کسی حدیث کا ان کتب میں ہونا صحیح ہونے کے لئے کافی نہیں ہے کیونکہ ان کتب میں بے شمار ضعیف اور غیر ثابت روایات موجود ہیں، نیز ان کتب کی صحت پر اتفاق بھی نہیں ہے۔ وہ کتب درج ذیل ہیں، **صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، المنتقی لابن الجارود، المختارۃ لضیاء المقدسی، مستدرک حاکم وغیرہ**۔ ان میں اور دیگر کتبِ حدیث میں موجود حدیث کو لکھنے سے پہلے تحقیق کریں گے جو محدثین کے قواعد کے مطابق صحیح ہو گی، اسے صحیح تسلیم کیا جائے۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ مذکورہ بالا کتب میں موجود احادیث ان کے مؤلفین کے نزدیک صحیح ہیں اور تخریج میں ان کی تصحیح کی نسبت ان کے مؤلفین کی طرف کرنا درست ہے۔

۹: حدیث کی تحقیق و تخریج کرتے وقت اگر کوئی روایت ضعیف ثابت ہو جائے تو سببِ ضعف بھی لکھنا چاہیے۔ بعض تاجر قسم کے محقق یہ تو لکھتے ہیں ''ضعیف'' لیکن وجہ ضعف نہیں لکھتے اور بعض نا اہل محققین مختلف علماء کی آراء لکھ دیتے ہیں اور راجح تحقیق کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتے مثلاً اس حدیث کو حازم علی قاضی نے صحیح کہا ہے اور دکتور بسام نے ضعیف کہا ہے، جبکہ شیخ البانی نے حسن کہا ہے!! یہ انداز انتہائی غلط ہے اس سے قاری کا ذھن منتشر ہو جاتا ہے کہ اب کیا کروں؟ کس کی بات مانوں؟

۱۰: ہمارے ہاں عموماً ''**مشکاۃ**'' ''**بلوغ المرام**'' اور'' ترغیب وترھیب'' وغیرہ کے حوالے بھی دیے جاتے ہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر کمزوری یہ ہے کہ مثلاً: حدیث تو'' **المنتقی** '' **لابی البرکات ابن تیمیہ** میں ہے۔ مگر حوالہ '' **نیل الأوطار** '' کا دیا جاتا ہے۔

۱۱: تخریج کا معنیٰ یہ ہے کہ حدیث کو کسی ایسی کتاب کی طرف منسوب کیا جائے جس کے مؤلف نے اس حدیث کو اپنی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہو اور ساتھ ہی حدیث کا درجہ بھی بیان کیا جائے، یعنی کہنا کہ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف وغیرہ وغیرہ یہ صحیح ہے کہ حدیث پر حکم لگانا کوئی اتنا آسان کام نہیں ہے مگر محدثینِ عظام کا لگایا ہوا حکم نقل کرنا تو کوئی مشکل نہیں۔[1]

دورانِ تخریج، تخریج شدہ کتب سے استفادہ کرنا:

جب آپ تخریج کر رہے ہیں تو آپ کے ہم عصر یا ماضی کے کسی اہلِ علم نے جو کتبِ

حدیث کی تخریج کی ہے، ان کی تخریج سے فوائد حاصل کرنا بہت ضروری ہے لیکن چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے جو درج ذیل ہیں:

۱: تخریج شدہ کتاب پر کلی اعتماد نہیں کرنا چاہیئے، بلکہ جس کا حوالہ دیا گیا ہے اس کو خود ضرور دیکھنا چاہیئے، مثلاً دورانِ تخریج محدث ناصر الدین رحمہ اللہؒ کی کتاب الصحیحۃ سے تخریجِ حدیث کے متعلق کچھ اہم حوالہ جات ملیں، تو ان حوالوں کو پہلے اصل کتب سے دیکھ لیا جائے، پھر لکھا جائے۔ اگر آپ نے حوالے خود اصل مصادر و مراجع سے دیکھے ہیں اور وہ الصحیحۃ میں جمع شدہ تھے تو آپ الصحیحۃ کا حوالہ نہ بھی لکھیں تو کوئی حرج نہیں، بلکہ اصل کتابوں کے حوالہ جات ہی کافی ہیں، لیکن اگر آپ خیال کرتے ہیں کہ الصحیحۃ میں کچھ نادر اور اہم فوائد ہیں تو اصل کتب کا حوالہ دے کر آخر میں لکھ دیں مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (**الصحیحة**) تاکہ آپ کی کتاب سے قاری "**الصحیحة**" کے فوائد تک بھی رسائی حاصل کر سکے۔
۲: اگر آپ کسی وجہ سے اصل کتابوں سے حوالے نہیں دیکھ سکے، تب تخریج میں الصحیحہ سے حوالے لکھ کر آخر میں لکھ دیں، **کذا فی الصحیحة یا ماخوذ من الصحیحة یا بحواله الصحیحة**. تاکہ امانتِ علمی قائم رہے۔ یہاں ایک بات بطور تنبیہ عرض ہے کہ ہمارے ایک فاضل دوست نے تفسیر ابن کثیر کی تخریج کی تھی، انھوں نے کئی جگہوں پر بطور فائدہ شیخ ناصر الدین رحمہ اللہؒ کی اہم کتب کے حوالے بھی دیئے تھے، تاکہ قاری تفصیل وہاں دیکھ سکے، تو تفسیر ابن کثیر پر ایک دوسرے اہل علم کو نظر ثانی کے لئے کہا گیا تو اس اہل علم نے شیخ البانی رحمہ اللہؒ کی تمام کتابوں کے ناموں پر قلم پھیر دیا۔ جب ابن کثیر شایع ہوئی تو کئی جگہوں پر ناشر نے شیخ ناصر الدین رحمہ اللہ کے نام قائم رکھے، تو نظر ثانی کرنے والے اہل علم نے کتاب دیکھی تو آگ بگولہ ہو گئے کہ شیخ البانی کی کتب کے حوالے کیوں رہنے دیئے ؟؟ یہ انداز غلط ہے اور امت کو کسی تعصب کی وجہ سے علمی فوائد سے محروم کرنا ہے، شیخ ناصر الدین رحمہ اللہؒ کی کتب کا کیا مقام ہے، پوری دنیا جانتی ہے، اب ان سے استفادہ سے کون روک سکتا ہے۔ **فرحمه الله**

۳: اصل کتاب دیکھنے کے بہت زیادہ فوائد ہیں، جن میں اہم درج ذیل ہیں:

الف: یقین حاصل ہوتا ہے کہ یہ حدیث واقعتاً اسی کتاب میں ہے ورنہ شک ہی رہتا ہے۔

ب: محقق کی غلطی واضح ہو جاتی ہے، مثلاً ایک حدیث مسلم کی ہے اور اس نے سنن ابی داود کا حوالہ دیا ہے۔

ج: محقق کی تحقیق میں وہ حدیث سیدنا ابوھریرہ رضی اللہؓ عنہ سے مروی ہے حالانکہ اصل کتب دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حدیث سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ذ: محقق کی تحقیق میں روایت یا راوی ضعیف ہے لیکن اصل کتب کی طرف مراجعت کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ تو صحیح حدیث ہے یا راوی ثقہ ہے۔ یا مخرج سے راوی کی تعیین میں غلطی ہوئی ہے۔

ر: اصل کتاب دیکھنے سے حدیث پر محدث کا حکم بھی مل جاتا ہے، اس طرح بعض دفعہ اسنادی بحث یا کوئی قیمتی فائدہ خواہ فقہ کے متعلق ہو مل جاتا ہے تبویب وغیرہ سے جو پہلے محقق نے ذکر نہیں کیا ہوتا۔

ش: پہلے محقق کی نظر میں علت حدیث ایک تھی، جب اصل کتاب دیکھی تو علتیں اور بھی مل گئیں۔

ص: پہلے محقق کی نظر حدیث میں موجود ضعف کی طرف نہیں گئی، جو بعد والے پر واضح ہو گئی۔

ط: ایک حدیث کو اصل کتاب سے تلاش کرتے ہوئے بے شمار نئے فوائد پر اطلاع ہو جاتی ہے۔

اصولِ تخریج و تحقیق پر کتب:

اس فن میں جو کتب لکھی گئی ہیں ان میں سے بعض حسب ذیل ہیں:

(۱) الموجز فی المراجع۔۔۔ للدکتور محمود محمد

(۲) تحقیق المخطوطات بین النظریة والتطبیق، للدکتور فهمی سعد والدکتور طلال مجذوب۔

(۳) تحقیق نصوص التراث فی القدیم والحدیث، للدکتور نور الدین

(۴) منهج تحقیق المخطوطات للطباع

(۵) المنهاج فی تالیف البحوث وتحقیق المخطوطات

(۶) ضبط النص والتعلیق علیه للدکتور بشار عواد

(۷) قواعد تحقیق المخطوطات للدکتور صلاح الدین المنجد

(۸) تحقیق النصوص ونشرها للدکتور عبدالسلام محمد هارن

(۹) کیف تحقق مخطوطا؟ للمبتدئیں

(۱۰) طرق تخریج حدیث رسول الله صلی الله علیه وسلم

اصول تحقیق

رواۃ پر جرح وتعدیل اور متاخرین ومتقدمین محدثین کے درمیان فرق

جب بھی کسی راوی کی تحقیق کرنی ہے تو ائمہ جرح وتعدیل کی کتب سے خوب استفادہ کرنا ہے، خواہ وہ کتب متقدمین کی ہوں یا متاخرین کی۔ بعض اہل علم اس موقع پر متاخرین کو کوئی اہمیت نہیں دیتے جو سراسر غلط ہے۔ اس بات کو تین مثالوں سے سمجھانے کی کوشش کریں گے ان شاء اللہ۔

مثال نمبر۱: **محمد بن ابی احمد، مولی زید بن ثابت** کو متقدمین میں سے صرف امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ثقہ قرار دیا ہے جب کہ متاخرین میں سے حافظ ضیاء مقدسی(**المختارۃ**:۳۸۱،۳۸۰،۳۷۹،۳۷۷)**حافظ ہیثمی (مجمع الزوائد**:ج۲ ص۱۴)**حافظ ابن کثیر (تفسیر ابن کثیر**:ج۱ص۲۲۶)**حافظ ابن حجر (فتح الباری**:ج۷ص۳۳۲)**حافظ سیوطی (لباب النقول فی اسباب النزول** ص:۶۲) اور علامہ احمد شاکر مصری(**تفسیر الطبری** ص۲۱۷ **فی الحاشیۃ**) نے بھی اس کی توثیق کی ہے۔ اس مثال سے درج ذیل باتیں ثابت ہوئیں: ۱: یہ راوی ثقہ ہے کیونکہ اس کو امام ابن حبان کے علاوہ کئی محدثین نے ثقہ کہا ہے، گویا ابن حبان اکیلے نہ رہے۔ ۲: یہ جملہ کہہ کر کہ ابن حبان کے علاوہ باقی تمام متاخرین ہیں، لہذا متاخرین کی بات معتبر نہیں، متاخرین کی بات کو رد کر دینا غلط منہج ہے۔

۳: اس راوی کی ان محدثین کے توثیق کرنے کے باوجود اگر کوئی کہے: **محمد بن ابی احمد '' مجہول وثقہ ابن حبان وحدہ**'' تو اس کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

مثال نمبر ۲: ایک راوی ہے ولید بن زوران، اس کو متقدمین میں سے صرف امام ابن حبان نے ثقہ کہا ہے، ان کے علاوہ امام بیہقی اور ابن حجر نے بھی اس کو ثقہ کہا ہے تو اگر کوئی کہے کہ متقدمین میں سے صرف ابن حبان اکیلے نے ہی ثقہ کہا اس لئے یہ راوی مجہول ہی ہے۔ تو اس کی بات غلط قرار دی جائے گی اور اس میں بھی صحیح بات یہ ہے کہ اس راوی کو ابن حبان کے ساتھ بیہقی اور ابن حجر نے بھی ثقہ کہا ہے، جو دونوں اگرچہ متاخرین ہیں لیکن انھیں بھی رواۃ پر حکم لگانے کا ملکہ تامہ موجود تھا، بلکہ متاخرین کو کچھ نہ سمجھنا اور یہ کہہ کر ان کی خدمات جلیلہ پر پانی پھیر دینا کہ وہ متاخرین ہیں، انتہائی خطرناک معاملہ اور منہج ہے۔ متقدمین ہوں یا متاخرین، ان سے دلیل کی بنا پر اختلاف ہو سکتا ہے۔ مسئلہ اصولِ حدیث (مثلاً حسن لغیرہ) ہو یا رواۃ کی توثیق وتجریح دونوں جگہ پر یہ فرق درست نہیں مثلاً حسن لغیرہ کو امام بیہقی، ابن حجر وغیرہ حجت تسلیم کرتے ہیں تو اس کو حجت ہی تسلیم کیا جائے گا (یاد رہے کہ یہ بطور مثال بیان کیا ہے ورنہ ان سے پہلے بھی بہت سے محدثین سے حسن لغیرہ کا حجت ہونا ثابت ہے، تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔)

مثال نمبر ۳: ام محمد راویہ کو ابن حبان اور ابن عبدالبر نے ثقہ کہا ہے، اس راویہ کو ثقہ ہی مانا جائے گا اور اس کی حدیث صحیح ہو گی، اگر کوئی کہے کہ ابن عبدالبر متاخر ہیں تو اس کی بات مردود ہو گی کیونکہ متاخرین اور متقدمین کا یہ فرق درست نہیں ہے۔ ہم انھیں تین مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ مثالیں تو اور بھی بہت زیادہ ہیں۔

امام الجرح والتعدیل شیخ الاسلام محب اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اور حافظ ذہبی نے بھی اس کے متعلق "وثقہ" کہا ہے، اس لئے صرف ابن حبان کی توثیق نہیں رہی بلکہ حافظ ذہبی

نے بھی اس کی تائید کی ہے، لہٰذا وہ مجہول الحال نہیں رہے۔" [1]

سند میں سفیان سے مراد؟

سند میں جب سفیان آجائے تو اس سے مراد ثوری ہیں یا ابن عیینہ؟ اس فرق کی تفصیل پیش خدمت ہے۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں: ثوری کے شاگرد کبار اور پرانے ہیں اور ابن عیینہ کے شاگرد صغار ہیں، انھوں نے ثوری کو نہیں پایا اور یہ بات واضح ہے، پس جب قدیم رواۃ نے بیان کیا ہو اور نام میں صرف سفیان بولا جائے تو اس سے مراد ثوری ہوں گے اور وہ وکیع، ابن مہدی، فریابی اور ابو نعیم کی مثل ہیں۔ ان راویوں میں سے اگر کوئی ابن عیینہ سے بیان کرے گا تو ان کا مکمل نام (سفیان بن عیینہ) واضح طور پر لے گا، صرف سفیان نہیں کہے گا اور جس راوی کی ثوری سے ملاقات ہی نہیں ہوئی اور اس نے ابن عیینہ کو پایا ہے تو وہاں تنبیہ کی ضرورت ہی نہیں، اس کے لئے رواۃ کے طبقات کی معرفت ہونا ضروری ہے۔ [2]

یہ ایک اہم قاعدہ ہے جو اکثر تلامذہ پر مخفی ہے۔

جرح کرنے والا اگر خود ضعیف ہے تو اس کی جرح قبول نہیں کی جائے گی:

ازدی خود ضعیف ہے، اس نے کسی راوی پر جرح کی تو اس پر تعلیق لکھتے ہوئے حافظ ذھبی فرماتے ہیں: " ھذہ مجازفۃ لیت الأزدی عرف ضعف نفسہ۔ "یہ ظلم ہے کاش ازدی اپنے ضعف کو پہچانتے۔ [3]

[1] فتاوی راشدیہ: ج۱ص۳۰۱). [2] (سیر أعلام النبلاء: ج۷ص۴۶۶). [3] (السیر: ج۱۳ص۳۸۹)

امام ابن حبان فرماتے ہیں: " من المحال ان یجرح العدل بکلام المجروح۔ "یہ بات محال ہے کہ عادل راوی پر مجروح کے کلام کے ساتھ جرح کی جائے۔ اسی طرح کچھ اور ضعیف راوی ہیں جو جرح و تعدیل کے لحاظ سے رواۃ پر حکم لگاتے ہیں، ان کی نہ جرح قبول ہے اور نہ ہی توثیق۔ مثلاً شاذ کونی، ابن خراش، سلمۃ بن القاسم، دولابی وغیرہ۔

اہم اصطلاحات:

اس بحث میں علوم حدیث کی اہم اصطلاحات پر بحث کی جائے گی۔ ان شاء اللہ

۱: صححہ الحاکم ووافقہ الذھبی: اس کا مطلب ہے کہ اس حدیث کو امام حاکم نے صحیح کہا ہے اور حافظ ذھبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

یہ اصطلاح علماء کے ہاں مشہور ہے۔ مستدرک حاکم کی تلخیص میں جس حدیث پر حافظ ذھبی خاموشی اختیار کریں، اس خاموشی کو موافقت باور کیا جاتا ہے حالانکہ یہ بات غلط ہے، کیونکہ کئی ضعیف اور موضوع روایات کو امام حاکم نے صحیح کہا اور ان پر ذہبی نے خاموشی اختیار کی ہے، بلکہ تلخیص

مستدرک میں بعض روایات کو صراحتا صحیح کہا ہے لیکن اپنی دیگر کتب میں ان پر سخت نکیر کی ہے، یاد رہے صرف اس جگہ حافظ ذہبی کی موافقت تصور ہو گی، جہاں موافقت کا لفظ بولیں یا خود صحیح کہیں یا" قُلتُ کما قال" جیسے الفاظ کہیں، ورنہ محض خاموشی کو موافقت قرار دینا درست نہیں ہے۔

۲: حافظ ذہبی کا کسی راوی کے متعلق کہنا: وُثِّقَ:

حافظ ذہبی اس اصطلاح کا اطلاق عام طور پر اس راوی پر کرتے ہیں جس کو صرف امام ابن حبان نے صحیح کہا ہوتا ہے اور حافظ ذہبی خود ان راویوں کو میزان میں مجہول کہہ دیتے ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: [1]

۳: رجالہ رجال الصحیح۔

اس کا معنی یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی صحیح (بخاری یا مسلم یا صحیح حدیث) کے راوی ہیں، اگر کسی حدیث کے متعلق کوئی محدث یہ اصطلاح استعمال کرے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث صحیح ہے، اس جملہ سے صرف صحیح حدیث کی ایک شرط کا ثبوت ملتا ہے کہ راوی ثقہ یا صدوق ہیں اور یہ بھی بات تحقیق کی محتاج ہوتی ہے، کیونکہ بخاری اور مسلم کے کچھ راوی ایسے بھی ہیں جن کی روایت بخاری و مسلم میں ہونے کی وجہ سے صحیح ہے لیکن ان کی حدیث اگر کسی دوسری کتاب میں آجائے تو ضعیف ہوتی ہے۔ فافھم صرف راویوں کے ثقہ وصدوق ہونے سے حدیث کا صحیح ہونا ثابت نہیں ہوتا، بلکہ دیگر چیزوں کی بھی تحقیق کرنا ضروری ہے، مثلا سند کا متصل ہونا، اس روایت کا شاذ اور معلول نہ ہونا۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: '' صحیح کے راوی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے مروی ہر حدیث صحیح ہو۔''[2]

۴: رجالہ ثقات۔

اس کا معنی ہے کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں، اس سے بھی روایت کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ روایت منقطع ہو سکتی ہے، اس طرح کوئی اور علت بھی ممکن ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ''**لا یلزم من کون رجالہ ثقات ان یکون صحیحا۔**'' ''راویوں کے ثقہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث صحیح ہے۔[3]]

[1]الصحیحة للالبانی: ج۵ص۱۷۹). [2] (النکت لابن حجر: ص۲۷۵). [3] (التلخیص الحبیر: ج۳ص۱۹)

۵: أصح شیء فی الباب۔

اس کا مطلب ہے کہ اس باب میں سب سے زیادہ صحیح حدیث یہی ہے۔ اس عبارت سے بھی حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا بلکہ محدثین اس اصطلاح کو ضعیف حدیث کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں اور اس وقت وہ مراد لیتے ہیں کہ اس باب میں یہ حدیث سب سے زیادہ راجح یا سب سے کم ضعف والی ہے۔[1] ۶: حدیث صحیح بمقابلہ حدیث صحیح الاسناد، حدیث حسن بمقابلہ حدیث حسن الاسناد زیادہ درجہ والی ہوتی ہے کیونکہ صحیح مطلق طور پر سند اور متن کے صحیح ہونے پر دلالت کرتا ہے جبکہ صحیح الاسناد سے صرف سند کا صحیح ہونا لازم آتا ہے۔ اس سے متن میں موجود کسی علت کی نفی نہیں ہوتی۔

۷: یَتَلَقَّنُ: وہ لقمہ قبول کرتا ہے

کتبِ جرح وتعدیل میں کئی راویوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ "یَتَلَقَّنُ" وہ لقمہ قبول کرتا تھا، اس کا مطلب ہے کہ راوی کو کوئی چیز بتائی جائے اور وہ اسے یہ امتیاز کئے بغیر بیان کرتا ہے کہ یہ بات میری ہے یا نہیں۔ جو راوی لقمہ قبول کرتا ہے، اس سے یہ خطرہ ہوتا ہے کہ وہ ایسی روایت بیان نہ کر دے جو اس کی نہیں۔

تدلیس کے متعلق چند اہم اصول:

پہلا اصول:

قلیل التدلیس راوی کی عن والی روایت صحیح ہوتی ہے الا کہ اس میں تدلیس ثابت ہو جائے۔ ماقبل میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں، یہاں ایک مثال پیش خدمت ہے۔ امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کی قلتِ تدلیس کی وجہ سے محدثین نے ان کی معنعن

(1)الاذکار للنووی ص:۱۶۹)

روایت قبول کی ہے، جیسا کہ متعدد اہل علم نے تصریح کی ہے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں: "وہ بسا اوقات تدلیس کرتے تھے۔" [1]

حافظ علائی نے انھیں دوسرے طبقہ میں شمار کیا ہے اور کہا ہے: ائمہ نے ان کے عن کو قبول کیا ہے۔[2]

علامہ سبط ابن العجمی فرماتے ہیں: "ائمہ نے ان کا عنعنہ قبول کیا ہے۔" حافظ ابن حجر نے خود فتح الباری (ج۱۰ص۴۲۷) میں انھیں قلیل التدلیس کہا ہے اور یہی راجح ہے۔ دکتور خالد بن منصور الدریس حفظہ اللہ (**الحدیث الحسن**: ج۱ص۴۷۹) دکتور عبداللہ دمفو (مقدمہ مرویات الزہری المعللۃ: ج۱ص۵۴۔۵۵) محدث ابو اسحاق الحوینی (بذل الاحسان: ج۱ص۱۸،۱۷) دکتور ناصر بن حمد الفھد (**منہج المتقدمین فی التدلیس** ص:۸۴۔۸۵) دکتور محمد بن طلعت (**معجم المدلسین** ص:۴۱۶۔۴۲۰) دکتور حاتم شریف العونی (**التخریج و دراسۃ الاسانید**، ص:۷۷) استاد محترم محدث العصر شیخ ارشاد الحق اثری (**توضیح الکلام**، ج۱ص۳۸۸۔۳۹۰) وغیرہ علماء بھی اس بات کے قائل ہیں کہ قلیل التدلیس کا عن سے روایت کرنا مضر نہیں ہے۔

دوسرا اصول:

جو مدلسین صرف ثقہ راویوں سے بیان کریں تو ان کا عنعنہ مقبول ہو گا یہی موقف راجح ہے اور ائمہ فن کا یہی موقف ہے مثلاً حافظ ابو الفتح الازدی (**الکفایۃ**: ج۲ص۳۸۶) حافظ ابو علی الحسین بن علی بن زید الکرابیسی (**شرح علل الترمذی لابن رجب**: ص۵۸۳)

[1](میزان الاعتدال :ج۴ص ۴۰). [2] (جامع التحصیل ،ص:۱۳۰۔۱۳۵).

حافظ بزار (**النکت لابن حجر**: ج۲ص۶۲۴)

ابو بکر الصیرفی (النکت لابن حجر: ج۲ص۶۲۴)

ابن عبد البر (التمهید: ج۱ص۱۷)

قاضی عیاض (مقدمہ اکمال المعلم، ص: ۳۴۹)

حافظ علائی (جامع التحصیل، ص: ۱۱۵)

حافظ ذہبی (الموقظہ ص: ۱۳۲) وغیرہ

اس کی مثال میں صرف امام ابن عیینہ آتے ہیں۔ ان کے متعلق محدثین نے صراحت کی ہے کہ وہ صرف ثقہ راویوں ہی سے تدلیس کرتے تھے اور ان کا عن سے روایت کرنا کوئی مضر نہیں۔

امام ابن عیینہ کے عن کو ائمہ نے قبول کیا ہے مثلاً حافظ ابو الفتح ازدی فرماتے "ہم ابن عیینہ جیسوں کی تدلیس (عنعنہ) قبول کرتے ہیں۔ (الکفایہ: ۲/ ۳۸۷، رقم: ۱۱۶۵) امام ابن حبان نے یہی موقف اپنایا ہے (مقدمہ الاحسان: ۱/۱۲۱)

حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں: محدثین کے بقول ابن عیینہ کی تدلیس (معنعن) مقبول ہے۔ (التمهید: ۱/۳۱) قاضی عیاض (مقدمہ اکمال المعلم: ۳۴۸/۳۴۹) حافظ ذہبی فرماتے ہیں:" ان (ابن عیینہ) سے احتجاج پر امت کا اجماع ہے وہ مدلس تھے مگر معروف ہے کہ وہ صرف ثقہ سے تدلیس کرتے تھے۔"[1]

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: دوسرا طبقہ ان مدلسین کا ہے جن کی تدلیس کو ائمہ نے برداشت کیا ہے۔۔۔یا وہ صرف ثقہ سے تدلیس کرتے ہیں جیسے ابن عیینہ ہیں (طبقات المدلسین: ۱۲) حافظ دارقطنی فرماتے ہیں: وہ صرف ثقات سے تدلیس کرتے ہیں۔[2]

[1](میزان الاعتدال: ۲/۱۷۰، سیر اعلام النبلاء: ۷/۲۴۲). [2] (سوالات الحاکم للدارقطنی: ۱۷۵)

اس پر بہت زیادہ محدثین اور ائمہ فن کے اقوال ملتے ہیں، ہم انہیں پر اکتفا کرتے ہیں۔

تیسرا اصول: تدلیسِ کثیر کرنے والا راوی جب عن سے بیان کرے۔

مدلس راویوں کے مختلف طبقات ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ راوی اگر کثرت سے تدلیس کرتا ہے تو اس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے مگر جو راوی قلیل التدلیس ہو تو اس کی معنعن روایت مقبول ہو گی الا کہ اس کی روایت میں تدلیس ثابت ہو جائے۔ یعنی وہ روایت تدلیس شدہ ہو گی، امام علی بن مدینی فرماتے ہیں: اذا کان الغالب علیہ التدلیس فلا حتی یقول: حدثنا۔ "جب تدلیس اس پر غالب آجائے تب وہ حجت نہیں ہو گا، یہاں تک کہ وہ سماع کی صراحت کرتے ہوئے حدثنا (یا سمعت یا أخبرنا) کہے۔[1]

امام مسلم نے فرمایا: "محدثین نے جن راویوں کا اپنے شیوخ سے سماع کا تتبع کیا ہے، وہ ایسے راوی ہیں جو حدیث میں تدلیس سے مشہور ہیں، وہ اس وقت ان کی روایات میں صراحتِ سماع تلاش کرتے ہیں، تاکہ ان سے تدلیس کی علت دور ہو سکے۔" (مقدمہ صحیح مسلم ص:۲۲ ط دارالسلام) یہی موقف محدثین کا ہے۔

حافظ ابن حجر کا سکوت:

حافظ ابن حجر کا اپنی کسی بھی کتاب مثلاً فتح الباری، التلخیص الحبیر، الدرایہ، ھدایۃ الرواۃ وغیرہ میں حدیث کو بیان کر کے اس پر سکوت اختیار کرنے سے اس حدیث کا حافظ ابن حجر کے نزدیک صحیح یا حسن ہونا لازم نہیں آتا۔ فتح الباری اور ھدایۃ الرواۃ کے مقدمہ میں حافظ ابن حجر نے خود کہا ہے کہ جس حدیث پر میں خاموشی اختیار کروں، وہ میرے نزدیک حسن ہے۔ لیکن وہ اس اصول پر پورے نہیں اترے، بلکہ بعض کذاب و متروک راویوں کی روایات پر بھی

[1](الکفایۃ للبغدادی: ج۲ص۳۸۷ وھو صحیح)

خاموش رہے ہیں۔ مثلاً:

۱: احمد الباھلی بالاتفاق متروک اور کذاب راوی ہے، لیکن اس سے مروی حدیث پر حافظ ابن حجر نے سکوت اختیار کیا ہے۔[1]

۲: عبدالغفار بن قاسم کذاب اور متروک کی روایت پر حافظ صاحب نے خاموشی اختیار کی ہے۔[2]

۳: اسی طرح محمد بن سائب کلبی کی جھوٹی مروی روایت پر حافظ ابن حجر نے خاموشی اختیار کی۔[3]

صاحبِ بصیرت کے لیے یہی تین مثالیں کافی ہیں کہ حافظ ابن حجر اپنی کتاب میں کذاب اور متروک راویوں کی روایات موضوع پر بھی خاموشی اختیار کر جاتے ہیں تو ان کا سکوت حسن ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: [4]

امام حاکم اور علامہ ذہبی کا سکوت:

امام حاکم کا مستدرک حاکم میں اور حافظ ذھبی کا تلخیص مستدرک حاکم میں کسی حدیث پر خاموشی اختیار کرنا ان کے نزدیک حدیث کے صحیح ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ بعض لوگ اپنے مسلک کی تائید میں وارد روایت کو صحیح باور کرانے کے لیے مذکورہ بے بنیاد اصول کا سہارا لے لیتے ہیں اور

[1](فتح الباری :۲،۳۱۶،التلخیص:۲،۱۳۳). [2] (فتح البا ری : ۸،۵۰۳). [3] (فتح البا ری: ۷،۱۵۳). [4] (اعلا ء السنن فی المیزان :ص ۷۴، ۸۹)

مسلک کے خلاف حدیث میں اپنے اس مزعومہ اصول کی دھجیاں اڑا دیتے ہیں۔ امام حاکم نے تو مستدرک میں کذاب اور ضعیف راویوں کی روایات پر بھی سکوت اختیار کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا سکوت حدیث کے صحیح ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ تفصیل کے لیے (اعلاء السنن فی المیزان: ص، ۸۹۔ ۹۴، اور مقالات اثریہ: ص، ۵۱۱/۴۷۹) دیکھیں

راویوں کے متعلق چند اہم فوائد:

(۱) راوی پر جرح و تعدیل کے لحاظ سے حکم لگاتے وقت مختصر کتب جرح و تعدیل پر اکتفا کرنا درست نہیں، مثلاً **الکاشف للذھبی، المغنی للذھبی، تقریب التھذیب لا بن حجر** وغیرہ۔ بلکہ مفصل کتب کی طرف مراجعت انتہائی ضروری ہے، خصوصاً اس وقت جب کسی راوی میں اختلاف ہو جائے کہ وہ ثقہ ہے یا ضعیف، تب مفصل کتبِ جرح و تعدیل کی طرف مراجعت ضروری ہو جاتی ہے مثلاً الجرح والتعدیل لا بن ابی حاتم، التاریخ الکبیر للبخاری، تھذیب الکمال للمزی وغیرہ، لیکن اگر مفصل کتب سے تحقیق کرنے کے بعد ثابت ہو کہ یہ راوی ثقہ ہے اور مختصر کتب میں بھی یہی لکھا ہو تو پھر مختصر کتب کا حوالہ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

(۲) رواۃ تین قسم کے ہیں

(۱) وہ رواۃ جن کے ثقہ ہونے پر اتفاق ہے۔

(۲) وہ رواۃ جن کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔

(۳) وہ رواۃ جن کے ثقہ یا ضعیف ہونے میں اختلاف ہے۔ تحقیق کے دوران میں مختلف فیہ

رواۃ پر بہت زیادہ محنت کرنی چاہیے اور اقرب الی الصواب قول کو اختیار کرنا چاہیے۔

(۳) احادیث تین قسم کی ہیں

(۱) وہ احادیث جن کے صحیح ہونے پر اتفاق ہے

(۲) وہ احادیث جن کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے

(۳) وہ احادیث جن کے صحیح یا ضعیف ہونے میں اختلاف ہے۔ دوران تحقیق مختلف فیہ احادیث پر بہت زیادہ محنت کرنی چاہیے اور اقرب الی الصواب کو اختیار کرنا چاہیے۔ نیز دیکھیے: [1]

(۴) اگر کسی حدیث کو ناقد محدث کسی علت کی بنا پر معلول قرار دے تو اس علت کو تسلیم کیا جائے گا۔ اس طرح جب وہ کسی حدیث کو صحیح قرار دے تو اسے صحیح تسلیم کیا جائے گا۔ اگر کوئی دوسرا محدث اس سے اختلاف کرے تو ترجیح کی صورت نکالی جائے گی۔ طرفین کی تحقیق پر غور و فکر کے بعد ایک کو راجح کہا جائے گا۔[2]

(۵) دورانِ تخریج ہر ہر راوی پر مفصل بحث کرنا فوائد سے خالی نہیں ہے، لیکن اگر وہ ثقہ ہے تو توثیق کے چند اقوال مع حوالہ جات لکھ دینے کافی ہیں، مثلاً ایک راوی ثقہ ہے، اس کی محدثین میں سے دس نے توثیق کی ہے تو وہاں صرف تین چار محدثین کے اقوال پر اکتفا کرنا اور ساتھ "وغیرہ" لکھ دینا کافی ہے۔

(۶) اگر کوئی معتبر محدث کسی حدیث پر حکم لگاتے وقت لکھ دے: "رجالہ ثقات" تو اس سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ صحیح حدیث کی پانچ شرائط ہیں تو" رجالہ ثقات" وغیرہ کہنے

[1] (دلائل النبوۃ للبیہقی۔ج ۱/۳۲۔۳۸ مجموع الفتاوی لا بن تیمیہ :۱۸/۴۹). [2] (النکت علی ابن الصلاح لابن حجر :۲/۱۱۷)

سے راویوں کا ثقہ اور عادل ہونا تو اس کے نزدیک ثابت ہوتا ہے لیکن باقی تین شرطیں اس میں نہیں پائی جاتیں، لیکن اس پر اعتماد کرنے سے پہلے تمام رواۃ کے حالات خود دیکھ لیے جائیں، تاکہ حقیقی یقین حاصل ہو اور شک وشبہہ ختم ہو جائے، کیونکہ بعض محدثین صرف اکیلے ابن حبان کی توثیق کی وجہ سے بھی" رجالہ ثقات " کہہ دیتے ہیں، مثلاً حافظ ہیثمی مجمع الزوائد میں ایسا کرتے ہیں دیکھیے: **مقدمہ الجامع الکامل فی الحدیث الصحیح الشامل للمحدث ضیاء الرحمن اعظمی حفظہ اللہ مدرس المسجد النبوی۔**

(۷) تخریج میں حدیث کی اصل کتب کی طرف نسبت کرنا ضروری ہے، ایسی کتب جو مختصرات ہیں اور ان کی سندیں بھی محذوف ہیں، مثلاً" **مشکوۃ اور بلوغ المرام** "تو تخریج میں ان کی طرف حدیث کی نسبت کرنا کوئی فائدہ نہیں دیتا، لیکن اگر اصل کتاب کے حوالے کے ساتھ مشکوۃ یا بلوغ المرام کا بھی نام لکھ دیا جائے پھر درست ہے۔

(۸) دوران تخریج صرف ایک نسخے پر اعتماد کرنا درست نہیں ہے، بلکہ اس کتاب کے جتنے بھی مطبوع یا مخطوط نسخے ہوں، تمام تک رسائی ضروری ہے، کیونکہ بعض دفعہ ایک حدیث ایک مخطوط میں نہیں ہوتی، لیکن وہی حدیث کسی دوسرے مخطوط میں ہوتی ہے مثلاً یہ بات مشہور ہے کہ" **إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ** "موطا امام مالک میں نہیں ہے، حالانکہ یہ حدیث اس موطا میں ہے جو سوید بن سعید روایت کرتے ہیں۔ **کذا قال السیوطی** [1]

اسی طرح سنن الترمذی میں "حسن صحیح" نقل کرنے میں نسخوں میں بہت زیادہ اختلاف ہے، جس طرح ابن اصلاح (**مقدمہ ابن اصلاح ۲/ص:۳۲، بتحقیق نور الدین العتر**) نے کہا ہے اور اس کی کئی علماء محدثین نے وضاحت کی ہے، شیخ احمد شاکر مصری نے اپنی تحقیق سنن

(1)(تنویر الحوالک ۱/۱۰)

الترمذی میں اس مشکل کو حل کرنے کی غرض سے انتہائی عمدہ کام شروع کیا تھا لیکن زندگی نے وفا نہ کی اور وہ یہ کام مکمل نہ کر سکے۔ **فجزاہ اللہ خیرا۔**

(۹) تخریج سے حدیث پر کتب حدیث و اجزاء وغیرہ کے حوالوں کو جمع کرنا مقصد نہیں ہوتا۔ بلکہ تخریج کا مقصد حدیث کے مرتبے کی پہچان کرنا ہے اور طرقِ حدیث پر بحث کرنا اس وقت اہم بلکہ فرض ہو جاتا ہے جب کسی تابع یا مدلس کے سماع کی صراحت یا مبہم راوی کے نام کی صراحت تلاش کرنا مقصود ہو یا قیمتی اسنادی فوائد پیش نظر ہوں۔

(۱۰) دوران تخریج حدیث کا حوالہ مشہور متداول کتب سے دینا چاہیے، اگر ان میں ہو۔ لیکن مشہور کتب میں حدیث بھی ہے لیکن وہ حوالہ دور کی کسی کتاب کا دے رہا ہے تو یہ درست نہیں ہے مثلا: اگر کوئی سنن ابی داود کی حدیث پر سنن ابی داود کی بجائے مستدرک حاکم کا حوالہ لکھتا ہے تو یہ

فنی اعتبار سے درست نہیں۔ مستدرک حاکم کی بنسبت سنن ابی داود قریب کی مشہور اور متداول کتاب ہے۔ امام ابن قطان نے "بیان الوھم والا یھام" میں مستقل باب باندھا ہے کہ وہ احادیث جن کو علامہ اشبیلی نے دور کی کتب کی طرف منسوب کیا ہے۔

(۱۱) اگر کوئی حدیث بخاری و مسلم دونوں میں ہے تو حوالہ لکھتے وقت دونوں کا حوالہ لکھنا ضروری ہے، تاکہ حدیث کو اصل درجہ حاصل ہو۔ مثلاً "عذاب القبر حق" بخاری و مسلم دونوں میں ہے لیکن اگر کوئی اس پر صرف بخاری کا حوالہ لکھتا ہے تو گویا قاری اس حدیث کو صحیح حدیث کے درجو ں میں سے دوسرا درجہ دے رہا ہے، حالانکہ وہ حدیث بخاری و مسلم (متفق علیہ) کی اعلیٰ درجہ کی حدیث ہے۔

(۱۲) اگر بخاری و مسلم یا صرف بخاری یا صرف مسلم میں ہے تو قیمتی فائدے کی غرض سے ان کے علاوہ دیگر کتبِ سنن وغیرہ کے حوالے لکھنا بھی درست ہے لیکن تاجرانہ سوچ رکھ کر کتاب کا حجم بڑھانے کے لیے بالکل درست نہیں۔

(۱۳) دورانِ تخریج صرف کتاب کا نام لکھ دینا کافی نہیں بلکہ مکمل حوالہ لکھنا چاہیے، مثلاً صحیح بخاری کتاب فلاں، باب فلاں، رقم الحدیث فلاں یا جز فلاں۔ یا صحیح البخاری، کتاب فلاں، باب فلاں۔ یا صحیح البخاری رقم الحدیث فلاں، ان طریقوں سے پہلا طریقہ زیادہ فوائد پر مشتمل ہے، اس میں کتاب، باب، رقم الحدیث، جز یا جلد اور صفحہ نمبر تمام چیزیں آجاتی ہیں، جس سے قاری کا حدیث تک پہنچنا انتہائی آسان ہو جاتا ہے۔

(۱۴) کتب حدیث اور رجال کا منہج سمجھنا بہت ضروری ہے، اس پر بحث آگے آرہی ہے ان شاء اللہ

(۱۵) تحقیقِ حدیث میں جہاں سند کی تحقیق میں رواۃ پر بحث ہوتی ہے اور سند میں اتصال یا انقطاع معلوم کرنا ضروری ہوتا ہے۔ وہاں متن کی تحقیق بھی بہت ضروری ہے، وہ متن شاذ، منکر، مضطرب، مقلوب، وغیرہ کی قسموں میں سے تو نہیں۔ گویا صرف سند کی تحقیق کو پیشِ نظر رکھنا غلط ہے، جس طرح ہمارے بعض شیوخ چلے ہیں!!! تحقیق میں متن کو بھی پیشِ نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔

(۱۶) اگر سند کے تمام رواۃ ثقہ ہیں اور اس میں صحیح حدیث کی باقی شروط بھی موجود ہیں تو اس پر" صحیح لذاتہ "کا حکم لگایا جائے گا۔

(۱۷) اگر سند کے تمام رواۃ ثقہ ہیں سوائے ایک کے اور وہ صدوق درجے کا ہو تو اس کا حکم "حسن لذاتہ" ہو گا

(۱۸) ضعیف روایت کو بیان کرتے وقت صیغہ تمریض استعمال کیا جائے گا، تاکہ قاری وہم میں نہ پڑے۔ افسوس کہ بعض علماء ضعیف روایت کو بھی صیغہ جزم کے ساتھ روایت کر دیتے ہیں، حالانکہ یہ انداز درست نہیں۔ حافظ ابن الصلاح نے اس پر عمدہ بحث کی ہے۔[1]

[1]مقدمہ ابن الصلاح ص:۹۳-۹۴

(۱۹) جس طرح صحیح حدیث کی اقسام ہیں تو تخریج کے وقت جو حکم ثابت ہو، وہی لگانا چاہیے، اسی طرح ضعیف حدیث کی بھی بہت زیادہ اقسام ہیں، جو حکم جس پر ثابت ہو گا وہی لگایا جائے گا، مثلاً اگر روایت موضوع ہے تو اس کو موضوع ہی کہا جائے گا، اگر اس پر حکم ضعیف کا لگا دیا تو یہ غلط شمار ہو گا، اس پر شیخ ناصر الدین رحمہ اللہ نے بہت زور دیا ہے۔ فجزاہ اللہ خیراً (۲۰) بعض علماء حسن حدیث کو صحیح سے الگ نہیں کرتے بلکہ حسن پر بھی صحیح کا اطلاق کر دیتے ہیں مثلاً ابن خزیمہ اور ابن حبان وغیرھما۔ اگر دیکھا جائے تو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بے شمار حسن روایات موجود ہیں، لیکن ان کو صحیح میں شمار کیا گیا ہے۔

ضعیف حدیث کو بیان کرنے کا طریقہ:

جب کسی ضعیف حدیث کو لکھنا ہو یا بیان کرنا ہو تو اس وقت جزم کے صیغے (صیغہ معروف) سے بیان نہیں کرنا چاہیے بلکہ صیغہ تمریض (صیغہ مجہول) سے بیان کرنا چاہیے افسوس ان بعض خطیبوں پر جو پہلے صیغہ جزم کے ساتھ تفصیل سے ضعیف قصہ یا روایت بیان کرتے رہتے ہیں اور تقریر کے آخر میں کہہ دیتے ہیں:" فیہ مقال یا فیہ کلام" اس انداز سے سامع کو اس ضعف کا کچھ علم نہیں ہوتا نہ ہی وہ لوگ فیہ مقال یا فیہ کلام کا مطلب سمجھ رہے ہوتے ہیں!!

یہ طریقہ غلط ہے، بلکہ پہلے یہ بتانا چاہیے کہ ایک ضعیف روایت ہے اس سے بچو، اس پر عمل کرنا چھوڑ دو، پھر وہ روایت بیان کی جائے، اس کے متعلق علامہ نووی لکھتے ہیں: محدثین اور محققین کا یہ کہنا ہے کہ جب حدیث ضعیف ہو تو اس کے بارے میں یوں نہیں کہنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یا آپ نے کہا یا آپ نے کرنے کا حکم دیا ہے یا منع کیا ہے اور اسی طرح دوسرے جزم کے صیغوں سے بیان نہیں کرنی چاہیے، بلکہ ان سب صورتوں میں یوں کہا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے، یا نقل کیا گیا ہے یا روایت کی جاتی ہے، وغیرہ وغیرہ کیوں کہ جزم کے صیغے روایت کی صحت کے متقاضی ہوتے ہیں، لہذا ان کا اطلاق اسی روایت پر کیا جانا چاہیے، جو صحیح ثابت ہو، ورنہ وہ انسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے والے کی مانند ہو گا، مگر اس ادب کو جمہور فقہاء اور دیگر اہل علم نے ملحوظ نہیں رکھا سوائے ماہرین محدثین کے۔

جرح وتعدیل:

یہ ایک مستقل فن ہے، اس کی تفصیلات کا یہ محل نہیں، بعض چیزوں کی طرف اشارہ مقصود ہے، تفصیلات کے لیے اس فن پر لکھی گئی کتب کا مطالعہ کیا جائے۔ توفیق الہی سے راقم نے بھی اس فن پر درج ذیل کتب لکھ رکھی ہیں:

۱: موسوعۃ المدلسین

۲: الفتح الجلیل فی ضوابط الجرح والتعدیل

۳: علوم الحدیث عند الامام محمد ناصر الدین

۴: احناف کے اصول حدیث استاد محترم محدث العصر شیخ ارشاد الحق حفظہ اللہ کی نظر میں ۵: محدثین کے حالات اور ان کی کتب حدیث کا منہج

۶: ائمہ جرح وتعدیل کے حالات اور ان کی کتب جرح وتعدیل کا منہج۔ یسر اللہ لنا طبعہا ائمہ جرح وتعدیل کے کچھ طبقات ہیں۔ کچھ محدثین جرح کرنے میں بہت ہی متشدد ہیں اور کچھ تعدیل کرنے میں متساہل اور کچھ معتدل ہیں۔ معتدلین کی تعدیل کے مقابلے میں متشددین کی جرح کا کوئی خاص اعتبار نہیں اور متساہلین کی تعدیل کا معتدلین کی جرح کے مقابلے میں کوئی خاص وزن نہیں۔

راویوں کو ثقہ یا ضعیف ثابت کرتے وقت انصاف کرنا!

دورانِ تحقیق کسی راوی کو ثقہ یا ضعیف ثابت کرتے وقت انصاف سے کام لینا فرض ہے، کیونکہ اگر ایک راوی ناانصافی کی وجہ سے ضعیف ہو گیا تو اس کی روایات پر تنقید ہو گی اور اگر کوئی راوی ناانصافی کی وجہ سے ثقہ ثابت کر دیا گیا تو اس کی احادیث کو صحیح سمجھا جائے گا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بعض متعصب اور مقلد اہل علم اپنی مستدل حدیث کو صحیح ثابت کرنے کے لیے اس کے راویوں کو ثقہ ثابت کریں گے خواہ انھیں جیسے مرضی ثقہ کہنا پڑے، حالانکہ وہ راوی ضعیف ہوتا ہے بلکہ کذاب ودجال راویوں کو بھی ثقہ ثابت کیا جاتا ہے۔ یا اسفا۔

ثقہ کی زیادتی:

تعریف: جب راوی کسی حدیث (سند یا متن یا دونوں) میں کسی اضافے کو اپنے استاد سے بیان کرنے میں باقی راویان سے علیحدہ ہو تو اسے "زیادۃ الثقہ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔[1]

[1](اختصار علو م الحدیث لا بن کثیر :ص۶۱)

زیادۃ الثقہ کے حکم کا خلاصہ:

مصطلح الحدیث میں زیادۃ الثقہ کی بحث میں محدثین نے جو تفصیل بیان کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) زیادتی کے رد اور انکار کا مدار اس پر ہو گا کہ وہ زیادتی دوسرے ثقہ راویوں کی روایت کے منافی ہو گی تو ایسی صورت میں جمہور محدثین کے ہاں ناقابل اعتماد ہو گی۔

(۲) اگر وہ منافی نہ ہو اور کوئی قرینہ اس کے خطا، نسیان یا وہم پر بھی دلالت نہ کرے، یعنی اس زیادت کو ایک مستقل حدیث ایسی اساسی حیثیت حاصل ہو تو وہ بلاشبہہ قابلِ قبول گی۔

فضیلۃ الشیخ محدث العصر ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے (توضیح الکلام ص:۶۶۷ تا ۶۷۵) میں زیادۃ الثقہ پر جو کلام کیا ہے، وہ لائق مطالعہ ہے۔
(۳) راوی کا حال قبول اور رد کا میزان ہوتا ہے۔ اگر زیادت کا راوی احفظ اور اوثق ہو، یعنی اس زیادت کو نہ بیان کرنے والے سے زیادہ ثقہ ہو تو اس زیادت کو قبول کیا جائے گا۔ اگر دونوں تعدیل کے مرتبے میں برابر ہوں، تب بھی اس زیادت کو قبول کیا جائے گا۔ اگر زیادت کا راوی، زیادت نہ کرنے والوں سے ثقاہت میں کم ہو تو اس کی زیادت قابل اعتبار نہ ہو گی، وہ بلاشبہہ شاذ کے زمرے میں آئے گی۔ البتہ بعض دفعہ قرائن وشواہد کی بنا پر اس سے مختلف حکم بھی لگ سکتا ہے۔ یہ اس زیادت کا خلاصہ ہے، جو محدثین نے مصطلح الحدیث میں شاذ اور منکر کے تحت بیان کیا ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ کسی بھی کتبِ صحاح پر اعتماد نہیں:

صحیحین کے علاوہ جس نے بھی صحیح احادیث پر مشتمل کتب لکھنے کی کوشش کی ہے تو وہ تمام احادیث صحیح نہیں لا سکا۔ بلکہ ضعیف اور موضوع روایا ت کو بھی صحیح میں درج کر دیا ہے، مثلاً:

(۱) امام ضیاء مقدسی کی المختارہ، ابو غدہ حنفی اور تقی عثمانی دیوبندی نے اس بات کا بر ملا اعتراف کیا ہے کہ المختارہ کی تمام احادیث صحیح نہیں، بلکہ اس میں ضعیف اور منکر روایات بھی ہیں۔[1]

حافظ ذہبی نے عبد اللہ بن کثیر بن جعفر کے ترجمہ میں المختارہ سے ایک روایت نقل کی اور فرمایا: معلوم نہیں یہ کون ہے ؟ یہ حدیث باطل اور سند مظلم ہے، عبد اللہ بن کثیر سے روایت کرنے میں عبد اللہ بن ایوب منفرد ہے، ضیاء الدین (مقدسی) نے اس کی المختارہ میں تخریج کر کے اچھا نہیں کیا۔[2]

(۲) امام حاکم نے مستدرکِ حاکم میں بھی صحیح احادیث کا اہتمام کیا ہے لیکن اس کے باوجود بے شمار ضعیف اور موضوع روایات کو بھی صحیح کہا گیا ہے۔ حافظ ابن حجر ایک راوی کے متعلق فرماتے ہیں، ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کر کے اس کتاب کو عیب دار بنا دیا ہے، اسی طرح حاکم نے بھی مستدرک میں اس کی حدیث لا کر غلطی کی ہے۔[3]

فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کو قبول کرنے کی شرائط: بعض کہتے ہیں: فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث چند شرائط کے ساتھ مقبول ہے وہ شرطیں درج ذیل ہیں:

(۱) اس حدیث میں ضعف شدید نہ ہو، کذاب، متہم بالکذب اور فحش الغلط کی روایت نہ ہو، اس شرط پر اتفاق ہے۔

(۲) عام دلیل کے تحت درج ہو۔

(۳) اس پر عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا عقیدہ نہ رکھا جائے۔(**القو ل البدیع فی فضل الصلاۃ علی الحبیب الشفیع**: ص:۲۵۸) پہلی شرط پر حافظ علائی نے علماء کا اتفاق نقل کیا ہے۔[4]

(۴) عمل کرنے والے کا یہ عقیدہ ہو کہ حدیث ضعیف ہے۔-[5]

(۵) مدح اور ذم کے لحاظ سے اس حدیث میں بیان کردہ مسئلہ شریعت میں ثابت ہو۔

(۶) یہ ضعیف حدیث صحیح حدیث کی تفصیلات و توضیحات وغیرہ پر مشتمل نہ ہو۔[6]

تبصرہ:

کیونکہ غیر ثابت چیز کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنا ہی درست نہیں ہے۔ دین اسلام مکمل ہے اس میں ذرہ بھی نقص نہیں ہے تو فضائل میں غیر ثابت چیز کو دین میں داخل کرنا مشعر ہے کہ دین میں یہ فضائل کی کمی تھی۔ **معاذ اللہ**

محدث العصر امام محب اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:''میں سمجھتا ہوں کہ حافظ ابن حجر نے ضعیف حدیث کے فضائلِ اعمال میں قبولیت کی جو شرائط تحریر فرمائی ہیں، وہ بھی دراصل ضعیف سے روکنا ہی مقصود ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ انھوں نے ضعیف حدیث کی مقبولیت کے متعلق براہ راست اس لیے اظہار کی جرات نہیں فرمائی کہ چند بڑے بڑے فضلاء علماء مثلاً امام احمد جیسے بزرگوں نے بھی ایسی ضعیف حدیث جو موضوع، مضطرب اور منکر نہ، ہو اس پر عمل میں کچھ تساہل اختیار کیا ہے، لیکن حافظ وغیرہ کی صحیح حکمت عملی نے ایسی شروط مقرر فرما دیں جو نہ تو ان کا پوری طرح سے ایفاء

[1]حاشیہ اعلاء السنن :۲/۱۰۳، ۱۰۴). [2] (میزان :۲/۴۷۳). [3] (لسان المیزان :۲/۱۶۳). [4] (تدریب الراوی :۱/۲۹۸). [5] (تبیین العجب بماورد فی فضائل رجب لابن حجر :۷۲).
[6] (حکم العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال لاشرف بن سعید المصری :ص۵۵

ہی ہو سکتا ہے اور نہ ہی وہ قابل عمل بن سکتی ہیں **فجزاہ اللہ خیرا** [1]

ان شرائط پر مفصل بحث و تنقید شیخ غازی عزیر مبارک پوری حفظہ اللہ نے اپنی کتاب (ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حثیت:ص،۳۱۵/۲۶۴) میں کی ہے۔

جب جرح وتعدیل میں تعارض آجائے؟

اگر کسی راوی کے متعلق تعارض آجائے، یعنی کچھ اس کو ثقہ کہہ رہے ہیں اور کچھ ضعیف۔ تو ایسی صورت میں ائمہ جرح وتعدیل کے مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے راوی پر راجح موقف اختیار کریں گے، مثلاً ایک راوی کو صرف امام ابن معین، امام بخاری اور امام دارقطنی ثقہ کہیں، لیکن امام ابن حبان، حاکم وغیرہ ضعیف کہیں خواہ ضعیف کہنے والے ان جیسے دس کیوں نہ ہوں تو ان دس کی بات مرجوح ہو گی اور تین ائمہ جو جرح وتعدیل کے متفق ائمہ تھے، ان کی بات مانی جائے گی، خواہ وہ تین ہی ہوں، کیونکہ متساہل ائمہ سو مل کر بھی ان اعلی درجے کے ائمہ میں سے تین کے برابر نہیں ہو سکتے۔ یاد رہے کہ ''جمہوریت'' غلط ہے، خواہ الیکشن میں ہے یا تحقیقِ رواۃ میں۔ یہ اصول ہی باطل ہے کہ جس کو زیادہ ثقہ کہیں وہ ثقہ ہے۔ ۵ کے مقابلے میں ۶ زیادہ ہیں، لہذا ۶ کی بات مانی جائے گی۔ یہ کوئی اصول نہیں ہے۔ حقیقت میں راوی ثقہ ہو اور اس کو اتفاقاً اکثر محدثین بھی ثقہ کہہ رہے ہیں اور بعض متاخرین اہل علم نے لکھا بھی ہو کہ ''وثقہ الجمھور'' تو اس سے یہ اصول وضع کر لینا کہ ہر جگہ جمہور کی بات مانی جائے گی، درست نہیں ہے۔

مجہول:

اگر ثقہ راوی سے صرف روایت کرنے والا ایک راوی ہے تو اسے مجھول العین کہتے ہیں اور اگر اس سے دو ثقہ روایت کریں اور اس کی کسی نے توثیق نہ کی ہو تو اسے مجھول الحال

[1](ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت :ص، ۲۷۴)

کہتے ہیں۔ فائدہ: ابن الجوزی تخریج و تحقیق میں کافی اوہام کا شکار ہوئے ہیں، ان کی ضروری تفصیل محدث مصر امام ابو اسحاق الحوینی حفظہ اللہ نے اپنی کتاب'' جنۃ المرتاب'' کے مقدمہ (ص:۱۰تا۱۴) میں بیان کی ہے **فجزاہ اللہ خیرا**

امام ابن جوزی کے کسی راوی پر حکم لگانے میں اعتماد نہ کیا جائے۔ امام ابن جوزی اپنی کتاب میں راویوں پر جرح وتعدیل کے حوالے سے ان کے ثقہ یا ضعیف ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔ لیکن وہ اس فن کے ماہر نہیں تھے اسی وجہ سے محدثین نے ان پر تنقید شدید کی ہے۔ مثلاً حافظ ذہبی لکھتے ہیں: میں نے حرقانی کے خط سے پڑھا ہے کہ ابن الجوزی اپنی تصانیف میں بہت زیادہ غلطیاں کرنے والے تھے، وہ کتاب لکھ کر فارغ ہوتے اور اس کو معتبر نہیں سمجھتے تھے۔[1]

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ابان بن یزید العطار کو ابن الجوزی نے اپنی کتاب ضعفاء میں ذکر کیا ہے اور اس کی توثیق کرنے والوں کے اقوال ذکر ہی نہیں کیے یہ بات اس کی کتاب کے عیوب سے ہے کہ وہ جرح لکھ دیتے ہیں اور توثیق سے خاموشی اختیار کر جاتے ہیں۔[2]

حافظ ذہبی ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ابو حاتم نے طالوت بن عباد کو ثقہ کہا ہے لیکن ابن جوزی نے بغیر کسی تحقیق کے کہہ دیا کہ "ضعفہ علماء النقل" اس کو علمائے نقل نے ضعیف کہا ہے۔ میں (ذہبی) کہتا ہوں کہ میں قیامت تک تلاش کرتا رہوں لیکن میں کسی ایسے محدث کو نہیں پاؤں گا جس نے اس کو ضعیف کہا ہو۔[3]

[1](تذکرۃ الحفاظ :۴؍۱۳۴۷). [2] (میزان الاعتدال:۱؍۱۷). [3] (میزان الاعتدال :۲؍۳۳۴)

حافظ سیوطی فرماتے ہیں: ''فما له فيه ذوق المحدثين" ابن جوزی میں محدثین کا ذوق نہیں ہے (احادیث کو پرکھنے اور راویوں پر جرح و تعدیل کا حکم لگانے میں) [1]

مذکورہ تفصیل سے ثابت ہوا کہ ابن الجوزی اگر کسی راوی پر حکم لگائیں تو اسے آنکھیں بند کر کے نہیں لینا چاہیے جب تک مکمل تحقیق نہ کر لی جائے، کیونکہ ابن جوزی راویوں پر حکم لگانے میں غفلت کا شکار ہوئے ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمیں اس طرح کے لوگوں کی کتب سے پوری توجہ سے نقل کرنا چاہیے۔

مرضی کے قواعد بنانا درست نہیں!

بعض لوگ اپنے مذہب کی خاطر بعض غلط اور بے بنیاد قواعد کا سہارا لیتے ہیں، حالانکہ انھیں قواعد پر عمل کرنا ہو گا جو محدثین نے اپنائے، اس طرح اسلام کو بہت نقصان پہنچا کہ مرضی کے غلط اور شاذ قواعد بنانے کی وجہ سے کتنی ہی ضعیف روایات کو صحیح قرار دیا گیا، اور اس کے برعکس بھی کتنی ہی صحیح احادیث کو ضعیف قرار دیا گیا، اس منہج کو اپنانے میں انتہائی خطرناک نتائج سامنے آتے ہیں۔ چند باطل قواعد کی تفصیل درج ذیل ہے۔ قاعدہ نمبر:۱ بعض نے کہا، '' التدليس والارسال في القرون الثلاثة لا يضرنا " قرون ثلاثۃ میں تدلیس اور ارسال ہمیں مضر نہیں۔[2]

تبصرہ: حالانکہ تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بے شمار راوی تدلیس کرتے تھے، حالانکہ یہ اصول ہے کہ جو کثیر تدلیس کرنے والا راوی ہے، اس کی عن سے مروی روایت ضعیف ہے۔ اسی

[1](طبقات المغیرین :۷ابحوالہ جنۃ المرتاب لابی اسحاق الحوینی :ص، ۱۱، ۱۲). [2] (اعلاء السنن :۱؍۳۱۳)

طرح مرسل تابعی راجح قول کے مطابق جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہوتی ہے، کیونکہ اس میں تابعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست بیان کرتا ہے اور تابعی کے بعد رواۃ کا ہمیں علم نہیں کہ وہ کون ہیں اور کتنے ہیں؟ اس لیے وہ روایت ضعیف ہوتی ہے۔ قاعدہ نمبر:۲ بعض علمائے احناف لکھتے ہیں: "والانقطاع لا یضرنا" انقطاع ہمیں نقصان نہیں دیتا۔[1]

تبصرہ: یہ بات محدثین کے اصول کے خلاف ہے۔ انقطاع کی وجہ سے روایت ضعیف ہوتی ہے یہی محدثین کا اصول ہے۔ قاعدہ نمبر:۳ بعض اہل علم نے کہا کہ ہر مدلس کی عن سے مروی روایت ضعیف ہوتی ہے! تبصرہ: حالانکہ یہ بات بھی درست نہیں، کیونکہ محدثین متقدمین سے لے کر اب تک کے تمام محدثین و محققین، سوائے چند اہل علم کے، محدثین کثیر التدلیس راوی کی روایت عن سے مروی ہو تو اسے ضعیف کہتے ہیں لیکن اگر راوی قلیل التدلیس ہے مثلاً زہری وغیرہ تو اس کی عن سے مروی روایت کو صحیح کہتے ہیں الا یہ کہ تدلیس ثابت ہو جائے۔

قاعدہ نمبر:۴ بعض اہل علم نے کہا: ''حسن لغیرہ حجت نہیں''

تبصرہ: یہ اصول بھی باطل ہے، ائمہ متقدمین اور متاخرین سے یہ بات کثرت سے ثابت ہے کہ حسن لغیرہ حجت ہوتی ہے۔ اپنی شروط کے ساتھ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

قاعدہ نمبر:۵ کذاب اور ضعیف راوی کو ثقہ ثابت کرنے کی کوشش کرنا!

تبصرہ: جو راوی اصولِ محدثین اور جرح وتعدیل کی روشنی میں ضعیف یا کذاب ثابت ہو جائے تو

[1](اعلاء السنن:۱/۲۰۴)

وہ ضعیف اور کذاب ہی ثابت کیا جائے گا، یہی امانت علمی ہے۔ افسوس کہ بعض اہل علم مرضی کے راوی کو ثقہ ہی ثابت کرتے ہیں خواہ وہ بالاتفاق کذاب یا ضعیف ہی ہو، مثلاً جابر الجعفی کذاب ہے، مگر بعض مطلب کی روایات میں ان کو ثقہ ثابت کرنے کی بے جا کوشش کی جاتی ہے!!

قاعدہ نمبر:۶ مختلف فیہ راوی کی روایت حسن درجے کی ہوتی ہے؟

تبصرہ: یہ قاعدہ بھی اپنی فقہ کو تقویت دینے کے لیے احناف استعمال کرتے ہیں حالانکہ یہ قاعدہ ثابت نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ مختلف فیہ راوی کے متعلق ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال دیکھ کر راجح فیصلہ کریں گے۔ اگر وہ ضعیف ثابت ہوا تو ضعیف کا حکم لگایا جائے گا اور اگر وہ ثقہ یا صدوق ثابت ہوا تو اس کو ثقہ یا صدوق ثابت کیا جائے گا۔

قاعدہ نمبر:۷ کسی بھی امام کے سکوت سے حدیث کا اس کے نزدیک صحیح یا حسن ہونا لازم نہیں آتا۔

بعض لوگوں نے یہ بات مشہور کر دی ہے کہ اس حدیث پر فلاں امام نے سکوت اختیار کیا ہے گویا یہ حدیث صحیح ہے! حالانکہ یہ بات درست نہیں۔

قاعدہ نمبر:۸ امام ابو داود کا سکوت؟

یہ اصول سرے سے غلط ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے، احناف اس اصول کو بہانہ بنا کر صحیح باور کراتے ہیں!! حالانکہ حافظ ابن حجر نے اس کے غلط ہونے پر مفصل بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ امام ابو داود نے حارث بن وجیہ، صدقہ دقیقی، عثمان بن واقد عمری، محمد بن عبدالرحمن البلیمانی، ابو جناب کلبی، سلیمان بن ارقم، اسحاق بن عبد اللہ بن ابی فروہ وغیرہ جیسے متروک اور ضعیف راویوں کی روایات پر سکوت کیا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں منقطع، مدلسین اور مبہم راویوں کی روایات بھی ہیں، اس پر مفصل بحث کرنے کے بعد بالآخر فرمایا ہے کہ درست یہ ہے کہ ان کے صرف سکوت پر اعتماد نہیں ہے، اس لیے کہ ہم نے ذکر کیا کہ وہ ضعیف احادیث سے استدلال کرتے ہیں اور انھیں قیاس پر مقدم جانتے ہیں۔[1]

اس پر سیر حاصل بحث کے لیے دیکھیے ہمارے استاد محترم محدث العصر ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کی کتاب۔[2]

قاعدہ نمبر:۹ امام نسائی کا سکوت؟

امام نسائی کا سنن صغری میں کسی حدیث پر سکوت اختیار کرنا دلیل نہیں کہ امام نسائی کے نزدیک وہ حدیث صحیح ہے!! حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: ''انہ غیر مسلم فانہ فیہ رجالاً مجھولین اماعیناً أوحالا، وفیھم المجروح وفیہ أحادیث ضعیفة معللة ومنکرة ''یہ بات مسلم نہیں (کہ سنن نسائی کی احادیث سکوت پر مبنی صحیح ہیں) کیونکہ اس میں مجھول العین یا مجھول الحال اور مجروح راوی ہیں اور اس میں ضعیف، معلول اور منکر احادیث ہیں۔[3]

حافظ ابن کثیر سے پہلے حافظ ابن الصلاح نے بھی سنن النسائی کے متعلق یہاں تک کہا ہے ''ھذا عجیب اذیروی ویقول: متروک ''یہ عجیب بات ہے کہ اس کی روایت ذکر کر

[1]النکت لابن حجر :۱/۴۴۳). [2] (اعلاء السنن فی المیزان :۵۲-۷۱). [3] (اختصار علوم الحدیث :۴۱)

تے ہیں اور اس کے باوجود اسے متروک کہتے ہیں۔[1]

ثابت ہوا کہ کئی ایسے راوی بھی ہیں جن کو خود امام نسائی نے متروک اور ضعیف بھی کہا ہے لیکن ان کی روایات پر سکوت بھی کیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام نسائی کا کسی حدیث پر سکوت اختیار کرنے سے اس حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں۔[2]

دسواں قاعدہ: ثابت شدہ متداول کتب کا انکار کر دینا

بعض اپنے غلط اصولوں کی پیروی میں محدثین کی کتب کا انکار کر دیتے ہیں مثلا العلل الکبیر للترمذی، انساب الاشراف، سوالات ابی عبید الآجری، وغیرھا۔ یہ ثابت شدہ کتب ہیں ان سے مصنفین کے دور سے لے کر آج تک مسلسل استفادہ کیا جا رہا ہے ان ثابت شدہ کتب سے انکار جہاں غلط منہج پر واضح دلیل ہے، وہاں ظلم عظیم بھی۔ تفصیل کا یہ محل نہیں بس اشارہ کافی ہے۔

بعض محدثین کی خاص اصطلاحات:

اگر امام ابن حبان کے ساتھ کوئی اور بھی توثیق کردے تو؟ وہ راوی ثقہ قرار پائے گا خواہ اس راوی کو امام ابن حبان کی توثیق کے ساتھ حافظ ذھبی یا حافظ ابن حجر ہی ثقہ کہہ دیں تو وہ راوی واقعۃ ثقہ شمار ہو گا، کیونکہ اب امام ابن حبان اکیلے توثیق نہیں کررہے بلکہ مزید کی تائید بھی حاصل ہے۔ تائید کرنے والا خواہ متقدمین سے ہو یا متاخرین سے۔

جس راوی کو امام ابن حبان اکیلے ثقہ کہیں؟

[1](میزان الاعتدال :۵۹۸/۳). [2] (اعلاء السنن فی المیزان :ص۷۱۔۷۴).

توان کی توثیق تسلیم نہیں کی جاتی، کیونکہ یہ متساہل تھے۔ بغیر کسی دلیل کے مجہول راویوں کو بھی ثقہ کہہ دیتے ہیں۔

امام بخاری اور التاریخ الکبیر:

امام بخاری کا تاریخ کبیر میں اپنا خاص منہج ہے جس کو سمجھنا نہایت ضروری ہے، تاکہ التاریخ الکبیر پڑھتے وقت کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ علامہ معلمی یمانی فرماتے ہیں: امام بخاری کا التاریخ الکبیر میں کسی حدیث کو بیان کرنا اسے کچھ فائدہ نہیں دیتا، بلکہ اس کو نقصان پہنچاتا ہے کیونکہ امام صاحب التاریخ میں حدیث اس لئے ذکر کرتے ہیں کہ وہ اس کے راوی (صاحب ترجمہ) کی کمزوری پر دلالت کرے۔[1]

''**فیہ نظر**'': جس راوی کے متعلق امام بخاری ''فیہ نظر'' کہیں، اس سے مراد ہے کہ وہ راوی پر جرح کررہے ہیں۔ بعض دفعہ صحابہ کرام رضوان اللہ **علیھم اجمعین** پر بھی ''فیہ نظر'' لکھ دیتے ہیں تو اس سے مراد صحابی پر جرح نہیں بلکہ اس سے مروی روایت پر جرح مقصود ہے۔ نیز دیکھیں: [2]

''منکر الحدیث'': یہ سخت جرح ہے، امام بخاری کے نزدیک اس طرح کے راوی سے روایت لینا حلال نہیں۔

امام بخاری کا ''التاریخ الکبیر'' میں کسی راوی پر سکوت:

امام بخاری اپنی کتاب ''التاریخ الکبیر'' میں جس راوی پر خاموشی اختیار کریں، اس

[1](تعلیق الفوائد المجموعۃ للمعلمی :ص،۱۸۰تحت ح۶۱). [2] (حاشیہ الرفع والتکمیل :ص۳۹۲)

پر بحث و تحقیق دیگر محدثین کے اقوال کی روشنی سے کریں گے نہ کہ امام بخاری کے خاموش رہنے کی وجہ سے اس راوی کے ثقہ یا ضعیف ہونے پر استدلال کیا جائے گا، جس طرح فرقِ باطلہ کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ راوی ہی اس قدر جلیل القدر تھا کہ اس کے مقام کی وجہ سے اس پر خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا، کسی نے کہا کہ جس پر امام بخاری خاموشی اختیار کریں وہ راوی ان کے نزدیک ثقہ ہے وغیرہ، یہ باتیں باطل و مردود ہیں۔ شیخ العرب والعجم امام بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ اس پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:: ''اس اصول کے بطلان کے لیے یہی کافی ہے کہ خود امام بخاری

نے تاریخ میں متعدد ایسے راویوں پر سکوت کیا ہے جن پر انھوں نے اپنی دوسری کتابوں میں جرح کی ہے، مثلاً تاریخ میں انھوں نے حسب ذیل افراد کا ذکر کیا ہے: '' الحارث بن نعمان البثیی، اصلت بن مهران التیمی، الکوفی ابو ہاشم، عبد الله بن معاویه، الزبیر بن عوام الاسدی البصری، عبد الله بن محمد بن عجلان مولی فاطمة بنت عتبة القرشی، عبدالرحمن بن زیادہ بن انعم افریقی، عبد الوھاب بن عطاء الخفاف، عمران العمی، عاصم بن عبیدالله العمری، معاویه الثقفی، ابو عبد الرحمن بصری، مختار بن نافع ابو اسحاق التیمی، نصر بن حماد بن عجلان، یحیی بن ابی سلیمان المدنی، یحیی بن محمد الجاری، ان کے بارے میں انھوں نے کوئی کلام نہیں کیا نہ جرح کی، مگر ان کو الضعفاء میں ذکر کیا اور ان پر جرح کی''[1]

اس بحث پر ایک مفصل رسالہ (رواۃ الحدیث الذین سکت علیهم ائمة الجرح والتعدیل بین التوثیق والتجهیل۔از شیخ عداب محمود) ہے تفصیل کا طالب اس کتاب کی طرف رجوع کرے۔

)[1]نقض قواعد علوم الحدیث ص: ۲۱۴).

امام ترمذی کی تصحیح یا تحسین حدیث کا اعتبار نهیں:

کیونکہ امام ترمذی متساہل تھے اور کمزور حدیث کو صحیح یا حسن کہہ دیتے تھے، مثلاً ایک روایت جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات ایک قبر میں داخل ہوئے، چراغ کو جلایا گیا تو میت کو قبلہ کی طرف سے لے کر قبر میں اتارا گیا(سنن الترمذی:۱۰۵۷اس کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے) اس پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ زیلعی حنفی لکھتے ہیں ''اس کو حسن کہنے پر امام ترمذی کا انکار کیا گیا ہے کیونکہ اس میں حجاج بن اُرطاۃ مدلس ہے اور ابن قطان نے کہا ہے کہ اس میں منہال بن خلیفہ ہے جس کو امام ابن معین نے ضعیف اور امام بخاری نے فیہ نظر کہا ہے۔[1]

حافظ ذہبی فرماتے ہیں: تین راویوں کے ضعیف ہونے کے باوجود اس روایت کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے، لہٰذا ترمذی کی تحسین سے دھوکا نہ کھاؤ، تحقیق پر ان کی غالب حسن، ضعیف ہیں۔[2]

حافظ ذہبی ایک راوی پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: سیف بن محمد الثوری کذاب ہے۔ تعجب ہے کہ ترمذی اس کی حدیث کو حسن کہتے ہیں۔ (الکاشف:۱/ ۳۶۸) بلکہ یہاں تک کہ ایک راوی کو خود ایک جگہ ضعیف کہہ رہے ہیں اور دوسری جگہ اس ضعیف راوی کی روایت کو خود حسن بھی کہہ دیتے ہیں مثلاً ایک روایت (۳۲۹۴) کو حسن غریب کہا پھر خود ہی دوسری جگہ

[1](نصب الرایہ :۲/۳۰۰). [2] (میزان الاعتدال :۴/۴۱۶)

(۲۵۴۸،۲۹۳۰) میں کہا کہ اس میں رشدین ضعیف راوی ہے۔

فائدہ: دکتور خالد بن منصور الدریس حفظہ اللہ نے ''الحدیث الحسن لذاتہ ولغیرہ'' کی جلد ثالث میں امام ترمذی کی تحسین پر تفصیلی نقد کیا ہے۔

رواۃ محدثین کی تاریخ وفات کا علم ہونا!

تخریج کے دوران میں راویوں اور محدثین کی تاریخِ وفات کا علم ہونا بہت ضروری ہے، اس سے بہت سے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔

بعض رواۃ کی تاریخ وفات حسب ذیل ہیں:

الشعبی:۱۰۳۔ابن سیرین:۱۱۰۔حسن بصری:۱۱۰۔ہمام بن منبہ:۱۳۲۔ابو حنیفہ:۱۵۰۔معمر:۱۵۴۔اوزاعی:۱۵۷۔شعبہ:۱۶۰۔ثوری ۱۶۱۔ابن طہمان ۱۶۳۔لیث بن سعد ۱۷۵۔مالک ۱۷۹۔ابن المبارک:۱۸۱۔ہیثم ۱۸۳۔ابو یوسف:۸۳۔علی بن زیاد:۸۳،معافی بن عمران المرصی۳۶۰ھ علومِ حدیث و فن جرح و تعدیل پر اہم کتب لشیخنا المحدث ارشادالحق الأثری حفظہ اللہ

ہمارے استاد محترم محدث ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کی تمام کتب علوم حدیث اور قواعد جرح وتعدیل سے بھری ہے، اس کی اہم بحوث کی فہرست پیش خدمت ہے تاکہ اس سے استفادہ آسان ہو سکے۔باذوق طالب علم شیخ محترم کی کتب میں سے توضیح الکلام، اعلاء السنن فی المیزان، مقالات جلد ۲،۱، اسباب اختلاف الفقہاء، تنقیح الکلام، اسلام اور موسیقی، مشاجرات صحابہ، مسلک احناف اور مولانا عبدالحی لکھنوی، امام بخاری پر بعض اعتراضات کا جائزہ، احادیث بخاری و مسلم میں پرویزی تشکیک کا علمی محاسبہ، آئینہ ان کو دکھایا تو برا مان گئے، مولانا سرفراز صفدر اپنی تصانیف کے آئینے میں، احادیثِ ہدایہ فنی و تحقیقی حیثیت، کتابتِ حدیث تا عہدِ تابعین، موضوع حدیث اور اس کے مراجع، الناسخ والمنسوخ، عدالت صحابہ، امام دارقطنی، صحائے ستہ اور ان کے مولفین، وغیرہ کی طرف رجوع کرے۔

اعلاء السنن فی المیزان میں علوم حدیث کی فہرست:

مسند امام احمد کی روایات مقبول ہیں؟ ۳۵

مسند ابی عوانہ کی حادیث ۳۹

امام ترمذی کی تحسین ۴۳

حدیث سے مجتہد کا استدلال ۴۸

امام ابوداد کا سکوت ۵۲

ایک عجیب غفلت ۶۲

دلچسپ تضاد ۶۷

امام نسائی کا سکوت ۷۱

فتح الباری میں حافظ ابن حجر کا سکوت ۷۴

التلخیص میں حافظ کا سکوت ۸۱

الدرایہ اور سکوت ابن حجر ۸۷

امام حاکم اور علامہ ذہبی کا سکوت ۸۹

علامہ عراقی کا سکوت، عجیب تضاد فکری ۹۵

امام ابو حنیفہ کے سب شیوخ ثقہ ہیں؟ ۹۶

امام صاحب کے چند اساتذہ ۹۸

ابان بن ابی عیاش ۹۸

نصر بن طریف ۱۰۶

جراح بن منہال ۱۰۸

محمد بن سائب کلبی ۱۰۷

محمد بن زبیر بصری ۱۰۹

طریف بن شہاب ۱۰۹

عمرو بن عبید ایک اور استاد ۱۱۷

قاضی ابو یوسف کے اساتذہ ۱۲۵

امام محمد شیبانی کے اساتذہ اور ان کا استدلال ۱۲۸

امام شعبہ کے شیوخ ۱۳۷

امام سفیان ثوری کے شیوخ ۱۴۱

امام طحاوی کا استدلال ۱۴۲

علامہ المنذری عن سے روایت کریں تو وہ حسن ہو گی؟ ۱۴۹

الترغیب میں عن سے دوسرا مقام ۱۵۸

الترغیب میں عن کی تیسری مثال ۱۶۸

چوتھی مثال ۱۶۹

امام ابن حزم کا استدلال ۱۷۰

علامہ ہیثمی کا سکوت ۱۸۴

علامہ سیوطی کی تحسین ۱۹۲

احادیث المختارۃ ۱۹۵

کنزالعمال میں سکوت ۲۰۸

مختلف فیہ حدیث اور راوی ۲۳۴

مختلف فیہ کی دوسری مثال ۲۴۳

تیسری مثال ۲۴۴

چوتھی مثال ۲۴۵

پانچویں مثال ۲۴۶

مختلف فیہ کی چھٹی مثال ۲۶۱

ساتویں مثال ۲۶۳

آٹھویں مثال ۲۷۵

نویں مثال ۲۷۵

مدلس بھی مختلف فیہ ہے ۲۸۳

مختلف فیہ کی ایک اور مثال ۲۸۶

مختلف فیہ کا اصول اور امام زہری کی مراسیل ۲۸۸

امام ابن حبان کی توثیق کا حکم ۲۹۵

امام ابن حبان اور امام ابو حنیفہ ۲۹۷

ثقہ کی زیادت ۳۰۶

مستور راوی کی حدیث مقبول ۳۱۰

خیر القرون کے مستور و مجہول راوی اور امام ابو حنیفہ ۳۱۴

تدلیس و اراسال عیب نہیں ۳۱۵

الولید بن مسلم ۳۱۸

ضعیف، متروک اور کذاب راویوں کا دفاع ۳۱۹

جابر بن یزید الجعفی ۳۱۹

حجاج بن ارطاۃ ۳۲۳

محمد بن عبید اللہ ۳۲۵

سلیمان بن داود شاذ کونی ۳۳۰

نضر بن عبد الرحمٰن الخزاز ۳۳۴

خارجہ بن مصعب ۳۳۷

حمید بن ابی جون اور موضوع روایت ۳۳۹

محمد بن حمید الرازی ۳۴۰

عبد الرحمن بن اسحاق الواسطی ۳۴۲

نوح بن ابی مریم ۳۴۶

لیث بن ابی سیلم ۳۵۰

بقیہ بن ولید ۳۲۵

ابو اسحاق السبعیی ۳۵۸

ایک لطیفہ ۳۵۹س

لیمان بن عمرو الجعفی ۳۶۱

محمد بن شجاع الثلجی ۳۶۴م

حمد بن اسحاق امام المغازی ۳۶۶

مروان بن سالم ۳۶۹

چند اصولی مباحث ۳۷۰

۱: ثقہ، مختلط سے روایت نہیں کرتا ۳۷۰

۲: ''علی یدی'' عدل کا مفہوم ۳۷۱

۳: مستور راوی یا مجہول ۳۷۴

مجہول کو مستور بنا کر کام نکال لیا ۳۷۴

اہل السنۃ والجماعۃ کا تصور سنت

۴: مقبول کی اصطلاح ۳۷۵

بعض دیگر مباحث ۳۷۶

بعض کتابوں کا غلط انتساب ۳۹۴

ضعیف سے استدلال کا مفہوم ۳۹۹

بے اصل روایت کا سہارا ۴۰۲

"ربما وھم" کا مفہوم ۴۰۴

"اسناد صحیح" کی حقیقت ۴۰۷

راوی کی تعیین میں سہو ۴۰۸

وجوب کا اطلاق ۴۱۲

موضوع حدیث کا دفاع ۴۱۵

مسلک کی تائید اور بے سند روایت ۴۱۹

مقالات شیخنا المحدث ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

جلد (۱) سے علوم حدیث کی فہرست

کیا ائمہ اربعہ کا اجماع حجت ہے؟ ۹۸

تعاملِ سلف کی حیثیت ۱۰۶

کیا صحیحین کی روایت مقدم ہے؟ ۱۰۶

فقہاء کے مابین اختلاف کی نوعیت ۱۱۰

صحیح مسلم کی حدیث اور علامہ کوثری ۲۰۵

اہل السنۃ والجماعۃ کا تصور سنت

علامہ ابن حزم اور اہلحدیث ۲۱۸

موضوع روایات سے استدلال ۲۴۳

اصول فقہ حنفی کی ایک روایت پر بحث ۲۳۸

کیا صرف ایک صحابی سے مروی روایت قابل اعتبار نہیں؟ ۲۳۸

ذہول اور نسیان قادح صحت نہیں ۲۳۹

تحت السرۃ کی حیثیت ۲۸۵

واقعہ معراج سے متعلق ایک روایت کی حیثیت ۲۹۶

عُلَمَآئُ اُمتِی کَانبِیآ ئِ بَنِی اِسرا ئیلَ ۲۹۶

حدیث حسن لغیرہ کی حجیت کے متعلق اشکالات اور ان کے جوابات

نظر ثانی: مفتی عبدالولی خان حفظہ اللہ مفتی عبدالولی خان حفظہ اللہ نے لکھا: ''میں نے محترم ابن بشیر الحسینوی حفظہ اللہ کا یہ مضمون پڑھا، ماشاء اللہ بہت تسلی اور قابل اعتماد ہے۔ اللہ تعالی مزید احقاقِ حق کی توفیق دے''۔

جب کوئی شخص ایک مفروضہ بنالیتا ہے تو پھر اس کو ثابت کرنے کے لئے اپنی پوری کوشش کرتا ہے، عجیب و غریب اور بے بنیاد باتوں کا سہارا لینا اس کی مجبوری ہوتی ہے، کیونکہ وہ اپنے تئیں ان چیزوں کو صحیح سمجھتا ہے، اسی لئے ان کو بے دھڑک ہو کر پیش کرتا ہے حالانکہ وہ کشید کی ہوئی باتیں انتہائی کمزور ہوتی ہیں تحقیق کے میدان میں ان کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ ہم اپنے اس مقالے میں انھیں کمزور اشکالات و بے بنیاد باتوں کا علمی رد پیش کر رہے ہیں، صرف اصلاح مقصود ہے تا کہ غلطی میں مبتلا شخص کی اصلاح ہو سکے اور قارئین بھی ان کمزور شبہات واشکالات سے واقفیت حاصل کر سکیں۔

حسن لغیرہ:

۱: تعریف

اس کی جامع تعریف یہ ہے: '' اعتضاد روایۃ ضعیفۃ قابلۃ للا نجبار بروایۃ ضعیفۃ أخری فأکثر ھا قابلۃ للا نجبار أیضاً'' ایسی ضعیف حدیث جو تقویت حاصل کرنے کے قابل ہو، ایسی ضعیف حدیث یا احادیث سے تقویت حاصل کر لے جو تقویت دینے کے لائق ہو۔[1]

اس میں ایک حدیث کی متعدد سندیں ہوتی ہیں اور ان کا ضعف شدید نہیں ہوتا، اس وجہ سے وہ حسن لغیرہ کے درجے تک پہنچ جاتی ہیں۔ اگر ضعف شدید ہے تو وہ حسن لغیرہ کے درجے تک نہیں پہنچتی۔ یہ بات اچھی طرح جالینی چاہیے کہ ائمہ محدثین کا یہی موقف ہے کہ حسن لغیرہ حجت ہے۔، ضعف خفیف اور ضعف شدید کے فرق کا لحاظ رکھنا انتہائی ضروری ہے۔

۲: ضعیف روایت کثرتِ طرق کی وجہ سے اس وقت بھی حسن لغیرہ نہیں بنتی جب وہ اپنے سے اولی (مضبوط) کے مخالف ہو۔ مثلاً نماز میں رفع الیدین کرنے کی احادیث حد تواتر تک جا پہنچی ہیں، جن میں صحیحین کی روایات بھی ہیں، جبکہ ترکِ رفع الیدین کی روایات اثباتِ رفع الیدین کی احادیث کے مقابلے میں انتہائی کمزور بلکہ ساقط الاعتبار ہیں۔ تو حد تواتر پر پہنچنے والی اعلی درجے کی صحیح احادیث کے خلاف ضعیف اور ساقط الاعتبار روایات کو اپنے کثرتِ طرق کی بنا پر حسن لغیرہ قرار دینا ظلم عظیم ہے۔

۳: شاذ، شاذ سے مل کر حسن لغیرہ نہیں بنتی۔ جب ایک روایت شاذ ہے اور اس کی سندیں بھی زیادہ ہیں تو وہ شاذ ہی رہے گی، کثرتِ طرق کی وجہ سے حسن لغیرہ نہیں بن سکتی۔ امام ترمذی نے حسن کی تعریف میں یہ شرط لگائی ہے کہ وہ شاذ نہ ہو (**العلل الصغیر للترمذی** ص:۸۹۸) محدث ناصر الدین فرماتے ہیں: یہ ثابت ہو گیا کہ شاذ اور منکر حدیث کی ان مردود اقسام میں سے ہیں، جو کسی شمار میں نہیں، اس لیے اسے بطور شاہد پیش نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس کا وجود اور عدمِ وجود دونوں برابر ہیں۔[2]

[1](الحدیث الحسن لذاتہ ولغیرہ للدکتور خالد بن منصور الدریس :۵/۲۰۸۸). [2] (صلاۃ التراویح للألبانی ص:۶۶)

حافظ محمد محدث گوندلوی لکھتے ہیں: "شاذ سے شاذ کو تقویت نہیں پہنچتی۔" (**خیر الکلام** ص:۴۱۸) اسکی مثال " **اذا قرأ فأنصتوا** " ہے۔

محترم حافظ خبیب احمد الاثری لکھتے ہیں: حسن لغیرہ کے بارے میں بعض لوگ انتہائی غیر محتاط رویہ اپناتے ہیں، ان کے نزدیک ضعیف حدیث + ضعیف حدیث کی مطلق طور پر کوئی حیثیت نہیں، خواہ اس حدیث کے ضعف کا احتمال بھی رفع ہو جائے۔ بزعم خویش حدیث کے بارے میں ان کی معلومات امام ترمذی، حافظ بیہقی، حافظ عراقی، حافظ ابن حجرؒ وغیرہ سے زیادہ ہیں۔ حالانکہ یہ بداہتاً معلوم ہے کہ جس طرح رواۃ کی ثقاہت کے مختلف طبقات ہیں، اسی طرح ان کے ضعف کے بھی مختلف درجات ہیں۔ کسی راوی کو نسیان کا مرض لاحق ہے تو کسی پر دروغ بافی کا الزام ہے، بعض کے بارے میں محدثین کا فیصلہ ہے: " **يُعْتَبَرُ بِهِمْ ، يُكْتَبُ حَدِيْثُهُمْ** ۔" جبکہ بعض کے بارے میں " **لَا يُعْتَبَرُ بِهِمْ ، لَا يُكْتَبُ حَدِيْثُهُمْ** ۔" ہے۔

حسن لغیرہ کا مطلق طور پر انکار کرنے والے جس انداز سے متاخرین محدثین کی کاوشوں کو رائیگاں قرار دینے کی سعی نامشکور کرتے ہیں، اسی طرح متقدمین جہابذۂ فن کے راویان کی طبقہ بندی کی بھی ناقدری کرتے ہیں اور بایں ہمہ وہ فرامین نبویہ کی خدمت میں مصروف ہیں۔ **إنا لله وإنا إليه راجعون**۔[1]

[1](مقالات اثریہ از محمد خبیب احمد).

پہلا اشکال: بعض لوگ ضعیف + ضعیف کے اصول اور جمع تفریق کے ذریعے سے بعض روایات کو حسن لغیرہ قرار دیتے ہیں۔

جواب:

حسن لغیرہ کو ماننے والے جمہور علماء ہیں نہ کہ بعض لوگ، چنانچہ ذیل میں ہم ان علماء و محدثین کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

1۔امام ترمذی

امام ترمذی کے علاوہ عام محدثین سے ایسی حسن لغیرہ روایت کا حجت ہونا ثابت نہیں۔(علمی مقالات 1/ 300)

معلوم ہوا کہ امام ترمذی حسن لغیرہ کو حجت سمجھتے ہیں۔والحمدللہ

2۔ امام بیہقی (معرفہ السنن والآثار 1/ 348، نصب الرایہ 1/ 93)

3۔ نووی (اربعین نووی حدیث نمبر32)

4۔ ابن الصلاح (مقدمۃ علوم الحدیث صفحہ 37)

5۔ امام ابن قطان (النکت علیٰ ابن الصلاح لابن حجر: صفحہ 126، طبع دار الکتب العلمیہ بیروت)

6۔ ابن رجب حنبلی (جامع العلوم والحکم صفحہ ۳۰۰)

7۔ ابن تیمیہ (مجموع الفتاوی 1/ 251)

8۔ ابن قیم (جلاء الافہام صفحہ 199)

9۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (فتح الباری(3/ 188)

10۔ ابن کثیر (اختصار علوم الحدیث صفحہ 49،50)

11۔ حافظ سخاوی (فتح المغیث)

12۔ سیوطی (تدریب الراوی1/ 160)

13۔ علامہ مناوی (شرح الجامع الصغیر 982، 137)

14۔ زرقانی (شرح الزرقانی 1/ 68)

15۔ شمس الحق عظیم آبادی (عون المعبود 9/ 291)

16۔ عبدالرحمن مبارکپوری (مقدمۃ تحفۃ الأحوذی 152)

17۔ عبیداللہ مبارکپوری۔ (مرعاۃ: 2 صفحہ 511)

18۔ طاہر الجزائری (توجیہ النظر 506)

19۔ امام ناصر الدین البانی۔

20۔ جمال الدین قاسمی (قواعد التحدیث صفحہ 66)

21۔ دکتور حمزہ ملیباری (الموازنہ صفحہ 49)

22۔ محدث کبیر استاذ محترم ارشاد الحق اثری۔

23۔ غازی عزیز مبارکپوری (ضعیف احادیث کی شرعی حیثیت صفحہ 192)

24۔ امام العصر علامہ ابو اسحاق الحوینی (کشف المخبوء صفحہ 23)

25۔ الدکتور خالد بن منصور الدریس (آراء المحدثین فی الحسن لذاتہ ولغیرہ)

26۔ محدث حجاز عبدالمحسن العباد (شرح سنن ابی داود (15/133، 14/ 49، 3/ 345)

علاوہ ازیں سفیان بن عیینہ، شافعی، یحییٰ بن سعید قطان، محمد بن یحییٰ ذہلی، بخاری، ترمذی، دار قطنی، ابن ترکمانی، علائی، ذہبی، عراقی سے بھی حسن لغیرہ کا حجت ہونا ثابت ہے۔ ان اقوال کی تفصیل کا طالب شیخ ابن ابی العینین کی کتاب'' القول الحسن'' کا مطالعہ کرے۔ جو علماء و محدثین حسن لغیرہ کو قابل عمل و احتجاج سمجھتے ہیں، ان کے ناموں کا ذکر کرنے کا مقصود صرف یہ تھا کہ جو کہے کہ'' بعض لوگ ضعیف + ضعیف کے اصول اور جمع تفریق کے ذریعے سے بعض روایات کو حسن لغیرہ قرار دیتے ہیں'' یہ باطل بات ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ حسن لغیرہ ائمہ و علماء کے نزدیک حجت ہے والحمدللہ

دوسرا اشکال:

لیکن حافظ ابن حزم اس اصول کے سخت خلاف تھے بلکہ زرکشی نے ابن حزم سے نقل کیا ہے: ''**ولو بلغت طرق الضعيف ألفاً لا يقوى**۔'' اور اگر ضعیف حدیث کی ہزار سندیں بھی ہوں تو اس سے روایت قوی نہیں ہوتی۔ اگرچہ زرکشی نے اسے شاذ اور مردود کہا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ یہی قول راجح اور صحیح ہے۔

یہ قول محمد احمد نے بھی اپنی کتاب ''الحدیث الحسن بین الحد والحجیۃ'' میں بطور دلیل پیش کیا ہے۔

جواب:

1۔ یہ قول بے سند ہے

2۔ امام زرکشی نے اس قول کو شاذ و مردود کہا ہے امام ابن حزم کے قول کی تردید کے لیے امام زرکشی کی عبارت ہی کافی ہے۔

تیسرا اشکال:

حسن لغیرہ کے مسئلے پر عمرو بن عبدالمنعم بن سلیم کی کتاب

''الحسن بمجموع الطرق في ميزان الاحتجاج بين المتقدمين والمتأخرين'' بہت مفید ہے۔

جواب: قارئین سے گزارش ہے کہ اس مسئلے پر راہِ انصاف کو پانے کے لیے مندرجہ ذیل کتب بھی ملاحظہ فرمائیں، جن میں مذکورہ بالا کتاب اور اس مسئلے پر شبہات کا جائزہ لیا گیا ہے:

1۔ القول الحسن في كشف شبهات حول الاحتجاج بالحديث الحسن مع تصويب الأسنة لصد عدوان المعترض على الأئمة للشيخ ابن أبي العينين۔

2۔ الرد على كتاب الحسن بمجموع الطرق في ميزان الاحتجاج بين المتقدمين والمتأخرين للشيخ أبي المنذر المنياوي۔

3۔ الحديث الحسن لذاته ولغيره للدكتور خالد بن منصور الدريس۔

4۔ مناهج المحدثين في تقوية الأحاديث الحسنة والضعيفة للدكتور المرتضىٰ زين أحمد۔

5۔ مقاله حسن لغيره لمحمد خبيب أحمد الاثرى[1]

چوتھا اشکال: کیا ابن قطان کے نزدیک حسن لغیرہ حجت نہیں؟

حافظ ابن القطان الفاسی نے حسن لغیرہ کے بارے میں صراحت کی ہے کہ ''لایحتج به كله بل يعمل به في فضائل الأعمال۔'' اس ساری کے ساتھ حجت نہیں پکڑی جاتی، بلکہ فضائل اعمال میں اس پر عمل کیا جاتا ہے۔[2]

[1](مقالات اثریہ جلد ۱). [2] (النکت علی کتاب ابن الصلاح 1/402).

حافظ ابن حجر نے اس قول کو حسن قوی یعنی اچھا مضبوط قرار دیا ہے۔

جواب:

1۔ پہلے امام ابن قطان کا مکمل قول ملاحظہ ہو:

''لایحتج به كله، بل يعمل به في فضائل الأعمال، ويتوقف عن العمل به في الأحكام إلا إذا كثرت طرقه أوعضده اتصال عمل أو موافقة شاهد صحيح أو ظاهر القرآن۔''[1]

اس ساری کے ساتھ حجت نہیں پکڑی جاسکتی البتہ فضائل اعمال میں اس کے ساتھ عمل کیا جاسکتا ہے اوراحکام میں اس کے ساتھ عمل میں توقف کیا جاتا ہے مگر جب اس کے طرق زیادہ ہوں یا اس کو مضبوط کرے کوئی متصل عمل، صحیح شاہد یا قرآن کے ظاہر کا اس کے ساتھ موافقت کرنا۔ امام ابن قطان تو کہہ رہے ہیں کہ اگر کثرت طرق ہوں تو عمل کیا جائے گا. انصاف شرط ہے کوئی بھی عالم دین اس مکمل قول کو پڑھے تو فوراً سمجھ جائے گا کہ امام ابن قطان تو حسن لغیرہ کا حجت ہونا ثابت کر رہے ہیں اور ابن حجر نے بھی جو اس قول کو اچھااور قوی قرار دیا ہے تو انھوں نے بھی حسن لغیرہ کا حجت ہونا مراد لیا ہے۔

2۔ کئی علماء نے ابن قطان کی عبارت کو حسن لغیرہ کی حجیت میں ذکر کیا ہے۔ مثلاً امام سخاوی (**فتح المغيث، ص49**) **طاہر الجزائری (توجیه النظر صفحه 506) جمال الدین قاسمی (قواعد التحدیث صفحه 66) دکتور حمزه ملیباری(الموازنه، صفحه 49) علامه ابو اسحاق الحوینی (کشف المخبوء، صفحه 23) غازی عزیز مبارکپوری (ضعیف احادیث کی شرعی حیثیت صفحه 193)** لیکن عجیب بات ہے کہ بعض لوگ امام ابن قطان کا مکمل قول نقل کرنے کی بجائے اسے آدھا نقل فرما

[1](النکت لابن حجر 402.)

کر اس سے اپنا مطلب کشید کر رہے ہیں!!

پانچواں اشکال: حافظ ابن حجر کے نزدیک حسن لغیرہ حجت نہیں۔

جواب: حافظ ابن حجر کی کتب کا مطالعہ کرنے والا طالب علم بھی اس بات کی شہادت دے گا کہ حافظ ابن حجر حسن لغیرہ کو حجت سمجھتے ہیں۔

حافظ ابن حجر ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ جب سیئی الحفظ کی کسی ایسے قابل اعتبار راوی سے تائید ہو رہی ہو کہ وہ اس راوی سے بڑھ کر ہو یا کم از کم اس جیسا ہو اس سے کم تر نہ ہو تو ان کی حدیث حسن ہو جائے گی، مگر حسن لذاتہ نہیں ہو گی، بلکہ اس کا حسن بننا متابع کے مجموعے سے ہو گا۔[1]

چھٹا اشکال: کیا حافظ ابن کثیرؒ کے نزدیک حسن لغیرہ حجت نہیں؟

حافظ ابن کثیر نے فرمایا: مناظرے میں یہ کافی ہے کہ مخالف کی بیان کردہ سند کا ضعیف ہونا ثابت کر دیا جائے، وہ لاجواب ہو جائے گا کیونکہ اصل یہ ہے کہ دوسری تمام روایات معدوم ہیں الا کہ دوسری سند سے ثابت ہو جائیں۔[2]

جواب:

1۔ حافظ ابن کثیر کے اس قول کا حسن لغیرہ کی حجیت اور عدم حجیت سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ ہر شخص بآسانی اصل کتاب کی طرف مراجعت کرنے کے بعد معلوم کر سکتا ہے۔2۔ حافظ ابن کثیر (اختصار علوم الحدیث: صفحہ 49،50) میں نقل کرتے ہیں:

ومنه ضعفٌ يزول بالمتابعة، كما إذا كان راويه سيىء الحفظ، أو روى الحديث

([1]النزهة، ص48، النكت ص139). [2] (اختصار علوم الحديث: 1/ 274، 275نوع22)

مرسلاً، فإن المتابعة تنفع حينئذٍ، ويرفع الحديث فى حيز الضعف إلى أوج الحسن أو الصحة۔ والله أعلم

بعض ضعف متابعت سے زائل ہو جاتا ہے، جیسا کہ راوی سیء الحفظ (برے حافظے والا) ہو یا حدیث مرسل ہو تو اس وقت متابعت فائدہ دیتی ہے اور حدیث ضعف کی گہرائیوں سے بلند ہو کر حسن یا صحیح کے درجے کو پہنچ جاتی ہے۔[1]

معلوم ہوا کہ ابن کثیر تو ابن الصلاح کے اس قول کو حسن لغیرہ کی حجیت میں نقل کر رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابن کثیر کا اپنا موقف بھی یہی ہے کہ حسن لغیرہ حجت ہے۔

ساتواں اشکال:

بسا اوقات کسی ضعیف حدیث کی متعدد سندیں ہوتی ہیں یا اس کے ضعیف شواہد موجود ہوتے ہیں، مگر اس کے باوجود محدثین اسے حسن لغیرہ کے درجے میں نہیں لاتے۔ جواب: حسن لغیرہ کی عدم حجیت کے بارے میں سب سے بڑی دلیل یہی ہے اور اسی سے وہ لوگوں کو مغالطہ دیتے ہیں۔ کثرتِ طرق کے باوجود حدیث کو مقبول نہ ماننے کی وجوہات کا بیان۔

عدمِ تقویت کے اسباب:

ایسی حدیث کے حسن لغیرہ نہ ہونے میں پہلا سبب یہ ہے کہ ناقد سمجھتا ہے کہ اس حدیث کو بیان کرنے میں شاید حدیث کے کسی راوی نے غلطی کی ہے، لہٰذا غلط متابع یا غلط شاہد ضعف کے احتمال کو رفع نہیں کرسکتے۔ اسے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک حدیث کی دو سندیں ہیں، اس کی ایک سند کے راوی کے بارے میں راجح یہ ہے کہ اس نے سند یا متن میں غلطی کی ہے، یعنی وہ دوسروں کی

[1](اختصار علوم الحدیث اردو 29 طبع مکتبہ اسلامیہ لاہور)

مخالفت کرتا ہے، یا اس سے بیان کرتے ہوئے راویان مضطرب ہیں تو ایسی سند دوسری سند سے مل کر تقویت حاصل نہیں کرسکتی۔ اسے تطبیقی انداز میں یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ امام حاکم نے سفیان بن حسین عن الزہری کی ایک مرفوع حدیث بیان کی ہے، پھر اس کا مرسل شاہد (ابن المبارک عن الزہری) ذکر کیا، اس مرفوع حدیث میں جس ضعف کا شبہ تھا، اسے مرسل حدیث سے دور کرنے کی کوشش کی۔ (**المستدرک** 1/ 392) مگر حافظ ابن حجر اس مرفوع حدیث کو اس مرسل روایت سے تقویت دینے کے قائل نہیں کیونکہ سفیان بن حسین، امام زہری سے بیان کرنے میں متکلم فیہ ہے، بنابریں اس نے یہ روایت امام ابن المبارک کے برعکس مرفوع بیان کی ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ''**بل هو علته۔**''[1]

کہ ابن المبارک کا اس حدیث کو زہری سے مرسل بیان کرنا سفیان کی غلطی کی دلیل ہے، لہٰذا یہ روایت مرسل ہی راجح ہے اور وہ مرفوع کو تقویت نہیں دیتی، کیونکہ اس کا مرفوع بیان کرنا غلط ہے۔ ذرا غور کیجیے! امام حاکم ایک حدیث کو متاخرین کی اصطلاح کے مطابق حسن لغیرہ قرار دے رہے ہیں، اسی حدیث کو حافظ ابن حجر مرسل ہونے کی بنا پر ضعیف قرار دے رہے ہیں، کیونکہ حافظ صاحب کے نزدیک مرفوع بیان کرنا غلطی ہے، جس کی وجہ مرسل روایت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محدثین کسی حدیث کو حسن لغیرہ قرار دینے کے لیے قرائن کو پیشِ نظر رکھتے ہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے بھی تغلیق التعلیق میں ذکر کیا ہے، ضعیف + ضعیف کو مطلق طور پر حسن لغیرہ قرار دینا محدثین کا منہج نہیں ہے۔ بسا اوقات کوئی محدث کسی حدیث کو تقویت دینے میں وہم کا شکار ہوجاتا ہے جو استثنائی صورت ہے، اس سے حسن لغیرہ کے حجت ہونے میں قطعی طور پر زد نہیں پڑتی، کسی حدیث کے حسن

[1](تغليق التعليق لابن حجر: 3/ 17)

لغیرہ ہونے یا نہ ہونے میں محدثین کا اختلاف ہوتا ہے، حقائق بھی اس کے مؤید ہیں، مگر ان سب کے باوجود محدثین حسن لغیرہ کی حجیت کے قائل ہیں۔ کسی حدیث کو حسن لغیرہ قرار دینا ایک اجتہادی امر ہے، جس میں صواب اور غلط دونوں کا امکان ہوتا ہے، جس طرح راویان کی توثیق و تجریح بھی اجتہادی امر ہے، اسی طرح غلط اور صحیح کا تعین بھی اجتہادی معاملہ ہے، جس کا فیصلہ قرائن کے پیش نظر ہوتا ہے۔

تیسرا سبب: ضعیف راوی کا تفرد

جس ضعیف حدیث کو بیان کرنے میں راوی اپنے شیخ سے منفرد ہو تو محدثین ایسے تفرد کو قابلِ تقویت نہیں سمجھتے، مثلاً وہ کسی مشہور سند سے کوئی ایسی منفرد حدیث بیان کرتا ہے جو اس شیخ کے مشہور شاگرد بیان نہیں کرتے یعنی وہ امام زہری یا امام سفیان ثوری جیسے شیخ سے روایت بیان کرنے میں منفرد ہے۔ ایسی صورت میں محدثین زیادۃ الثقہ کو مطلق طور پر قبول نہیں کرتے، چہ جائیکہ وہ زیادۃ الضعیف کو تقویت دیں۔

جب ضعیف راوی کسی مشہور سند سے حدیث بیان کرنے میں منفرد ہو گا تو اس کی غلطی کا قوی یقین ہو جائے گا یا یہ تصور کیا جائے گا کہ اسے کسی اور روایت کا شبہہ ہے، یا اس کی حدیث میں دوسری حدیث داخل ہو گئی ہے یا اسے وہم ہوا کہ اس سند سے یہ متن مروی ہے یا اسے تلقین کی گئی تو اس نے قبول کر لی یا اس کی کتاب وغیرہ میں حدیث داخل کر دی گئی اور وہ اس سے بے خبر رہا۔

چوتھا سبب: جب ایک سے زائد سببِ ضعف ہوں

جب حدیث کی کسی سند میں ایک سے زائد سبب ضعف ہوں مثلاً روایت میں انقطاع بھی ہے اور راوی بھی ضعیف ہے، یا اس میں دو راوی ضعیف ہیں تو بسا اوقات محدثین ایسی سند کو قبول نہیں کرتے، کیونکہ اس میں شاہد بننے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے، امام حاکم نے "الإکلیل" میں اسے اسی طرح بیان کیا ہے۔ علی بن قادم، اس کا استاذ (ابو العلاء خالد بن طہمان) اور اس کا استاد (عطیہ) کوفی اور شیعہ ہیں، ان میں کلام ہے، ان میں سب سے زیادہ ضعیف عطیہ ہے، اگر اس کی متابعت ہوتی تو میں اس حدیث کو حسن (لغیرہ) قرار دیتا۔ [1]

حافظ ابن حجر نے اس کے بعد اس کے شواہد بیان کیے ہیں، مگر اس کے باوجود اس حدیث کو حسن لغیرہ قرار نہیں دیا، کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں ایک سے زائد وجہ ضعف ہے۔ ملاحظہ ہو: [2]

دیگر اسبابِ ضعیف:

بعض ایسے ضعف کے اسباب ہوتے ہیں جن کی وجہ سے حدیث میں شاہد بننے کی صلاحیت نہیں ہوتی اور یہ اسباب متعدد ہیں جن کا شمار مشکل ہے، تاہم ذیل میں چند اسباب بیان کیے جاتے ہیں: 1۔ اگر سند میں مبہم راوی ہو، اس کا شاگرد اپنے اساتذہ سے بیان کرنے میں احتیاط نہ کرتا ہو تو ایسی روایت متابع یا شاہد نہیں بن سکتی۔

2۔ سند میں راوی کی کنیت مذکور ہو اور معلوم نہ ہو کہ وہ کون ہے؟

3۔ اس میں متروک اور انتہائی کمزور راویوں کی منقطع اور مرسل روایات بھی داخل ہیں۔ 4۔ جب ضعیف راوی کسی حدیث کو مرسل بیان کر دے، مثلاً امام دار قطنی فرماتے ہیں: ابن بیلمانی ضعیف ہے، جب وہ موصول حدیث بیان کرے تو وہ حجت نہیں، جب وہ مرسل بیان کرے تو کیسے حجت ہو سکتا ہے؟ [1]

[1] (موافقة الخُبر الخَبر 1/245). [2] (موافقة الخُبر الخَبر 1/245/247).

آٹھواں اشکال: غلط، غلط کو تقویت نہیں پہنچا سکتا۔ متقدمین محدثین بعض احادیث کے متعلق کہہ دیتے ہیں: ''**کلها ضعيفة يا أسانيدها كلها معلولة**'' وغیرہ، ان سے حسن لغیرہ کو حجت نہ سمجھنے والے استدلال کرتے ہیں، حالانکہ ان راویات میں راوی کی کئی اغلاط ہوتی ہیں۔ جواب: اس حوالے سے امام ناصر الدین رقمطراز ہیں: ''**ان الشاذ والمنكر مردود. لأنه خطأ والخطأ لا يتقوى به.**'' ''شاذ اور منکر قابلِ ردّ ہے، کیونکہ وہ غلط ہے اور غلط سے تقویت حاصل نہیں کی جاسکتی۔ نیز فرمایا: '' **وما ثبت خطأه فلا يعقل أن يقوى به رواية أخرى في معناها. فثبت أن الشاذ والمنكر مما لا يعتد به ولا يستشهد به. بل إن وجوده وعدمه سواء.**'' '' جس (سند یا متن) کا غلط ہونا ثابت ہو جائے تو یہ معقول نہیں کہ اس کے ہم معنی روایت اسے تقویت پہنچائے گی۔ اس سے ثابت ہوا کہ شاذ اور منکر حدیث کی وہ اقسام ہیں جو کسی قطار و شمار میں نہیں اور نہ انھیں بطورِ شاہد پیش کیا جاسکتا ہے بلکہ اس کا وجود اور عدمِ وجود دونوں برابر ہیں۔''[1]
اسی لیے تو امام احمدؒ نے فرمایا کہ '' والمنکر أبدا منکر'' کہ منکر روایت ہمیشہ منکر ہی رہتی ہے۔[2]

اسی بات کو شیخ طارق بن عوض اللہ نے اپنی کتاب '' **الإرشادات في تقوية الأحاديث بالشواهد والمتابعات** '' کے مقدمہ میں بڑے بسط سے بیان کیا ہے۔[3]

ا: محدث یمن مقبل بن ہادی کے نزدیک حسن لغیرہ کی حجیت

علامہ مقبل بن ہادی کی متقدمین کے متعلق ایسی عبارتیں نقل کرنا کہ تحقیقِ حدیث میں متقدمین کی تحقیق معتبر ہے اور اس سے نتیجہ یہ نکالنا کہ جب متقدمین کے نزدیک حسن لغیرہ حجت نہیں تو ان کی بات ہی مانی جائے گی، درست نہیں۔

حسن لغیرہ کا انکار کرنے والے کے بارے میں یمن کے عظیم محدث علامہ مقبل بن ہادی فرماتے ہیں: ''**أما الذين يردون الحسن لغيره، فإن كان في بعض المواضع أداهم اجتهادهم، وهم أهل لذلك، إلى أن الحديث لا يرتقي إلى الحسن لغيره فلهم ذلك، وأما رده بالكلية فهذه خطوة إلى رد السنن.**'' (**القول الحسن، ص: 7**) جو لوگ حسن لغیرہ حدیث کو رد کرتے ہیں اگر بعض مواقع پر ان کا اجتہاد، بشرطیکہ وہ اجتہاد کے اہل بھی ہوں، یہ ہو کہ یہ حدیث درجہ حسن لغیرہ کو نہیں پہنچتی تو ان کو یہ حق حاصل ہے۔ رہی یہ بات کہ بالکلیہ حسن لغیرہ حدیث کو رد کیا جائے تو یہ سنتوں کو ٹھکرا دینے کی طرف ایک قدم ہے۔

اس قول سے آپ اندازہ لگائیں کہ محدث یمن علامہ مقبل بن ہادی کتنے سخت خلاف ہیں ان لوگوں کے جو حسن لغیرہ کو حجت نہیں مانتے، حالانکہ وہ متقدمین کے علم و فضل کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ ایک جگہ پر لکھتے ہیں: **و نحن ما نظن أن المتأخرين يعثرون على ما لم يعثر عليه المتقدمون اللهم إلا في النادر۔**[1]

[1](أسئلة في المصطلح. السؤال20)

ہمارا نہیں خیال کہ متاخرین اس بات پر اطلاع پالیں جس پر متاخرین اطلاع نہ پا سکے ہوں، ہاں کبھی کبھار ایسا ہو سکتا ہے۔ نیز ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

أرونی شخصا یحفظ مثل ما یحفظ البخاری، أو أحمد بن حنبل، أو تکون له معرفة بعلم الرجال مثل یحییٰ بن معین، أو له معرفة بالعلل مثل علی بن المدینی، والدارقطنی، بل مثل معشار الواحد من ہولاء، ففرق کبیر بین المتقدمین والمتأخرین۔ (أیضا)

مجھے ایک ایسا شخص دکھائیں جو امام بخاری یا امام احمد بن حنبل کی طرح کا حافظہ رکھتا ہو یا اسے امام یحیٰی بن معین کی طرح علم رجال کی معرفت ہو یا اسے امام علی بن مدینی اور امام دارقطنی کی طرح علل حدیث کی معرفت ہو، بلکہ ان کے عشر عشیر کے برابر بھی موجودہ دور میں کوئی نہیں۔ لہٰذا متقدمین اور متاخرین میں بہت فرق ہے۔ اس سے ہر منصف مزاج شخص بآسانی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ متقدمین کے علوم وفنون کے اس قدر اعتراف کے باوجود بھی وہ کہتے ہیں کہ حسن لغیرہ کو مطلقاً حجت نہ سمجھنے والا شخص سنتوں کو ٹھکرانے والا ہے۔ تو اب آپ غور کریں:

1۔ کیا علامہ مقبل بن ہادیؒ متقدمین کو سنتوں کا ٹھکرانے والا کہہ رہے ہیں؟

2۔ کیا وہ ایک جگہ متقدمین کو لیتے ہیں (کہ ان کی بات ہی معتبر ہے) اور دوسری جگہ (حسن لغیرہ کی عدمِ حجیت) ان کو چھوڑ رہے ہیں؟

3۔ علامہ مقبل بن ہادی اپنے شاگرد ابن ابی العینین کی کتاب "القول الحسن" کے متعلق لکھتے ہیں:

فقد اطلعت علی جل کتاب أخینا فی الله الشیخ أحمد بن إبراهیم بن أبی العینین، الذی کتبه فی الحدیث الحسن، فوجدت الکتاب قد اشتمل علی فوائد تشد لها الرحال، فلله در من باحث، لقد أعطاه الله صبرا و فهما ودرایة، فلا یخرج من البحث إلا بنتائج طیبة مفیدة لطالب العلم۔ [1]

نیز اسی کتاب کے متعلق لکھتے ہیں:

وأخیرا فقد کفانا أخونا فی الله الشیخ أحمد بن أبی العینین الرد علی هؤلاء وأولئک، فجزاه الله خیرا۔ [2]

4۔ اسی کتاب میں سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، شافعی، یحیٰی بن سعید القطان، احمد بن حنبل، ترمذی، ابن عدی، محمد بن یحیٰی الذہلی، بخاری، ابو حاتم الرازی، نسائی، ابوداود السجستانی، دارقطنی وغیرہم کے اقوال و نصوص کی روشنی میں ائمہ متقدمین کے نزدیک حدیث حسن لغیرہ کی حجیت کا اثبات کیا گیا ہے، بلفظ دیگر علامہ مقبل بن ہادی کے نزدیک بھی متقدمین کے ہاں حسن لغیرہ حجت ہے۔ والحمد للہ

نواں اشکال: حسن لغیرہ کا حجت ہونا متقدمین سے ثابت نہیں ہے۔

جواب:

1۔ یہ بات کئی وجوہات کی بنا پر درست نہیں ہے۔ محدث سندھ شیخ الاسلام محب اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لیکن میرے محترم یہ کوئی کلیہ تو نہیں کہ متقدم جو بھی کہے وہ صحیح ہوتا ہے اور جو ان سے متاخر کہے وہ صحیح نہیں ہوتا۔ [3]

[1](مقدمة القول الحسن ص: 5). [2] (أيضا ص:8). [3] (مقالات راشدیہ ج1ص: 332)

نیز فرماتے ہیں: کسی کا زمانے کے لحاظ سے متقدم ہونا یہ کوئی دلیل نہیں کہ جو ان سے زمناً متاخر ہو اس کی بات صحیح نہیں۔ اعتبار تو دلائل کو ہے نہ کہ شخصیات کو۔ (ایضا333)

نیز کہا: تو کیا آپ ایسے سب رواۃ (جن کی حافظ صاحب نے توثیق فرمائی اور ان کے بارے میں متقدمین میں سے کسی کی توثیق کی تصریح نہیں فرمائی) کے متعلق یہی فرمائیں گے کہ ان کی توثیق مقبول نہیں یہ ان کا اپنا خیال ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اس طرح آپ اس جلیل القدر حافظ حدیث اور نقد الرجال میں استقراء تام رکھنے والے کی ساری مساعی جمیلہ پر پانی پھیر دیں گے۔ آپ خود ہی سوچیں کہ جناب کے اس نہج پر سوچنے کی زد کہاں کہاں تک پہنچ کر رہے گی۔[1]

2۔ فضیلۃ الشیخ ابن ابی العینین فرماتے ہیں، جس کا خلاصہ درج ذیل ہے: بعض طلبہ جنھوں نے ماہر شیوخ سے بھی نہیں پڑھا، وہ بعض نظری اقوال لے کر اپنے اصول و قواعد بنا رہے ہیں اور وہ کبار علماء سے اختلاف کرتے ہیں۔ انھوں نے باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ ہم متقدمین کے پیروکار ہیں اور انھوں نے متاخرین کے منہج کو غلط قرار دیا ہے۔[2]

3۔ متقدمین کی حسن لغیرہ کے متعلق کون سی بحثیں ہیں، جن کے خلاف متاخرین نے اصول وضع کیے ہیں؟!

4۔ متاخرین نے علم متقدمین ہی سے لیا ہے اور وہ انھیں کے انداز سے اصول متعین کرتے ہیں۔ فائدہ: باطل روایت کی خواہ جتنی بھی سندیں ہوں وہ باطل ہی رہے گی حسن لغیرہ نہیں بن سکتی، اس کی مثال قصہ غرانیق ہے، اس روایت کو محدثین و محققین نے باطل کہا ہے مثلاً امام الائمہ امام ابن

[1](ایضا335). [2] (القول الحسن:103)

خزیمہ نے کہا کہ یہ زنادقہ (مجوسیوں اور پارسیوں) کا گھڑا ہوا قصہ ہے۔ (مفاتیح الغیب للرازی:۵۰/۲۳) علامہ ابو بکر ابن العربی نے دس اسباب کی بنا پر اسے باطل قرار دیا ہے (احکام القرآن:۴۷،۷۵/۲) علامہ رازی نے ائمہ فن سے اس کا باطل اور من گھڑت ہونا نقل کیا ہے (تفسیر الرازی:۲۳، ۵۰) جو بات باطل اور من گھڑت ہو وہ حسن لغیرہ کبھی نہیں ہو سکتی **فافهم**

محدثین کا اسماعیل بن ابی خالد کے عنعنہ کو قبول کرنا:

متعدد متقدمین محدثین نے اسماعیل بن ابی خالد کے بدونِ تدلیس عنعنہ کو قبول کیا ہے لیکن ہمارے اساتذہ کرام میں سے بعض علماء ان کی عن والی روایات کو ضعیف کہتے ہیں، مثلاً دیکھئے: اسماعيل بن ابى خالد عنعن وهو مدلس (طبقات المدلسين: 362 وهو من الثالثة) [1]

منہج متقدمین اور منہج متاخرین!

حسن لغیرہ کے مسئلے میں کہا جاتا ہے کہ متقدمین کو لیا جائے گا، لیکن دیگر مقامات پر اپنے غلط اصول کے مقابلے میں متقدمین کی ہی بڑے زور سے مخالفت کی جاتی ہے اس پر ہمارے پاس متعدد مثالیں ہیں۔

تحقیق حدیث میں متقدمین کی مخالفت کی مثال

1 داڑھی کے خلال کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہٰکذا اَمرنی ربی مجھے میرے رب نے اسی طرح حکم دیا ہے۔ اس کے متعلق لکھا گیا: " اسنادہ ضعیف۔ولید بن زوران: لیّن الحدیث (تق:7423) وللحدیث شاہد ضعیف عندا لحاکم

(ج1ص149، ح529) فیہ الزہری مدلس (طبقات المدلسین:102ا۔3) و عنعن"[1]

جواب:

تو آیئے جو علتیں اشکال میں بیان کی گئی ہیں، ان کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

ہم بڑے ادب سے عرض کرنا چاہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے ضعیف کہنا درست نہیں ہے اس اجمال کی تفصیل درج ذیل ہے۔ ولید بن زوران حسن الحدیث راوی ہے، کیونکہ امام ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے (ج7ص550) اور حافظ ذہبی نے بھی اسے ثقہ کہا ہے۔[2]

انوار الصحیفہ کے مقدمہ میں ایک قاعدہ ذکر کیا گیا ہے کہ: " لکن وثقہ المتساہلان فصاعدا ولم یضعفہ احد فھو حسن الحدیث عندی" (مقدمہ انوار الصحیفہ: ص6) لیکن جس راوی کو دو متساہل محدثین یا زیادہ ثقہ قرار دیں اور اس کو کسی نے ضعیف بھی نہ کہا ہو تو وہ میرے نزدیک حسن الحدیث ہے۔

اس قاعدے کے تحت بھی یہ راوی حسن الحدیث ہوا، کیونکہ اس کو دو محدثین ثقہ کہہ رہے ہیں اور کسی نے ان کو ضعیف نہیں کہا۔ صاحب انوارالصحیفہ نے اس راوی کے بارے میں حافظ ابن حجر کا قول نقل کیا کہ یہ راوی لین الحدیث ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ خود اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں: اسنادہ حسن لان الولید وثقہ ابن حبان ولم یضعفہ احد وتابعہ علیہ ثابت البنانی عن انس رضی اللہ عنہ۔ (النکت علی ابن الصلاح: ج1ص423) اس کی سند

) [1] انوار الصحیفۃ فی الاحادیث الضعیفۃ من السنن الاربعۃ ص19ح145). [2] (الکاشف:6064.(

حسن درجے کی ہے، کیونکہ ولید کو امام ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔ کسی نے بھی ان کو ضعیف نہیں کہا اور ثابت البنانی نے ان کی متابعت کی ہے۔ محترم کا یہ کہنا کہ اس کا ایک شاہد بھی ہے اور اس کی سند میں زہری مدلس ہیں اور وہ عن سے بیان کر رہے ہیں۔ تو عرض ہے کہ سلف وخلف محدثین میں سے کسی نے بھی اس حدیث کو زہری کے عن سے بیان کرنے کی وجہ سے ضعیف نہیں، کہا بلکہ محدثین تو اس حدیث کو صحیح کہہ رہے ہیں مثلاً:

۱: امام حاکم نے کہا: اسنادہ صحیح (المستدرک: ج1ص276):

۲: امام ضیاء مقدسی نے کہا: اسنادہ صحیح (الاحادیث المختارہ: ج3ص169، ح2710)

۳: امام ابن قطان الفاسی نے کہا: ہذا الاسناد صحیح (بیان الوہم والایہام: ج5ص220)

۴: حافظ نووی نے کہا: اسنادہ حسن او صحیح (المجموع: ج1ص376)

۵: حافظ ذہبی نے کہا: صحیح (تلخیص المستدرک ج1ص276)

۶: حافظ ابن قیم نے کہا: ہذا اسناد صحیح: تہذیب سنن ابی داود: ج1ص76)

۷: حافظ ابن حجر نے کہا: اسنادہ حسن (النکت: ج1ص423)

۸: علامہ عبد الروف المناوی نے کہا: حسن (التیسیر بشرح الجامع الصغیر ج2ص276)

۹: علامہ حمدی بن عبد المجید السلفی نے کہا: صحیح (تحقیق مسند الشامیین ج3ص6)

۱۰: امام ناصر الدین نے کہا: صحیح (ارواء الغلیل ج1ص130)

۱۱: علامہ ابو عبیدہ مشہور حسن نے کہا: والحدیث صحیح (تحقیق المجالسہ وجواہر العلم ج3ص323ح949) تلک عشرۃ کاملۃ ولدینا مزید۔

اس بحث سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث سلف وخلف محدثین کے ہاں صحیح ہے اور یہی حق ہے۔ امام ابن شہاب زہری کے عن سے بیان کرنے کی وجہ سے کسی نے اس کو ضعیف نہیں کہا۔ جب ایک حدیث کو محدثین صحیح کہہ رہے ہیں تو اس کو صحیح مانا جائے گا وہ ہم سے کہیں زیادہ تحقیقِ حدیث کے ماہر تھے۔ ''انوار الصحیفہ فی الاحادیث الضعیفۃ من السنن الاربعۃ'' نامی کتاب میں پچاس سے زیادہ احادیث کو صرف اس وجہ سے ضعیف قرار دیا گیا ہے کہ ان کی سند میں امام ابن شہاب زہری ہیں اور صیغہ عن سے بیان کر رہے ہیں۔ ایک مقام پر لکھا گیا: اگرچہ اس کے تمام راوی صحیحین کے راوی ہیں مگر یہ سند زہری رحمہ اللہ کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ ان پر تدلیس کا الزام ثابت ہے لہذا اس اثر کے ذکر کرنے سے اجتناب کر رہا ہوں، کیونکہ یہ میری شرط پر نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔[1]

جواب: حدیث کی صحت وضعف کا مدار محدثین کی شروط پر ہے۔ اگر کوئی حدیث ان کی شروط پر صحیح ہے تو وہ صحیح سمجھی جائے گی۔ کسی حدیث کا آج کے کسی عالم دین کی اپنی بنائی ہوئی شرط پر اترنا کوئی ضروری نہیں۔ محدثین امام زہری کی عن والی حدیث کو صحیح سمجھتے تھے، یعنی زہری کا عنعنہ

محدثین کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔اس کا اعتراف بھی ملاحظہ فرمائیں: خلیفہ رابع امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی ظہر وعصر کی نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کا حکم مروی ہے جسے امام دار قطنی، امام حاکم، امام بیہقی اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔[2]

محدثین کی شرط پر صحیح ہے پر اس کے متعلق کہنے والوں نے یہ بھی کہا کہ اگرچہ اس کے تمام راوی صحیحین کے راوی ہیں مگر یہ سند زہری رحمہ اللہ کے عنعن کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ ان پر

([1]الکواکب الدریۃ مسئلہ فاتحہ خلف الامام ص:90)، [2] (دیکھئے سنن دار قطنی 1322 ح1219،المستدرک 2239ح874،السنن الکبری للبیہقی2168ح196۔195،جزء القراءت للبیہقی ص92،94.)

تدلیس کا الزام ثابت ہے لہذا اس اثر کے ذکر کرنے سے اجتناب کر رہا ہوں۔کیونکہ یہ میری شرط پر نہیں ہے۔واللہ اعلم۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ زہری کا عن سے بیان کرنا محدثین کی شرط پر تو صحیح ہوتا ہے امام دار قطنی، حاکم، بیہقی اور ذہبی، معتمد علیہ حفاظ حدیث، ائمہ دین کی شرط پر تو صحیح ہے اور یہی صحیح بات ہے۔!!!

علائی نے کہا: **قبل الائمة قوله عن**(**جامع التحصیل ص**109) یہی بات سبط العجمی نے اپنی کتاب (**التبیین**: ص ۸۰) میں کہی ہے۔ متقدمین کے منہج کو ثابت کرنے کے لئے دکتور حاتم العونی کی تحریر پیش کی جاتی ہے، حالانکہ دکتور صاحب نے وہ بحث حسن لغیرہ کے متعلق نہیں کی بلکہ عام بحث کی ہے اور متاخرین کا منطقیوں سے متاثر ہونا بھی حسن لغیرہ کے متعلق نہیں کہا بلکہ انھوں نے خود "المنہج المقترح" میں متواتر کی بحث کی مثال دے کر بیان کیا ہے نہ کہ حسن لغیرہ کی مثال دی ہے اور وہ خود حسن لغیرہ کے قائل ہیں۔

دکتور حاتم العونی نے کہا:

العلماء متفقون علی قبول عنعنة الزہری ومنهم ابن حجر نفسه

تمام علماء، محدثین امام زہری کے عن والی روایات کو قبول کرنے پر متفق ہیں اور ان میں ابن حجر خود بھی ہیں۔(التخریج و دراسۃ الاسانید ص77)ہمارے علم کے مطابق حافظ ابن حجر نے کسی بھی حدیث کو زہری کے عن سے بیان کرنے کی وجہ سے ضعیف قرار نہیں دیا، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابن حجر کا انھیں تیسرے طبقے میں شمار کرنا مرجوح قول ہے۔

([1]الکواکب الدریۃ مسئلہ فاتحہ خلف الامام ص:90)

(1) کتاب الحجامة پښتو .... مطبوع
(2) حوارات المسلم عربی...................... مطبوع
(3) حوارات النسوة عربی...................... مطبوع
(4) حوارات ابناء الاسلام .... غیر مطبوع
(5) حوارات بنات الاسلام عربی........... مطبوع
(6) حدیقة المسلم عربی.................. غیر مطبوع
(7) حدیقة النسوة عربی.................. غیر مطبوع
(8) تذکرة بیاد شیخ اردو........................ مطبوع
(9) اتحاد الامت پښتو............................ مطبوع
(10) معارف الاحوال لاصلاح عمل الاطفال پښتو مطبوع
(11) اسان اصول فقه پښتو.................... غیر مطبوع
(12) لغة الاطفال عربی.......................... مطبوع
(13) میزان الصرف عربی...................... مطبوع
(14) صرف بهائی عربی.......................... غیر مطبوع
(15) مه غمژن کیګه.......................... غیر مطبوع
(16) اسلامی نغمے پښتو...................... غیر مطبوع
(17) دعوت الی الله غیر مطبوع
(18) روضة الاطفال مطبوع
(19) پښتو ترجمه اسان مونځ مطبوع
(20) ماحکم المیراث فی الاسلام مطبوع
(21) اَلْمُکَالَمَةُ بَیْنَ یَدَیکَ غیر مطبوع
(22) اسانه طریقه دقرآن مجید دحفظ مطبوع
(23) علم القرآن غیر مطبوع
(24) اهل القرآن ورجال القرآن غیر مطبوع
(25) پرسکون گهرانه اور حقوق نسواں غیر مطبوع
(26) المکالمه بین النساء غیر مطبوع
(27) څلویښت دعاګانی او څلویښت حدیثونه مطبوع
(28) عظمت قرآن بزبان قرآن غیر مطبوع
(29) الجرح والتعدیل وظوابط التحقیق والتخریج غیر مطبوع

(30) اصول الحدیث فی حدیث الرسول **غیر مطبوع**

(31) توحید باری تعالیٰ سے متعلقہ شکوک وشبہات کا ازالہ **غیر مطبوع**

(32) **پښتو ترجمہ** رہنمائے اساتذہ مطالعۂ قرآنِ حکیم **غیر مطبوع**

(33) **پښتو ترجمہ** مطالعۂ قرآنِ حکیم جلد اول **غیر مطبوع**

(34) **پښتو ترجمہ** مطالعۂ قرآنِ حکیم جلد دویم **غیر مطبوع**

(35) **پښتو ترجمہ** خیر الاصول فی حدیث الرسول **مطبوع**

(36) فتنوں میں مؤمن کا کردار **غیر مطبوع**

(37) نور القرآن **غیر مطبوع**

(38) فکری جنگ **غیر مطبوع**